پیغمبرانہ منہاج دعوت

ڈاکٹر خالد علوی

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

پیغمبرانہ منہاج دعوت

ڈاکٹر خالد علوی

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

جون 2005ء

محمد فیصل نے

زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت: -/400 روپے

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	۹
مقدمہ	۱۱

حضرت آدم علیہ السلام

تخلیقِ آدم	۳۱
آزمائش	۳۲
ابلیس کی دشمنی وفریب کاری	۳۴
آدم کی سادگی وخطا کاری	۳۶
آدم وابلیس کا فرق	۳۷
ہدایت ربانی	۳۹
آدمؑ کی دعوت	۴۰

حضرت نوح علیہ السلام

دعوت کا موضوع	۴۴
دعوت کا انداز	۴۹
دعوت کے مخاطبین	۵۴
دعوت کا ردعمل	۵۵
ملاء (سرداران قوم) اور دعوت الی اللہ	۵۵
تین اعتراضات	۵۶
دعوت سے انکار کا انجام	۶۲
طوفان	۶۳
نوحؑ کی آخری آزمائش	۶۴
یقین وایمان	۶۶
اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد	۶۷
آزمائش وابتلاء	۶۸

حضرت ہود علیہ السلام

قوم عاد	۷۱
عاد کا مسکن	۷۱
عاد کا زمانہ	۷۲
عاد کا مذہب	۷۲
دعوت کا موضوع	۷۳
دعوت کا انداز	۷۴
دعوت کا ردعمل	۷۴
ہودؑ کا جواب	۷۶
طلب نصرت	۷۸
انجام	۷۸
ہودؑ اور ان کے رفقاء کی نجات	۸۱

حضرت صالح علیہ السلام

قوم ثمود	۸۳
ثمود کا مسکن	۸۳
ثمود کا مذہب	۸۵
صالحؑ کی دعوت	۸۶
دعوت کے دلائل	۸۶
ردعمل	۸۸
قوم ثمود کا انجام	۹۳

حضرت ابراہیم علیہ السلام

معاشرتی پس منظر	۹۷
خاندانی پس منظر	۹۹

Marfat.com

دعوت کا شعور	۱۰۲
دعوت کا ردعمل	۱۱۴
ہجرت	۱۱۵
آزمائش	۱۱۷
بیٹے کی قربانی	۱۱۸
قربانی کی جگہ	۱۱۹
کامیابی وکامرانی	۱۲۲
تکریم ابراہیمؑ	۱۲۴

حضرت لوط علیہ السلام

قوم لوط	۱۲۹
لوطؑ کی دعوت	۱۳۰
انداز تبلیغ ودعوت	۱۳۱
دعوت کا ردِعمل	۱۳۲
لوطؑ کی دعا	۱۳۳
قوم لوط کا انجام	۱۳۴
عذاب کی صورت	۱۳۶

حضرت یوسف علیہ السلام

آزمائش	۱۴۲
آزمائش کا پہلا مرحلہ	۱۴۲
آزمائش کا دوسرا مرحلہ	۱۴۵
یوسفؑ کا ردِعمل	۱۴۸
آزمائش کا تیسرا مرحلہ	۱۴۹
کامیابی کی منزل	۱۵۲
کامرانی کی آخری منزل	۱۵۴
مشیت الٰہی کا آخری منظر	۱۵۵
داعی کے اخلاقی اوصاف	۲۰۲
یعقوب کی شخصیت	۱۶۲
پیغمبرانہ فراست	۱۶۳

حضرت شعیب علیہ السلام

قوم شعیب	۱۶۹
مدین کا علاقہ	۱۶۹
قوم شعیب کی خرابیاں	۱۷۲
شعیب کی دعوت	۱۷۲
طریق دعوت	۱۷۵
قوم کا ردعمل	۱۷۷
شعیبؑ کا جواب	۱۷۹
قوم شعیب کا انجام	۱۸۱
عذاب کی نوعیت	۱۸۲

حضرت ایوب علیہ السلام

ایوبؑ کی شخصیت	۱۸۶
امتحان اور آزمائش	۱۸۸
اجابت دعاء	۱۹۲
اللہ کی خصوصی عنایت	۱۹۳
نصائح	۱۹۳
ابتلاء	۱۹۴
صبر	۱۹۵
رجوع الی اللہ	۱۹۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام

تاریخی پس منظر	۱۹۹
تدبیر الٰہی	۲۰۴
موسیٰؑ کی پیدائش	۲۰۵
فرعون کی بیوی کا کردار	۲۰۹
بچے کا اپنی ماں کے پاس لوٹنا	۲۱۰
ابتدائی زندگی	۲۱۲
قبطی کا قتل اور موسیٰؑ کا مصر سے خروج	۲۱۳
مدین میں ورود	۲۱۹

Marfat.com

شیخ مدین کے ہاں حاضری	۲۲۰
شیخ سے رشتہ مصاہرت	۲۲۱
شیخ مدین کا تعین	۲۲۳
ایفاء مدت	۲۲۴
بعثت	۲۲۷
دعوت کا موضوع	۲۳۱
دعوت عمومی	۲۳۲
معجزات کا عطیہ	۲۳۴
دعوت خصوصی	۲۳۸
بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانا	۲۳۹
موسیٰؑ کے عہد کا فرعون	۲۴۰
بعثت نبوی پر موسیٰؑ کا ردِ عمل	۲۴۱
اسلوب دعوت	۲۴۴
دعوت کا مقصد	۲۴۶
فرعون کے سامنے دعوت حق	۲۴۶
فرعون کا ردعمل	۲۴۸
ربوبیت الٰہی کی تحقیر	۲۴۹
فرعون کا دعوائے الوہیت	۲۵۰
معجزات کا اظہار	۲۵۵
معجزات پر فرعون کا ردعمل	۲۵۷
حضرت موسیٰؑ	
اور جادوگروں کا مقابلہ	۲۶۳
اتمام حجت اور دعوت عام	۲۶۴
غلبۂ حق	۲۶۶
فرعون کی چال	۲۶۷
ایمان باللہ کا کرشمہ	۲۶۹
مقابلہ کے اثرات ونتائج	۲۷۰
نوجوانوں کا توکل	۲۷۲
معنی خیز دعاء	۲۷۳
فرعون کی شکست اور بنی اسرائیل کا ابتلاء	۲۷۴
موسیٰؑ کا دوسرا کام	۲۷۵
موسیٰؑ اور بنی اسرائیل	۲۷۸
دینی تنظیم	۲۷۷
موسیٰؑ اور آل فرعون	۲۷۸
نو نشانیاں	۲۷۹
موسیٰؑ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی	۲۸۲
موسیٰؑ کی دعاء	۲۸۴
قبولیت دعاء	۲۸۵
بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب	۲۸۶
فرعون کا غرق ہو جانا	۲۸۸
قرآن کا بیان	۲۸۹
عظیم معجزہ	۲۹۱
فرعون ایک سامان عبرت شخصیت	۲۹۳
موسیٰؑ کی کامیابی	۲۹۶
بائبل کا بیان	۲۹۷
موسیٰؑ فرعون کے دربار میں	۳۰۱
خدا کے وعدوں کی تجدید	۳۰۲
موسیٰؑ وہارون کا نسب نامہ	۳۰۳
فرعون کے سامنے معجزات	۳۰۳
بنی اسرائیل کی روانگی	۳۱۳
شرع فطر	۳۱۴
پہلوٹھوں کی شرح	۳۱۴
بحر قلزم کا عبور	۳۱۵
معجزہ وسحر کا فرق	۳۱۷
سحر کی حقیقت	۳۱۸

Marfat.com

سحر کی شرعی حیثیت	۳۲۱
انبیاء علیہم السلام کے معجزات	۳۲۱
معجزہ کی حقیقت	۳۲۲
معجزہ اور سحر کا فرق	۳۲۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تاریخی پس منظر	۳۳۳
مریمؑ کی کفالت	۳۳۵
مریمؑ کا خصوصی مرتبہ	۳۳۶
مسیح کی پیدائش	۳۳۷
مسیحی روایت	۳۴۱
مسیح علیہ السلام کی ابتدائی زندگی	۳۴۵
مسیح علیہ السلام کی آزمائش	۳۵۱
مسیح کی شخصیت	۳۵۲
بعثت ورسالت	۳۵۳
مسیحؑ کی دعوت	۳۶۶
تورات کی تصدیق	۳۷۰
حضور اکرمؐ کی بشارت	۳۷۱
اعمال صالحہ کا انتظام	۳۷۷
مسیح کی تعلیمات عہد نامہ جدید کی روشنی میں	۳۷۸
انقلابی جدوجہد	۳۷۹
حق وباطل کی کشمکش کا تصور	۳۷۹
قربانی کے لیے تیاری	۳۸۰
صبر کی تلقین	۳۸۰
فکر آخرت کی دعوت اور حب دنیا کی نفی	۳۸۱
مذہبی قیادت پر تنقید	۳۸۲
دعوت کی نوعیت کا جامع بیان	۳۸۳
مسیح کا اسلوب دعوت	۳۸۹
معجزانہ اسلوب	۳۹۰
معلمانہ اسلوب	۳۹۶
دعوت کا ردعمل	۴۰۳
مخالفت	۴۰۶
گرفتاری ومصلوبیت	۴۰۷
قرآن کا تبصرہ	۴۱۳
منکرین دعوت کا انجام	۴۱۹
مسیحؑ کی دعوت اور موجودہ عیسائیت	۴۲۰
مسیحؑ کے اسلوب دعوت کی غلط تعبیر	۴۲۱
الوہیت مسیحؑ	۴۲۱
عقیدہ کفارہ	۴۲۳
محبت کی تعلیم	۴۲۳
آسمانی بادشاہت کا حصول	۴۲۵
نجات کا تصور	۴۲۶
شریعت کی منسوخی	۴۲۷
ختنہ کی منسوخی	۴۲۸
قرآنی تبصرہ	۴۲۸
عبدیت مسیحؑ	۴۲۹
الوہیت مسیح اور ابنیت مسیحؑ کی نفی	۴۲۹
مصلوبیت کی نفی	۴۳۲
تحریف	۴۳۲
انتہا پسندی (غلو)	۴۳۳

☆☆☆

Marfat.com

پیش لفظ

دعوت الی اللہ میں انبیاءؑ کو قائدانہ حیثیت حاصل ہے۔ان کی جدو جہد کو زیرِ بحث لائے بغیر دعوت کا کوئی تذکرہ مکمل نہیں ہوتا۔کتاب میں آدمؑ سے مسیحؑ تک ان انبیاءؑ کا تذکرہ ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ انبیاءؑ کے قرآنی حالات کو اصول دعوت کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے۔وہ انبیاءؑ جن کا ذکر بائبل میں ہے ان کے بارے میں اس کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔کتاب کو دعوت کے طلبہ کے لئے بالخصوص اور عام قارئین مفید بنانے کے لئے حوالوں کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔بعض اہم نکات پر قابل اعتماد مفسرین و مصنفین سے استفادہ کیا گیا ہے۔بعض اقتباسات یقیناً طویل ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مصنف کی اپنی زبان میں بات پہنچانے کی کوشش کی ہے۔اگر غور کیا جائے تو کسی مصنف کے حوالے دینے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مصنف کے بیان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں دیا جائے اور دوسرا یہ ہے کہ مصنف کی بات اس کے اپنے الفاظ میں نقل کی جائے۔میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ زیادہ محفوظ ہے۔خلاصہ بیان کرتے ہوئے کسی نکتہ کے رہ جانے کا امکان بھی ہوتا ہے اور بیان میں غلطی کا سرزد ہونا بھی ممکن ہوتا ہے۔کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپے کافی عرصہ ہوا اور ناشرین سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ علم بھی نہیں کہ اس وقت کیا صورت حال ہے۔

اس ایڈیشن میں دو چیزوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ایک تو انگریزی کے طویل اقتباسات کو نکال دیا گیا ہے اور چونکہ اردو ترجمہ موجود ہے اس لئے کوئی کمی محسوس نہیں کی جائے گی۔حوالوں کو دوبارہ دیکھا گیا ہے۔زبان کا بھی ازسرِ نو جائزہ لیا گیا ہے۔کتاب میں کوئی نیا مواد تو شامل نہیں کیا گیا البتہ اسے مؤثر اور مفید بنانے کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔شعبۂ تحقیق کے ہمارے ساتھی جناب شاہد رفیع صاحب نے اسے دقت نظر سے دیکھا ہے۔

امید ہے کہ نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے زیادہ مفید ثابت ہوگا۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اسے شرفِ قبولیت بخشے اور مؤلف اور ناشر کے لیے باعثِ اجر و ثواب بنائے۔حضور اکرم ﷺ کے منہاج دعوت پر مفصل کام ابھی باقی ہے۔رب العزت سے دُعا ہے کہ وہ توفیق عطا کرے تاکہ اس کی تکمیل ہو۔

خالد علوی

Marfat.com

مقدمہ

دعوت الی اللہ بنیادی طور پر ایک عملی پروگرام ہے جو تعلیم و تعلم، تربیت و اصلاح اور بالآخر حق و باطل کی عملی کشمکش پر مشتمل ہے۔ علماء اور صلحاءِ ملت نے دعوتِ اسلامی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لئے عمدہ کتابیں لکھیں۔ دورِ حاضر میں دعوت اسلامی ایک مرتب علم کی صورت میں سامنے آئی ہے اور مختلف اسلامی جامعات نے اسے اپنے نصابات کا حصہ بنایا ہے۔ کلیۃ الدعوۃ اور دعوۃ اکیڈمی کے نام سے کئی ادارے وجود میں آئے جو دعوت اسلامی کے علمی و عملی کام کا مربوط مطالعہ پیش کر رہے ہیں۔

دعوت کے مفاہیم، طریق کار، دعوت کے کارکن کے خصائل، دعوت کی مشکلات اور تاریخ دعوت سے متعلق معیاری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ دعوت کے انفرادی پہلوؤں کے علاوہ اجتماعی حیثیت پر بھی علماء و مفکرین نے قلم اٹھایا ہے اور یوں دعوت اسلامی پر ایک معتد بہ لٹریچر تیار ہو گیا ہے۔

اس موضوع کا سب سے زیادہ مؤثر حصہ تاریخ دعوت کا ہے جس میں داعیانِ الی اللہ کے اسالیب و تجربات کی حیثیت روشنی کے میناروں کی طرح ہے۔ دعوت الی اللہ کے کارکنوں نے ہر دور میں حق و صداقت کے لئے شاندار مثالیں قائم کی ہیں جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے راہنمائی کا کام دیتی ہیں۔ دعوت الی اللہ کی تاریخ طویل بھی ہے اور صبر آزما بھی۔ اس کی حیثیت ایک کہکشاں کی سی ہے جس میں لاتعداد ستارے چمک رہے ہیں۔ تاریخ دعوت کا نقطۂ آغاز انبیاء علیہم السلام کی شخصیات ہیں جو سورج چاند کی طرح چمک رہی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اس دنیا کی وہ نورانی شخصیتیں ہیں جو انسانی زندگی کا معیار ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں خیر کو عام کرنے اور شر کو مٹانے کے لئے شاندار مساعی کی ہیں۔ ان کی بنیادی حیثیت داعی الی اللہ کی ہے۔ چونکہ تمام برائیوں کی جڑ اللہ تعالیٰ کے متعلق لاعلمی و غلط فہمی اور اس سے غفلت و دوری ہے اس لئے ان حضرات کا اولین کام انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف بلانا تھا۔ تمام الہامی مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص ان شخصیتوں کے تذکرہ کو اہمیت دی گئی ہے ان کے حالات و واقعات میں عبرت و نصیحت اور موعظت و اصلاح کے بہت سے پہلو ہیں۔ جنہیں اہلِ فکر و نظر اور اربابِ عمل و اخلاق پیشِ نظر رکھ سکتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں دعوت الی اللہ کے لئے ہمیشہ اسوہ حسنہ رہیں گی۔

Marfat.com

انبیاء علیہم السلام کی حیثیت

انبیاء علیہم السلام زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح دعوت میں بھی اسوہ وقدوہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔قرآن نے مختلف انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں واجب الاتباع قرار دیا۔ارشاد باری ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۱)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی سو تم انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

اسی طرح ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کو حکم دیا کہ آپ دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں!

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۲)

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

عام مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء اور محمد کریم ﷺ ایمان کے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔لہٰذا تم کو اپنی زندگیاں انہی نمونوں کے مطابق ڈھالنی چاہئیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (۳)

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کو فرض قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (۴)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

انبیاءؑ کو اسوہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ان کی شخصیتیں مکمل ہوتی ہیں۔ان میں کوئی جھول نہیں ہوتا کوئی پہلو کمزور نہیں ہوتا وہ ہمہ پہلو قائدین ہوتے ہیں۔غیر انبیاء کی شخصیتوں میں اگر کوئی پہلو ابھرا ہوا ہے تو دوسرا کمزور ہے۔ کتنے ہی ایسے سیاسی اور عسکری قائدین ہیں جو عملی اعتبار سے کمزور ہیں اور کتنے ہی علماء و مصلحین ہیں جو قوت، حجت اور غزارت علم کے اعتبار سے بہترین نمونے ہیں، لگن، کثرت نشاط و تحریک اور مادی معاملات کی تنظیم میں ناقص ہیں

Marfat.com

۔اس کے برعکس تمام انبیاء بالعموم اور خاتم النبیین ﷺ بالخصوص ہر مسئلہ انسانیت کے لئے راہنمائی کا نمونہ ہیں۔

واجب الاتباع

قرآن نے انہیں واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (۵)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

اور حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۶)

اے محمد تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر تسلیم خم کر دیں۔

معصوم عن الخطاء

انبیاءؑ کو اسوہ وقدوہ قرار دیا اور ان کے اتباع کو لازم قرار دیا کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی نگرانی، اس کی ہدایت اور تربیت کی وجہ سے شرک وضلالت، کج روی ونفس پرستی اور فسق ومعصیت سے محفوظ تھے۔ان میں سے کوئی بھی گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ ان سے کبھی ایسے امر کا بھی صدور نہیں ہوا جو مروت وشائستگی کے منافی ہو۔یہ حضرات اپنے معاشرے کے نفیس ترین لوگ تھے۔اخلاقی صفات کے لحاظ سے بھی اور حسب ونسب کے لحاظ سے بھی اشرف ترین تھے۔اللہ نے انہیں منتخب کیا اور پھر ان کی حفاظت فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ (۷)

وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (۸)

میں نے تم کو اپنے کاموں کے لئے بنا لیا ہے۔

حضور اکرمؐ کی رسالت پر جب اعتراض کیے گئے تو مشرکین نے کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ تجربہ نہ ہو جس کا دعوی محمد بطور رسول کرتے ہیں۔تو قرآن نے کہا:

Marfat.com

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه‘ (۹)

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے

چونکہ انبیاء اللہ کے منتخب کردہ لوگ ہوتے ہیں اس لئے وہ اس کی مرضی کے بغیر لب کشا نہیں ہوتے۔ حضور اکرمؐ کے بارے میں ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (۱۰)

وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔

انبیاء اللہ تعالیٰ کے زیر نگراں ہونے کی وجہ سے کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے جو انسانیت کے لئے نقصان دہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی یہی حیثیت ہے جس کی بناء پر یہ حضرات دعوت الی اللہ کے میدان بھی اسوہ وقدوہ ہیں۔ تاریخ دعوت میں ان کی حیثیت اولین معیار کی ہے۔ لہٰذا دعوت الی اللہ کا کوئی کام جو ان کے منہاج سے متصادم ہے قابل قبول نہیں ہوگا اور اسے دعوت اسلامی نہیں کہا جائے گا۔

انبیاء کے خصائص

انبیاء علیہم السلام نے ایک خاص طریق سے کام لیا اور مخصوص اصولوں کا پرچار کیا۔ چونکہ یہ کام ہدایت ربانی کی روشنی میں کیا گیا اس لئے یہی اصول دعوت کی بنیاد ہیں اور یہی طریق معیاری ہے۔ یوں تو اصول دعوت اور طریق دعوت کے اختصاصات کا ذکر ہر نبی کی سیرت میں ہوگا لیکن یہاں مشترک نکات کو پیش نظر رکھنا مفید ہوگا۔

اصولی دعوت

پیغمبرانہ دعوت کی عمومی نوعیت یہ ہے کہ یہ اصولی ونظریاتی دعوت ہے۔ اس کا تعلق شخصی، علاقائی، قومی، قبائلی، نسلی، لسانی یا گروہی مفادات سے نہیں۔ پیغمبر کا کام لوگوں کو توحید الٰہی کی طرف بلانا اور تقویٰ کی راہ پر چلانا ہے۔ ان کے اندر مکارم اخلاق پیدا کرنا اور انہیں ہر قسم کی برائیوں سے پاک کرنا ہے۔ انبیاءؑ اپنی اپنی قوم کے اشرار کو یہی سمجھاتے رہے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور نیکی کی روش اختیار کرو۔ فرعون نے جو، خدائی کا دعویدار تھا اور اپنی قوم کو ذلیل کر کے انہیں اپنی غلامی پر آمادہ کر چکا تھا، اللہ کے پیغمبر موسیٰؑ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا بالآخر انہیں قتل کرنے کے درپے تھا ایسے میں اس کی اپنی قوم کے ایک فرد نے، جو ایمان لا چکا تھا اسے اور اس کے اعیان سلطنت کو موسیٰؑ کی دعوت کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ قرآن نے اس کا جو بیان نقل کیا ہے وہ پیغمبرانہ دعوت کی اصولی نوعیت کی شاندار توضیح ہے۔ مومنِ آلِ فرعون نے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

وَ يٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۞ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۞ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ

Marfat.com

وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (۱۱)

اے قوم آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ میں تم لوگوں کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو! تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ ان ہستیوں کو شریک ٹھہراؤں جنہیں میں نہیں جانتا حالانکہ میں تمہیں اس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔ نہیں، حق یہ ہے کہ اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو ان کے لئے نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ آخرت میں اور ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور حد سے گذرنے والے آگ میں جانے والے ہیں۔

جاہل قیادتیں چونکہ شخصی، گروہی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی بنیاد پر اٹھتی ہیں اس لئے وہ لوگ پیغمبرانہ دعوت کو بھی انہی پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ انبیاءؑ کی طرف سے ہمیشہ اصرار رہا کہ ان کی دعوت اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی طرف ہے اور اس میں کوئی دنیاوی مفاد نہیں ہے۔ انبیاء نے بار بار اپنی بے لوثی اور بے غرضی کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ بے لوثی کے متعلق ان کے بیانات آگے آ رہے ہیں۔

اس اصولی دعوت کی تین بنیادی خصوصیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

دعوت الیٰ اللہ

انبیاء کی دعوت کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صحیح معنوں میں دعوت الیٰ اللہ ہے۔ ہر نبی نے شرح صدر کے ساتھ لوگوں کو رب تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلایا ہے اور انہیں شرک سے روکا ہے۔ یہ انسان کو مافوق الفطرت قوت کے ساتھ مرتبط کرتی ہے۔ تمام انبیاء کی دعوت کے مشترکہ نکتہ کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۱۲)

اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن نے غیر مبہم انداز میں کہا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ. (۱۳)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا۔ اور اس کے ذریعے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۱۴)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

Marfat.com

ہر وہ دعوت جس کا مرکزی نقطہ بندگی رب نہیں ہے وہ یقیناً پیغمبرانہ منہاج دعوت سے ہٹی ہوئی ہے۔ قرآن نے حضور اکرمؐ کی زبان سے کہلوایا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰهَ وَلَآ اُشْرِکَ بِهٖ. اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ (۱۵)

آپ کہہ دیں کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ. عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ. وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۶)

آپ ان سے صاف کہہ دیں میرا رستہ تو یہ ہے میں خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔

پیغمبرانہ منہاج دعوت میں توحید الوہیت کا اثبات اور شرک سے اجتناب کی حیثیت بنیادی پتھر کی ہے۔ کوئی دعوت بھی اس کے بغیر بے بنیاد اور بے نتیجہ ہوگی۔ دعوت الی اللہ دراصل اسباب کی غلامی سے نجات کا پیغام ہے جس سے انسانی شخصیت کو بے پناہ استحکام ملتا ہے۔

اطاعتِ رسول

پیغمبرانہ دعوت کی دوسری خصوصیت اطاعت رسول ہے۔ رسول کی ذات انسانی زندگی کی تنظیم کا مرکزی نقطہ ہے۔ پیغمبر کی ذات وہ مرکزی وجود ہے جس کے گرد جماعت کی پوری زندگی منظم ہوتی ہے۔ ہم اس سے پہلے اطاعت رسول اور اسوۂ رسول کے حوالے سے وہ آیات نقل کر چکے ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ اطاعت رسول کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ انبیاء کی دعوت کے سلسلے میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں یہ جملہ بار بار دہرایا گیا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۱۷)

لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

ہر نبی اپنے دور میں دعوت الی اللہ کے کام میں خود معیار ہوتا تھا لہذا اس کی قیادت و سیادت از خود مسلم ہوتی تھی اس کے بغیر دعوت کا کام مکمل نہیں ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ چونکہ آخری نبیؐ ہیں اور آپ کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا اس لئے آپ ہی کی ذات قیامت تک کے انس و جن کے لئے معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور اکرمؐ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک کا دور دراصل محمدی دور ہے اس عرصہ میں آپ کے حوالے کے بغیر کوئی دعوت معتبر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق عظیم کے مرتبہ پر فائز کیا اور اسوہ حسنہ کا خطاب دیا۔

Marfat.com

اخروی زندگی کی فلاح

انبیاء کی دعوت کی تیسری خصوصیت اخروی زندگی کی فلاح ہے۔ بالعموم انسانی سرگرمیوں کا رخ دینوی زندگی کے فضائل کے حصول کی طرف ہوتا ہے۔ ایک عام انسان سے لے کر بڑے بڑے دینوی رہنماؤں تک کی ساری تگ و دو فوائد دنیا کے حصول کے لئے ہوتی ہے۔ دولت وثروت، عزت و جاہ، شان وشوکت اور اختیار واقتدار وہ مقاصد ہیں جس کے لئے انسان ہمیشہ سرگرم عمل رہا ہے۔ یہی اس دنیا کی رونق ہے اور اسی کی وجہ سے یہاں فساد و خونریزی اور ظلم واستحصال ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی اہم اساس دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دوامی زندگی کا اثبات ہے۔ تمام انبیاء کی دعوت میں توحید کے ساتھ آخرت کا لازمی ذکر ہے۔ کسی نبی کی دعوت آخرت کے ذکر سے خالی نہیں۔ یہاں آخرت کی تفصیلات اور عقیدہ کے دلائل مہیا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ تمام انبیاء نے اپنی دعوت میں اسے اہمیت دی۔ چند ایک مثالوں سے ہماری بات واضح ہو جائے گی۔ مثلاً نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ o يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى. اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۸)

اللہ کی بندگی کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا کاش تمہیں اس کا علم ہو۔

ھودؑ کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ان کے انکار آخرت اور دینوی زندگی ہی کی خوشیوں کا تصور بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ o وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ o اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ o هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ o اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (۱۹)

اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا وہ کہنے لگے یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا ......یہ تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاؤ گے

Marfat.com

اس وقت تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔ بعید بالکل بعید ہے یہ وعدہ جو تم سے کیا جارہا ہے زندگی کچھ نہیں مگر بس یہی دنیا کی زندگی یہیں ہم کو مرنا جینا ہے اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں۔

موسیٰؑ کو جب نبوت عطا کی اور توحید اور نماز کا حکم دیا تو اس کے ساتھ قیامت کا ذکر بھی کیا۔ فرمایا:

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ○ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى (۲۰)

قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

حضور اکرمؐ کے ذریعہ آخرت کی زندگی کی تفصیلی تصویر پیش کی اور اس کی حقیقت کو مبرہن کر کے پیش کیا۔ ارشاد باری ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۱)

وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے، پھر دوسرے روز تمہیں اسی کاروبار عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تا کہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

مزید فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۲)

لوگو تمہاری یہ بغاوت تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے۔ دنیا کی زندگی کے چند روزہ مزے ہیں لوٹ لو پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

قرآن کی آیات کے علاوہ آنحضورؐ کی بکثرت احادیث ہیں جن میں آخرت کی حقیقت اور اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس کا دوسرا پہلو دنیا کی بے ثباتی کا ثبوت ہے۔ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ کتب حدیث کے ابواب الزھد دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں پیغمبرانہ رویے کے اظہار سے بھرے پڑے ہیں یہاں صرف ایک آیت کا ذکر کرنا کافی ہے۔

Marfat.com

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲۳)

اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصلی زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے کاش یہ لوگ جانتے۔

بے لوثی و بے غرضی

پیغمبرانہ دعوت کی چوتھی خصوصیت بے لوثی و بے غرضی ہے۔ قرآن مجید نے انبیاء کی دعوت کے سلسلے میں ان کی بے غرض ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل بیان بار بار دہرایا ہے:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ. اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۴)

میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اسی بات کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ اور مقامات پر بیان کیا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا. اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (۲۵)

میں (اس دعوت و تبلیغ کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔

یہ تو ایک عام نصیحت ہے۔ تمام دنیا والوں کے لئے

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا. اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (۲۶)

اے برادران قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲۷)

اے برادران قوم! اس کام پر میں -- تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم عقل سے ذرا کام نہیں لیتے؟

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (۲۸)

اے نبیؐ ان سے کہہ دو کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔

انبیاء علیہم السلام کے سامنے دنیوی فائدے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی جدوجہد دنیوی سیادت و قیادت کے لئے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ دکھ اٹھاتے، تکلیفیں سہتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں لیکن کسی دنیوی فائدے کے لئے حق پر مفاہمت کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

پیغمبرانہ منہاج دعوت جس طرح فکری اعتبار سے منفرد ہے اسی طرح عملی اظہار کے لحاظ سے بھی خصوصی نوعیت کا حامل ہے۔ یہ منہاج ہر لحاظ سے پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ اس میں منفی ہتھکنڈوں، زیر زمین سرگرمیوں اور ناجائز

Marfat.com

ذرائع کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ایک علانیہ دعوت ہے جس کے مقاصد اور اہداف واضح اور جس کا طریق کار نکھرا ستھرا ہے۔ ہر نبی نے اپنے وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ تمام طریقے استعمال کیے جن سے دعوت الی اللہ کے کامل ابلاغ میں مدد مل سکتی تھی۔ ان میں تقریر، تحریر، اجتماعی خطاب، انفرادی ملاقات، اعتراضات کے جوابات، مباحثہ اور معجزات کا اظہار وغیرہ شامل ہیں۔ معجزہ تو خصوصی طور پر انبیاء سے مختص ہے لہٰذا اس کے علاوہ جتنے طریقے ہیں انہیں ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً پریس کی ایجاد نے تحریر کو جو وسعت اور قوت دی اسے کتابوں، رسالوں، اخباروں اور اشتہاروں کی صورت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح الیکٹرانک میڈیا ایک زوردار طریق ابلاغ ہے جسے شیطانی قوتیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کررہی ہیں۔ اگر اسے دعوت الی اللہ کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ پیغمبرانہ منہاج کے دائرے ہی میں ہوگا، بشرطیکہ پیغمبرانہ اخلاص واوصاف کو سامنے رکھا جائے۔

اسی طرح خدمت خلق کے مختلف اسباب جن میں صحت کے ادارے، یتیموں کی کفالت کے ادارے، تعلیمی ادارے اور غربت وافلاس کے مارے ہوئے انسانوں کی دستگیری کے منصوبے اور محروم الوسائل لوگوں کے لئے قانونی اعانت کی صورتیں وغیرہ وہ ذرائع کام میں لاکر انسانوں کو ان کے خالق کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بے لوث خدمت ہوگی تو اس کے اخلاقی اثرات کا مرتب ہونا یقینی ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنے زمانے میں ربانی حکمت کے مطابق دعوت الی اللہ کے لئے ضروری اقدامات کیے اور ان کے منہاج کی واضح مثالیں ان حضراتؑ کے ذکر میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف تین خصوصیتوں کا ذکر کریں گے جو پیغمبرانہ منہاج دعوت میں مشترک حیثیت کی حامل ہیں:

دعوت کی زبان

پیغمبرانہ منہاج دعوت کی اولین خصوصیت زبان کی لطافت اور فصاحت ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان اور ان کا اسلوب بیان انفرادیت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اس طرزِ کلام میں پیغمبر کی شخصیت صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے اس میں نرم روی، مخاطب کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق الفاظ کا انتخاب شامل ہے۔ ہر نبی اپنے دور کا سب سے بڑا فصیح وبلیغ انسان ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کے بارے میں مفسرین نے " خطیب الانبیاء " کا لقب استعمال کیا ہے ۔ مولانا سیوہاروی کے بقول شعیبؑ بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی، حسن خطابت، طرزِ بیان اور طلاقت لسانی میں بہت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ (۲۹)

داؤدؑ کے بارے میں قرآن پاک نے بیان کیا۔

وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحِکۡمَةَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ (۳۰)

ہم نے انہیں حکمت اور فیصلہ کن خطاب سے نوازا

Marfat.com

موسیٰؑ کو اظہار بیان کے لئے مشکلات کا احساس تھا تو انہوں نے نبوت ملتے ہی خدا کے حضور طلاقت لسانی کی درخواست پیش کر دی۔ قرآن کے مطابق انہوں نے دعا کی:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (۳۱)

پروردگار میرا سینہ کھول دے میرا کام میرے لئے آسان کر دے میری زبان کی گرہ کھول دے میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔

اس دعا کی تاثیر تھی کہ حضرت موسیٰؑ بے تکان بات کرتے اور دعوت الی اللہ کے بیان میں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ معیار پیش کرتے۔ دعا کی تاثیر کا یقین ہونے کے باوجود بارگاہ ایزدی میں اپنے بھائی کی معاونت منظور کراتے ہیں اور اس درخواست میں اپنے بھائی کی فصاحت کا خصوصی ذکر کرتے ہیں:

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنَ (۳۲)

میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اسے میرا مددگار بنا کر بھیج دو تا کہ میری تصدیق کرے مجھے ڈر ہے کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

انا فصح العرب (۳۳)

میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح انسان ہوں

واعطیت جوامع الکلم (۳۴)

مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں

انبیاء کی زبان اپنے عہد کی معیاری اور پاکیزہ زبان ہوتی ہے ان کے ہاں کسی قسم کا ابتذال نہیں ہوتا اور ان کے اسلوب میں وقار کے منافی کوئی جملہ نہیں ہوتا لیکن ان کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ زبان کے بارے میں ایک اور پہلو بھی اہم ہے اور وہ ہے داعی اور مخاطب کی زبان کی ہم آہنگی، دعوت کا اصل مقصود پیغام کا ابلاغ ہے اگر ابلاغ نہ ہو تو ساری کاوش بیکار ہے۔ کامل ابلاغ کے لئے ضروری ہے کہ داعی کو مخاطبین کی زبان، اس کے محاورہ اور اس کی تنسیق کے بارے میں مکمل علم ہو۔ وہ جب خطاب کرے تو اسے اس زبان میں اظہار پر کوئی دقت پیش نہ آئے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اپنی قوم ہی کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہ قوم کی زبان بولتے اور ان کی معیشت و معاشرت سے پوری طرح واقف ہوتے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ

Marfat.com

وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (۳۵)

ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تا کہ صاف صاف بیان کردے۔

تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ ان حضرات نے اپنے بیان کی قوت اور زبان کی سلاست سے اپنے مخاطبین کو مسحور کیا۔ کسی نبی کے مخاطبین نے اس کی زبان اور اس کے بیان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ زبان کی فصاحت اور بیان کی وجہ سے انہیں جادوگر اور شاعر کہا۔ قرآن مجید نے مشرکین مکہ کے اعتراض کو رد کرتے ہوئے کہا ہمارا پیغمبر شاعر نہیں ہے۔ شاعر کی زبان اور پیغمبر کی زبان میں فرق ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهٗ (۳۶)

ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کے شایان ہے۔

نبی کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں اس کی زبان کا اسلوب، اس کے انداز بیان، اس کے دلائل اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں اس کی زبان کا اسلوب، اس کا انداز بیان، اس کے دلائل، اس کی تمثیلات سب اسی مقصد کی تفہیم کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ چونکہ شاعر اپنی خواہشات و احساسات کا تابع ہوتا ہے اس لئے اس کے بیان کا حسن اور زبان کی ندرت کسی بھی مقصد کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ شعراء کے متعلق قرآن کریم کا تبصرہ مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ کریں:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِىۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ وَاَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا يَفۡعَلُوۡنَ (۳۷)

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔

انبیاء کی زبان بلاشبہ ان کی قوم اور ان کے مخاطبین کی زبان ہوتی ہے لیکن وہ رطب و یابس سے محفوظ اور اپنی نوعیت کی منفرد زبان ہوتی ہے۔ الفاظ و تراکیب وہی ہوتے ہیں لیکن اس کا نظم انبیاء کے شایان شان ہوتا ہے ان کے لہجے کی مٹھاس اور الفاظ کا دروبست ایسا ہوتا ہے جس کا استعمال صرف انہی کے بس میں ہوتا ہے۔ وہ مخالفین کے استہزاء اور معاندین کی رکیک زبان کا جواب اس انداز میں دیتے ہیں کہ اسے پیغمبرانہ اسلوب کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ نوحؑ نوحؑ سے لے کر محمد رسول اللہ تک ہر نبی کو گھٹیا اور بازاری زبان کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے مقام رفیع سے نیچے نہیں اترا اور کوئی ایسا لفظ یا محاورہ نہیں استعمال کیا جو پیغمبرانہ شان سے فروتر ہو یہی دعوت الی اللہ کا تقاضا ہے۔ ایک داعی کو اپنے مخاطبین کی زبان کا ایسا ادراک ضروری ہے جس سے وہ ان کے دلوں پر دستک دے سکے اور جب ان سے مخاطب ہو تو وہ کسی قسم کی اجنبیت نہ محسوس کریں۔ اس کے ساتھ اس کی زبان میں کوئی ایسا اشارہ نہ ہو جسے وہ اس کی شخصیت کے خلاف استعمال کر سکیں۔ قادر الکلامی، پاکیزہ انداز اظہار،

Marfat.com

شستہ وشائستہ زبان، دعوت الی اللہ کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔پیغمبرانہ منہاج دعوت میں اسے اولین اہمیت حاصل ہے۔

مضبوط استدلال

پیغمبرانہ منہاج دعوت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک مضبوط استدلال پر مبنی ہے۔ انبیاء نے اپنے مخاطبین کو غور وفکر کی دعوت اور تفکر وتدبر کی راہ پر ڈالا۔ جہاں عقلی دلائل کی ضرورت پڑی وہاں عقلی دلائل مہیا کئے جہاں مشاہداتی براہین کو ضروری سمجھا وہاں انہیں پیش کیا اور جب معجزہ دکھانا ناگزیر ہوگیا تو معجزہ کے ذریعہ حق کو مبرہن کیا۔ انبیاء کی دعوت بے دلیل اور ان کا پیغام عقل کے خلاف نہیں ہوتا تھا۔ دعوت کے تینوں بنیادی اصولوں ۔توحید، آخرت اور رسالت پر دلائل کا وسیع سلسلہ موجود ہے۔ نوحؑ سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک ہر نبی کے ذکر میں پُرشکوہ دلائل موجود ہیں۔ تفصیلات تو ہر نبی کے ذکر میں موجود ہیں لیکن یہاں نمونہ کے طور پر چند ایک درج کی جاتی ہیں۔ انہیں بیان کرنے سے پہلے قرآن کا بیان ملاحظہ کریں جس میں دلیل کی قوت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۳۸)

تا کہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جئے اور اللہ ہے سننے والا اور جاننے والا۔

قرآن میں عقلی ومشاہداتی دلائل کا ایک شاندار سلسلہ ہے مثلاً مخاطب کو دعوت دیتے ہوئے کہا:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ. (۳۹)

اے پیغمبر آپ فرمادیں کہ تمہارے پاس کوئی یقینی علم ہے کہ اس کو تم ہمارے لئے ظاہر کرو تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم تو انکل ہی کرتے ہو۔ آپ فرمادیں کہ اللہ ہی کی ہے پہنچی ہوئی دلیل۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (۴۰)

اور آسمانوں اور زمین میں (خدا کی توحید کی) کتنی نشانیاں (دلیلیں) ہیں جن سے وہ گذر جاتے ہیں اور ان پر غور نہیں کرتے۔

نیز یہ کہ

Marfat.com

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ. اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۴۱)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں تم دیکھتے نہیں؟

انبیاء کے مضبوط استدلال کی ایک مثال نوحؑ کا بیان ہے جسے قرآن نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ. اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا o یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا o وَّ یُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْهٰرًا o مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا o وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا o اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا o وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا o وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا o ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا o وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا o لِّتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۴۲)

میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کردے گا تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے لئے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بر تہہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اُگایا پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اس سے یکا یک تم کو نکال کھڑا کردے گا۔ اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھادیا تاکہ تم اس کے اندر کھلے راستوں میں چلو۔

قرآن نے ان مباحثوں کو بھی نقل کیا جو انبیاء کو مختلف معاندین سے کرنا پڑے۔ اور موسیٰؑ کے مباحثے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غیر اللہ سے مانگنے کے سلسلے میں قرآن کا استدلال ملاحظہ کریں اور اندازہ کریں کہ پیغمبرانہ استدلال کی ربانی آواز کس درجہ موثر ہے۔ فرمایا:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ. وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَاهُوَ بِبَالِغِهٖ. وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (۴۳)

حقیقی پکارنا تو صرف اس کو پکارنا ہے رہے وہ جن کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں تو وہ ان کی کوئی بھی دادرسی نہیں کرسکتے۔ ان کو پکارنا ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف

Marfat.com

بڑھائے کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے درآنحالیکہ وہ کسی طرح اس کے منہ تک پہنچنے والا نہ ہو۔ ان کافروں کی فریاد محض صدا بصحرا ہوگی۔

اسی طرح یوسفؑ کا جیل کا وعظ (۴۴) پیغمبرانہ محکم استدلال اور شکوہ بیان کا نمونہ ہے۔ انبیاء کی دعوت اتنے محکم دلائل پر مبنی ہوتی ہے کہ منکرین و معاندین لاجواب ہوتے ہوئے محض ہٹ دھرمی اور ضد سے اس کا انکار کردیتے۔ قرآن مجید ان معجزانہ دلائل سے بھرا پڑا ہے۔ دعوت کی صداقت کا زور اس کے دلائل کے زور سے ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی نبی بھی دلائل کی قوت سے محروم نہ تھا اور جہاں ضرورت پڑتی وہاں آخری اور حتمی دلیل معجزہ بھی مہیا کردی گئی تا کہ منکرین پر اتمام حجت ہوجائے۔ غیر نبی داعی۔ کے لئے معجزے کے لئے علاوہ سارے دلائل کا موجود ہونا ازبس ضروری ہے۔ عقلی اور مشاہداتی دلائل کے ساتھ عمدہ نصیحت بھی لازمی ہے جو داعی کی خیر خواہی اور بے غرضی کو ثابت کرے گی۔

قیادت کو خطاب

انبیاء علیہم السلام کی دعوت اگرچہ عمومی نوعیت کی حامل ہوتی ہے لیکن پیغمبرانہ منہاج کی خصوصیت یہ ہے کہ اولین مخاطب اس قوم کی قیادت ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کی قسمت میں اس دعوت پر لبیک کہنا نہیں لکھا ہوتا اور وہ اولین مخالفین میں ہوتے ہیں۔ انسانی معاشروں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں کچھ انسانوں کو قیادت کا مقام حاصل ہوتا ہے وہ اپنی قوت، اثر و رسوخ اور دولت و ثروت کے باعث عام انسانوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی گفتار و کردار کے لحاظ سے رائے عامہ پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے اثر و رسوخ میں اچھے عوامل کا ہونا ضروری نہیں ان کے ظلم و عدوان اور جبر و تشدد کی وجہ سے بھی عام انسان مجبوراً ان کی متابعت کرتا ہے اور ان کے طے کردہ ضابطوں کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح رائے عامہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور عام معاشرے پر مسلط ہوتے ہیں۔ معاشرے کی بہت سی برائیاں اور خرابیاں انہی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور ان کی اصلاح سے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے انہی کو مخاطب کرتے ہیں۔ معاشرے کے بااختیار لوگوں کا دعوت قبول کرلینا عام آدمی کے لئے آسانیاں پیدا کردیتا ہے اور ان کی مخالفت کی وجہ سے عام آدمی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے وہ دعوت کے پیغام کو درست سمجھتے ہوئے بھی اکثر اوقات خطرات کے باعث قبولِ حق میں پس و پیش کرتا ہے۔ یہ ایک قدرتی ترتیب ہے جسے عقل عام قبول کرتی ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اسے خصوصی حکمت عملی کے طور پر اپنایا ہے ورنہ دعوت الی اللہ کا مزاج عمومی ہے اور اس کا پیغام ہر فرد بشر کے لئے ہوتا ہے۔ تاریخ انبیاء سے واضح ہوتا ہے کہ گو اولین مخاطب سرداران قوم یا صاحب اختیار فرد ہوتا ہے لیکن قبولیت دعوت کا اولین شرف معاشرے کے پسماندہ طبقوں کو حاصل ہوتا ہے۔ نوحؑ سے محمد رسول اللہ تک اولین مومنین کا تعلق محروم طبقات سے تھا اور انہیں استہزاء اور ایذاء کا سامنا تھا۔ بلال حبشی، آل یاسر اور اسی طرح کے

Marfat.com

دوسرے لوگوں کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ تاریخی حقیقت ہے۔ نوحؑ کو اپنے متبعین کے حوالے سے جس طرح طعنوں کا سامنا تھا اسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ (۴۵)

اس کی قوم کے سربراہوں نے جنہوں نے کفر کیا، جواب دیا کہ ہم تو تم کو بس اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمہاری پیروی کرنے والوں میں انہی کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے ذلیل لوگ ہیں بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لئے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ہم تم کو بالکل جھوٹا خیال کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کو براہ راست فرعون کی طرف مبعوث کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ زعماء اور اعیان سلطنت بھی شامل تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی وقت کے اقتدار کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ حضور اکرمؐ نے بھی اپنے قبیلے کے اشراف کو بلا کر ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ قرآن اسے وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (۴۶) یعنی اپنے سب سے نزدیک اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کرو کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ آپ نے تمام عربوں کو بھی مخاطب کیا اور آخر کار گرد و پیش کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے لیکن آپ کی دعوت کے اولین مخاطبین اشراف قریش تھے۔

تاریخ انبیاء سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دعوت کی مخالفت میں یہی صاحبان اثر و رسوخ پیش پیش ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کی نظر سطحی احوال پر ہوتی ہے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے نتیجے میں ان کی سیادت اور ان کا اثر و رسوخ ختم ہو جائے گا حالانکہ نئی دعوت کی کامیابی کی صورت میں قیادت انہی کے پاس ہوتی ہے جو سب سے پہلے اسے قبول کرتے ہیں۔ غالباً سب سے بڑی وجہ ان کی شر پسندی اور بغاوت ہوتی ہے جو انہیں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی متابعت سے روکتی ہے چونکہ وہ دعوت کو رد کر چکے ہیں اس لئے اس کے خلاف دلائل بھی مہیا کرتے ہیں اور عملاً صف آرا بھی ہوتے ہیں قرآن مجید نے اس لئے مخصوص گروہ کو الملاء سے تعبیر کیا ہے اور نوحؑ سے لے کر موسیٰؑ تک ان کے دلائل اور ان کے تبصروں کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تحقیر اور ان کا استہزا کیا بلکہ عملاً بھی انہیں نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی بھی کی۔ یہ تو مشیت ایزدی کی مداخلت ہے جس سے وہ اپنے متبعین سمیت تباہ ہوتے ہیں اور انبیاء اور ان کے پیرو کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

پیغمبرانہ منہاج دعوت میں صاحبان اثر و رسوخ کو دعوت کا اولین ہدف قرار دینا بالکل واضح ہے لہٰذا ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرے کی قیادتوں کو نظر انداز نہ کرے۔ ان پر محنت کرے، انہیں بار بار خطاب کرے اور ان سے اس وقت تک تعلق نہ توڑے جب تک وہ خود دشمنی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ نوحؑ کا طرز عمل مثال ہے

Marfat.com

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا (۴۷)

پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دعوت الی اللہ ایک Elitist Process ہے اور عام انسانوں سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ دعوت الی اللہ کا مزاج عمومی ہے اور عام انسان تک اس پیغام کا پہنچنا ایک بدیہی امر ہے۔ مخصوص گروہ کو شامل کرنے کی خاطر عامۃ الناس کو نظرانداز کرنا کسی طرح بھی دعوت کے مزاج کے مطابق نہیں ہے یہ تو صرف آغاز کی بات ہے۔ داعی کو حالات پر نظر رکھنی چاہیے اور جہاں جہاں بھی دعوت کی قبولیت کے سامان ہوں وہاں اجتماعیت کی تشکیل پا جانی چاہیے اور بالآخر داعی کو طے کرنا ہوتا ہے کہ وہ کب تک صاحبان اثر ورسوخ کی طرف متوجہ رہے گا۔ ان کے رویے، ان کی زبان اور ان کے طرز ہائے عمل واضح کر دیں گے کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔ تاریخ انبیاء سے ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدقسمت گروہ بالآخر محروم ہی رہتا ہے اور عامۃ الناس ہی کا ایک طبقہ لبیک کہتے ہوئے دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لیتا ہے۔ چونکہ داعی ہمدرد و خیرخواہ ہوتا ہے اس لئے وہ آخری لمحے تک کوشاں رہتا ہے کہ یہ لوگ آگ اور عذاب سے بچ جائیں۔

عملی تصادم سے گریز

پیغمبرانہ منہاج دعوت میں ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ داعی عملی تصادم سے گریز کرتا ہے۔ وہ مصائب پر صبر کرتا ہے، مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے اور اذیتوں کو برداشت کرتا ہے لیکن عملی تصادم سے گریز کرتا ہے۔ اگر حالات برداشت سے باہر ہو جائیں تو پھر ہجرت کی راہ ہے نوحؑ سے لے کر مسیحؑ تک یا صبر اور ہجرت ہے اور یا مخاطبین کی تباہی و بربادی اور داعی کی کامیابی۔ ابراہیمؑ کی ہجرت اور حضور اکرمؐ کی ہجرت بطور مثال پیش کی جا سکتی ہے دیگر انبیاء کی قومیں اس دنیا میں عذاب و تباہی کا شکار ہوئی ہیں۔

قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم صالحؑ، قوم لوطؑ اور آل فرعون موسیٰؑ سب اپنے انجام کو پہنچیں۔ مسیحؑ کی مثال منفرد ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور حضور اکرمؐ کی مثال بھی منفرد ہے کہ انہیں عملی تصادم کی اجازت ملی اور ہجرت کے ساتھ جہاد کا اصول بھی قائم ہوا۔ ہجرت و جہاد کا، دعوت الی اللہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ لیکن انہیں ہم حضور اکرمؐ کی دعوت کے بیان تک موخر کرتے ہیں۔

ان مختصر گذارشات کے ساتھ ہم انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفصیلی بیان پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ کتاب، دعوت کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے بالخصوص اور دینی کتب کے عام قاری کے لئے بالعموم مفید ثابت ہوگی۔ اسے ہم نے مسیحؑ تک رکھا ہے کیونکہ حضور اکرمؐ کی ذات گرامی کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مولیٰ

Marfat.com

کے حالات کو بھی غرق فرعون تک رکھا ہے۔ قلزم عبور کرنے کے بعد موسیٰ کو اپنی قوم سے سابقہ تھا۔ یہ لوگ بگڑے ہوئے مسلمان تھے ان میں کام کی نوعیت بالکل مختلف ہے جسے ایک اور انداز سے پیش کرنے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بشرطِ زندگی اگلے ایڈیشن میں یہ حصہ بھی شامل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے قبولیت بخشے اور باعث نفع بنائے۔ آمین

خالد علوی

برمنگھم ۲۰ جون، ۱۹۹۸ء

Marfat.com

حواشی

۱۔ الانعام/۹۰
۲۔ النحل/۱۲۳
۳۔ الممتحنہ/۴
۴۔ الاحزاب/۲۱
۵۔ النساء/۶۴
۶۔ النساء/۶۵
۷۔ ص/۴۸
۸۔ طٰہٰ/۴۱
۹۔ الانعام/۱۲۴
۱۰۔ النجم/۳۔۴
۱۱۔ المومن/۴۱۔۴۳
۱۲۔ الاعراف/۵۹،۶۵،۷۳،۸۵،ہود/۶۱،۸۴، المومنون/۲۳،۳۲،
۱۳۔ النحل/۳۶
۱۴۔ الانبیاء/۲۵
۱۵۔ الرعد/۳۶
۱۶۔ یوسف/۱۰۸
۱۷۔ الشعراء/۱۰۸،۱۱۰،۱۲۶،۱۳۱،۱۴۴،۱۵۰،۱۶۳،۱۷۹، الزخرف/۶۳
۱۸۔ نوح/۳۔۴
۱۹۔ المومنون/۳۳۔۳۷
۲۰۔ طٰہٰ/۱۵۔۱۶
۲۱۔ الانعام/۶۰
۲۲۔ یونس/۲۳
۲۳۔ العنکبوت/۶۴
۲۴۔ الشعراء/۱۰۹،۱۲۷،۱۴۵،۱۶۴،۱۸۰
۲۵۔ الانعام/۹۰
۲۶۔ ہود/۲۹
۲۷۔ ہود/۵۱
۲۸۔ ص/۸۶
۲۹۔ قصص القرآن،۱/۳۴۸
۳۰۔ ص/۲۰
۳۱۔ طٰہٰ/۲۵۔۲۸
۳۲۔ القصص/۳۴
۳۳۔ احیاء،۲/۲۶۴،الشفاء،۱۰/۴۷
۳۴۔ بخاری، کتاب التعبیر ، باب الفاتح فی الید،۸/۷۶،مسلم کتاب المساجد،۲/۶۲
۳۵۔ ابراہیم/۴
۳۶۔ یٰس/۶۹
۳۷۔ الشعراء/۲۲۴۔۲۲۶
۳۸۔ الانفال/۴۲
۳۹۔ الانعام/۱۴۸۔۱۴۹
۴۰۔ یوسف/۱۰۵
۴۱۔ الذاریات/۲۰۔۲۱
۴۲۔ نوح/۱۰۔۲۰
۴۳۔ الرعد/۱۴
۴۴۔ یوسف/۳۷۔۴۰
۴۵۔ ہود/۲۷
۴۶۔ الشعراء/۲۱۴
۴۷۔ نوح/۸۔۹

Marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام

دعوت کے کام کی طرف پہلا اشارہ ہمیں قصہ آدم میں ملتا ہے اور اس کے بعد انبیاء کی زندگیوں میں دعوت کے عملی نمونے نظر آتے ہیں۔ قرآن پاک نے آدمؑ کو جس طرح متعارف کرایا ہے اس سے چند حقائق واضح ہوتے ہیں۔ ان حقائق کا دعوت کی نوعیت وضرورت سے گہرا تعلق ہے۔ انسانی فطرت اور اس کے دواعی کا ادراک ایک داعی کا اثاثہ ہے اور اس کی معرفت کے لئے آدمؑ کی شخصیت بے حد اہم ہے۔

تخلیقِ آدم

سب سے پہلی حقیقت آدم سے متعلق ہے۔ قرآن نے تخلیق آدم کو ایک فرد کی تخلیق کے طور پر نہیں پیش کیا بلکہ ایک نمائندہ کی حیثیت سے، فرشتوں سے اپنے منصوبے کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کے خدشات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

> وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ . وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ. قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۱)
>
> اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتے بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے اور خونریزیاں کرے؟ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلاشبہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔

آدم علیہ السلام کو خلیفہ کے لقب سے متعارف کرانے کے معنی یہ ہیں کہ آدمؑ اور اس کی نسل کے ذمہ زمین کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کا اشارہ قرآن پاک کی ان آیات میں بھی ہے جن میں بنی آدم کی تکریم اور بار امانت کا ذکر ہے (۲) اس سے واضح ہوتا ہے کہ نسل آدم کی ذمہ داری ہے کہ نیابت الٰہی کے تقاضوں کے مطابق دنیا کا انتظام کرے۔ یہی وہ بنیادی حیثیت ہے جس کے حوالے سے نسلِ انسانی میں خیر وفلاح کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ قرآن پاک نے تخلیق کے مقاصد ہی کے حوالے سے یہ اعلان فرمایا:

Marfat.com

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۳)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس غرض سے کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

آزمائش

دوسری حقیقت آزمائش کی ہے۔قصہ آدم میں ایک طرف فرشتوں کی آزمائش تھی کہ انہوں نے اپنی پاکیزگی، اطاعت، بندگی اور تسبیح وتقدیس کی بات کی تھی اور دوسری طرف آدم کی کہ اسے اطاعت الٰہی پر استقامت اختیار کرنا تھی۔قرآن پاک نے فرشتوں کو آدم کی تعظیم کا جو حکم دیا تھا وہ تخلیق آدم ہی کے حوالے سے تھا۔ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌ ۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ. اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (۴)

اور یاد کرو جب کہ آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں تو جب میں اس کو مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے روح پھونک لوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر جانا تو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے ان سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔

اس آزمائش میں فرشتے پورے اُترے لیکن جنوں میں سے ایک فرد ابلیس نے انکار کردیا۔جن چونکہ ناری مخلوق ہیں اور تخلیقی اعتبار سے فرشتوں سے زیادہ مختلف نہیں اس لئے علیٰ سبیل التغلیب اس کلمہ میں شامل ہیں۔نوری و ناری مخلوق کا گلی سڑی مٹی سے پیدا کئے جانے والے کے سامنے تعظیم بجالانا حکم خداوندی کی اطاعت کے لئے ان کا امتحان تھا۔ابلیس کے ذکر میں قرآن نے دو چیزیں واضح کیں۔ایک یہ کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اور دوسرا یہ کہ اس نے استدلال میں آدم کی تخلیقی اساس کو استعمال کیا۔قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ. (۵)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم سے انحراف کیا۔

ابلیس نے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے تخلیقی بنیاد کو خاص طور پر ذکر کیا۔قرآن مجید نے اس استدلال کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۶)

Marfat.com

اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ وہ بولا میرا یہ کام نہیں کہ میں ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ. قَالَ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا (۷)

اور یاد کرو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کرو، آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے، اس نے کہا۔ کیا میں ایسی ہستی کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ. اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ o قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ. خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (۸)

اللہ تعالیٰ نے کہا: اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا، جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا؟ تو نے یہ تکبر کیا ہے یا تو کوئی برتر ہستی ہے؟ وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ. فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ. لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ o قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ. خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (۹)

اور پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا۔ تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ ہم نے تجھے حکم دیا تھا؟ بولا، اس بات نے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

آدمؑ کی آزمائش یہ تھی کہ انہیں اور ان کی رفیقہ حیات کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا یہ بھی حکم خداوندی کی اطاعت کا امتحان تھا۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۱۰)

اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں چاہو فراغت کے ساتھ کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے بن جاؤ گے۔

سورہ طٰہٰ میں جنت کی زندگی کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔ فرمایا:

Marfat.com

فَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی ○
اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ○ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی (۱۱)

پس ہم نے کہا: آدم، دیکھو یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ اس جنت میں تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ کبھی بھوکے ہوتے ہو نہ ننگے اور یہاں نہ تم پیاسے ہوتے ہو نہ دھوپ میں رہتے ہو۔

اس آزمائش کا عجیب پہلو یہ ہے کہ فرشتے اپنی اطاعت کیشی کی وجہ سے اس میں پورے اترے۔ ابلیس نے بغاوت کا رویہ اختیار کیا۔ اور آدم نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا۔ ابلیس اور آدم نے چونکہ اپنے اپنے انداز کے مطابق حکم خداوندی کی نافرمانی کی تھی اس لئے انہیں جرم و خطا کے مطابق خمیازہ بھگتنا پڑا۔

ابلیس کی دشمنی و فریب کاری

ابلیس نے تکبر کیا اور آدمؑ کو حقیر قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ اس بغاوت کی بنیاد پر اسے رحمت الٰہی سے دور کر دیا گیا۔ ابلیس نے نہ صرف اپنے انکار کے حق میں حجت بازی کی بلکہ رب تعالیٰ سے قیامت تک کے لئے مہلت مانگی تاکہ وہ آدمؑ اور اس کی اولاد کے خلاف کام کر سکے۔ اس کے بقول چونکہ آدم اس کے مردود ہونے کا باعث ہے لہٰذا اس کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اجازت چاہی جو اسے عطا کی گئی۔ قصہ آدم میں یہ بات وضاحت سے بیان کر دی گئی کہ ابلیس اور اس کی ذریت آدم اور نسل آدم کی دشمن ہے اور اس دشمنی میں اس کا کام یہ ہے کہ وہ آدم اور نسل آدم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرے اور نافرمانی اور بغاوت پر اُکسائے۔ دعوت الی اللہ کے حوالے سے یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ انسان شیطان کی فریب کاریوں اور وسوسہ اندازیوں سے خبردار رہے۔ دعوت الی اللہ کا ایک اہم جزو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر خبردار اور متنبہ کرنا ہے دوسرے لفظوں میں شیطان کے بہکاوے سے خبردار کرنا ہے۔ شیطان کی دشمنی کا مضمون قرآن پاک میں جابجا موجود ہے لیکن یہاں ہم آدمؑ کے حوالے سے چند آیات کا ذکر کریں گے:

فَاَزَلَّھُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْھَا فَاَخْرَجَھُمَا مِمَّا کَانَا فِیْہِ (۱۲)

تو شیطان نے ان کو وہاں سے پھسلا دیا اور ان کو نکلوا چھوڑا اس عیش و آرام سے جس میں وہ تھے۔

شیطان نے آدمؑ کو جو فریب دیا اور جس انداز سے پھسلایا قرآن نے اسے اپنے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیطان مکر و فریب کی کس حد تک چلا جاتا ہے۔

فَوَسْوَسَ لَھُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَھُمَا مَاوٗرِیَ عَنْھُمَا مِنْ سَوْاٰتِھِمَا وَقَالَ مَا نَھٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ○

Marfat.com

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (۱۳)

پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں انہیں کھول دکھائے۔ اس نے کہا: تمہارے رب نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں ہو جاؤ۔ اور اس نے ان سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں حقیقت میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی (۱۴)

لیکن پھر شیطان نے آدمؑ کو پھسلایا اور اس سے کہا: آدم تمہیں بتلا نہ دوں ہیشگی کا درخت (جس کا پھل کھا کر سدا جیتے رہو) اور ایسی بادشاہی کہ کبھی زائل نہ ہو۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ سے جو مہلت مانگی تھی اسی میں نسل آدم کے ساتھ دشمنی، فریب کاری کی منصوبہ بندی شامل تھی۔ قرآن نے اس کے طریق واردات کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ ہم یہاں صرف چند آیات درج کرتے ہیں:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ○ قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ○ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ○ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ (۱۵)

کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہا اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اسے مٹی سے فرمایا: جنت سے نکل جا، تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے یہاں سے نکل دور ہو۔ یقینا تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں۔ ابلیس نے کہا: مجھے اس وقت تک مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ اس پر ابلیس نے کہا: چونکہ تو نے مجھ پر راہ بندی کر دی تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا۔ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لئے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں۔ پھر سامنے سے، پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے، (غرضیکہ ہر طرف سے) ان

Marfat.com

پر آؤں اور تو ان میں سے اکثروں کو شکر گزار نہ پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں سے نکل جا ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو میں البتہ ایسا کروں گا کہ تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔

سورہ الحجر میں یہی بات ذرا مختلف الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ٥ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (۱۶)

اس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر (سعادت کی راہ بند کر دی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لئے جھوٹی خوشنمائیاں بنا دوں اور تمام کو (راہ حق سے) گمراہ کر دوں مگر ان میں سے تیرے مخلص بندے۔

سورہ بنی اسرائیل میں جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ اس کی گہری عداوت کو ظاہر کرتے ہیں:

قَالَ اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ اِلَّا قَلِیْلًا (۱۷)

اس نے کہا: "بھلا دیکھ تو سہی یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فوقیت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں اور تھوڑے ہی آدمی اس ہلاکت سے بچیں۔

شیطان اور اس کی ذریت کی سرگرمیاں جاری ہیں اور اولادِ آدم غفلت کی نیند سو رہی ہے۔ کار دعوت کا یہ اہم پہلو ہے کہ ان سرگرمیوں کا نہ صرف ادراک حاصل ہو بلکہ اس کی فریب کاریوں سے بچنے کا طریق بھی معلوم ہو۔ قرآن کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس کی تمام جہتوں کو مفصل بیان کیا ہے اور انسان کو ان خطرات سے پوری آگاہی مہیا کی ہے۔

آدم کی سادگی وخطا کاری

قصہ آدمؑ کی ایک اہم حقیقت آدمؑ کی سادگی و خطا کاری ہے۔ قرآن کے مطابق آدمؑ کے سامنے ابلیس کی شخصیت کو منکشف کر دیا گیا تھا۔ نیز یہ بتا دیا گیا تھا کہ یہ تمہارا دشمن ہے۔ اس کے باوجود آدمؑ اس کے فریب میں آ گئے اور اس ابدی نعمت کو ضائع کر بیٹھے جو انہیں حاصل تھی۔ حکم خداوندی یہ تھا کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا لیکن وہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر حکم عدولی کر بیٹھے اور اس شجر ممنوعہ کو چکھ لیا۔ قرآن نے آدم کی نافرمانی کی خطا اور اس کے نتیجہ کا ذکر کیا ہے:

Marfat.com

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ. فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ. (١٨)

غرض اس نے دھوکہ دے کر (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھا۔ ان کے ستر ان پر کھل گئے اور وہ بہشت کے درختوں کے پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (١٩)

تو ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان کے ڈھانکنے کی چیزیں عریاں ہوگئیں اور وہ اپنے پر باغ کے پتے کانٹھنے گونتھنے لگے اور آدم نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بھٹک گئے۔

آدم و ابلیس میں فرق

قرآن نے آدم و ابلیس کی شخصیتوں کے نمایاں فرق کو واضح کیا ہے۔ دونوں کے مزاج اور خاصیتوں کا فرق، دونوں کی حکم عدولی کی نوعیتوں میں اختلاف اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی پر دونوں کے ردعمل کا فرق اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ دونوں کرداروں کے مختلف قسم کے اثرات ہوں گے جو نسلِ انسانی پر مرتب ہوں گے۔ ابلیس کے مزاج اور اس کی خاصیت کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ کبر اور احساس برتری کا شکار ہے۔ اس کا اظہار اس نے انکار سجدہ کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کیا ہے۔ جہاں تک آدمؑ کے مزاج کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ہمیں ان کی زبانی کچھ معلوم نہیں ہوتا البتہ آدمؑ کے خالق نے ان کے بارے میں جو کہا ہے اس سے مزاج اور اس کی خاصیت کا کچھ پتہ چلتا ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (٢٠)

اور ہم نے اس سے پہلے آدم پر ایک عہد کی ذمہ داری ڈالی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم کی پختگی نہیں پائی۔

حکم عدولی کی نوعیتوں میں بھی واضح فرق ہے۔ ابلیس نے جو خلاف ورزی کی وہ اس کا ذاتی فعل تھا اور اس کے استکبار کی وجہ سے تھا۔ اس نے "انا خیر منہ" (٢١) کہہ کر اس کا اظہار کر دیا۔ جہاں تک آدمؑ کی نافرمانی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شرارت یا ذاتی اقدام نہیں بلکہ سادگی اور بھول پن ہے۔ شیطان نے بہکایا اور سبز باغ دکھائے اور آدم اس کے چکر میں آگئے۔ فدلهما بغرور (٢٢) کے الفاظ آدم کی سادگی کا ثبوت ہے۔

رہا خطاکاری پر ردعمل کا مسئلہ تو اس میں بھی دونوں کے رویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابلیس سے

Marfat.com

جب رب کریم نے انکار سجدہ کی وجہ پوچھی تو بجائے اعتراف گناہ کے اس نے اکڑ دکھائی۔ جب اس اکڑ کے نتیجے میں اسے مردود قرار دیا گیا تو اس نے نہ صرف اپنے جرم کی ساری ذمہ داری خالق پر ڈال دی بلکہ اس چیلنج کیا کہ وہ آدم اور اس کی نسل کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔ (۲۳)

ابلیس کے برعکس آدم کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ جونہی وہ اپنی خطا کے نتیجے میں ابدی حیثیت کھو بیٹھا تو اسے شدید احساس ندامت ہوا۔ آدم کے مزاج میں مٹی کی جو عاجزی تھی اس نے رجوع الی اللہ پر مجبور کیا۔ اسی احساس ندامت اور رجوع الی اللہ نے رحمت الٰہی کو دعوت دی اور یوں آدم معافی کا مستحق قرار پایا۔ قرآن نے اس پہلو کو جس طرح بیان کیا ہے وہ اپنے اندر جہان معنی رکھتا ہے۔ ابلیس سے بھی سوال کیا گیا لیکن آدمؑ کا جواب بہت مختلف ہے۔ قرآن نے اس سوال و جواب کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے اور تقابل کیجئے۔ جب درخت کا پھل چکھنے پر آدم اور اس کی بیوی عریاں ہو گئے تو ان سے نافرمانی کی وجہ پوچھی گئی۔ قرآن کا بیان ملاحظہ کیجئے:

وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۲۴)

تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (۲۵)

پھر اس کے رب نے اس کو نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کو ہدایت بخشی۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲۶)

پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا صاحب رحم ہے۔

سورہ بقرہ کی یہ آیت بتاتی ہے کہ معافی مانگنے کا طریقہ بھی رب نے سکھایا کیونکہ آدم کے ضمیر اور مزاج کی وجہ سے اس نے حقیقی ندامت کا اظہار کیا لیکن اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے رب سے کیسے مخاطب ہو؟ اور کس طرح معذرت کرے۔ رب کی رحمت بے پایاں نے سارے کام کئے۔ مانگنے کا طریقہ سکھایا، الفاظ بتائے اور پھر توبہ قبول کی اور معاف کر دیا۔

سو قصہ آدم و ابلیس کی تیسری حقیقت بغاوت و توبہ کا امتیاز ہے۔ کائنات میں ابلیسی و آدمی رویوں کا اظہار ہوتا

Marfat.com

رہے گا۔ یہ دونوں رویے دعوت کی اساس ہیں۔ دعوت کا اصل مقصود انسان کے اندر رجوع الی اللہ اور احساس ندامت کے رویوں کو پختہ کرنا اور بغاوت و نافرمانی کے رویوں کو ختم کرنا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ دعوت الی اللہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ لوگوں کا استکبار تھا جو ابلیسی ماڈل کی پیروی تھی۔ ابلیسی رویے بھیس بدل بدل کر ظاہر ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کا بازار گرم کرتے رہے۔ شیطان نے تکبر و حسد کی وجہ سے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ آدم کی طرح نسل آدم کے لئے وجہ ابتلا رہے گا اور نسل آدم اس کا مقابلہ کر کے قرب الٰہی کو حاصل کرتی رہے گی اور رحمت خداوندی کی مستحق قرار پاتی رہے گی۔

ہدایت ربانی

چوتھی حقیقت ہدایت ربانی ہے۔ مشیت الٰہی کی منصوبہ بندی میں آدمؑ کو زمین پہ کام کرنا تھا اس لئے قبولیت توبہ کے بعد آدمؑ کو زمین پر جانے کا حکم ہوا۔ آدمؑ کو زمین پر بطور سزا نہیں بھیجا گیا بلکہ اپنے حقیقی دشمن کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ گویا یہ ایک طرح کا امتحان ہے جس میں آدم و نسلِ آدم کو شیطان کے مقابلے میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے جہاں آدمؑ کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے وہیں ہبوط ارض کا تذکرہ بھی کیا ہے کیونکہ یہ اس منصوبے کی آخری کڑی تھی۔

ایک اور بات جو لائق توجہ ہے وہ یہ ہے کہ آدم اور نسل آدم کو یونہی زمین پر نہیں چھوڑ دیا گیا کہ ایک غیر مسلح بے یار و مددگار انسان مکار و حیلہ جو شیطان کا مقابلہ کرے۔ اللہ نے آدم اور نسلِ آدم کو دو مضبوط ہتھیار عطا کئے۔ ان کی بدولت وہ نہ صرف شیطان کا مقابلہ کر سکے گا بلکہ رحمت خداوندی سے بھی کبھی محروم نہیں رہے گا۔ ان میں سے ایک توبہ ہے جو اس کے مزاج کی کمزوری اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور حیلہ سازیوں کی وجہ سے کسی لغزش کا مداوا ہے توبہ کی وجہ سے وہ کبھی مکمل سیاہ بختی کا شکار نہیں ہوگا۔ توبہ اسے بار بار رب تعالیٰ کے دائرہ رحمت میں لاتی رہے گی اور وہ صاف و شفاف قلب کے ساتھ ساتھ مصروف عمل ہو جائے گا۔

دوسرا ہتھیار ہدایت ربانی ہے۔ شیطان نے اگر جنت کی زندگی میں حملہ کر کے آدمؑ کو نقصان پہنچایا تو دنیا میں اس کی قوت و تاثیر کہیں زیادہ اور مہلت کی وجہ سے اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اس لئے مشیت ایزدی نے خصوصی ہدایت و تعلیم کا انتظام کیا تا کہ وقتاً فوقتاً ایسا سلسلہ رہے کہ رجوع الی اللہ کی تحریک تازہ رہے اور شیطانی فریب کاریوں کے طریقے بے نقاب ہوتے رہیں۔ قرآن پاک نے جہاں کہیں قصہ آدم و ابلیس بیان کیا ہے اس کا اختتامیہ انہیں تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ اور سورہ طٰہٰ کی آیات پیش کی جاتی ہیں:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

Marfat.com

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ (۲۷)

پھر آدم نے پالیے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات تو اس نے توبہ کی اس کی توبہ قبول ہوئی ۔ بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا اترو یہاں سے سب، تو اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے میری آیتوں کو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ٥ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (۲۸)

پھر اس کے رب نے اسے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کو ہدایت بخشی۔ حکم ہوا کہ تم سب یہاں سے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ محروم رہے گا۔

ہدایت ربانی کا وعدہ دراصل نسلِ آدم کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری رہنے کا پہلا وعدہ ہے تا کہ انسانی فطرت اور انسانی عقل کا وہ ضعف جو آدمؑ کی لغزش کی وجہ سے ظاہر ہوا تھا اسے وحی الٰہی کی رہنمائی سے پورا کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ مولانا اصلاحی کے بقول: ”چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو انسان کے بہکانے کی مہلت دے کر انسان کو اس دنیا میں ایک سخت امتحان میں ڈالا ہے اس وجہ سے اس کی رحمت مقتضی ہوئی کہ وہ انسان کی ہدایت اور اصلاح کے معاملہ کو تنہا اس کی عقل و فطرت ہی پر نہ چھوڑے بلکہ اس کی فطرت کو بیدار رکھنے اور اس کی عقل کو کجرویوں اور گمراہیوں سے بچانے کا بھی سامان کرے تا کہ جو ہدایت کی راہ اختیار کرنا چاہیں وہ بھی علی وجہ البصیرۃ اختیار کریں اور جو گمراہی کی راہ پر جانا چاہیں وہ بھی پوری طرح اتمام حجت کے بعد جائیں۔ نبوت و رسالت کے قیام سے اصل مقصود یہی چیز ہے اور اس امتحان گاہِ عالم میں انسان کے لئے دراصل سرمایہ تسکین و تسلی درحقیقت یہی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں۔ اگر یہ چیز انسان سے چھن جائے تو پھر انسان ہر فتنہ کا بڑی آسانی سے شکار ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی فطرت کے اندر جو خلا ہیں وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی پیروی سے ہی بھر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر انسان کے لئے شیطان کے فتنوں سے مامون ہونا ممکن نہیں“ (۲۹)

آدمؑ کی دعوت

اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کی وجہ سے آدمؑ کی نبوت میں تو کوئی شک نہیں۔ امت میں اس مسئلہ پر کبھی دو رائیں نہیں رہیں۔ حافظ ابن کثیر نے ابوذر سے نقل کیا ہے کہ آدم نبی تھے۔

عن ابی ذر قال: قلت یا رسول اللہ ارایت آدم انبیا کان قال نعم نبیا رسولا

Marfat.com

یکلم اللہ قبیلا (۳۰)

ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے: ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ کیا آدم نبی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی، انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف تکلم حاصل ہوا ہے۔''

آدمؑ کی زندگی میں اولاد آدمؑ کے لئے وہی شریعت تھی جسے وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایات کی صورت میں وصول کرتے تھے۔ آدمؑ کے بیٹوں قابیل اور ہابیل کے سلسلے میں قرآن نے جو اشارے کئے ہیں وہ شرعی اصول ہی ہو سکتے ہیں۔ آدمؑ کو حکم خداوندی کی نافرمانی کا جو تجربہ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی جو سہولت انہیں میسر تھی اس کی بنیاد پر آدمؑ اپنی اولاد کے لئے تعلیم و تربیت کا نظام رکھتے ہوں گے۔ قرآن مجید نے چونکہ تفصیلات مہیا نہیں کیں اس لئے ان کے طریق دعوت و تربیت کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔ تاہم قصہ آدم میں دعوت الی اللہ کے متعلق بعض اہم اشارات ملتے ہیں۔

سب سے اہم بات جو نسل آدمؑ کے لئے بطور تنبیہ اور نصیحت کہی گئی وہ وہ تبصرہ ہے جسے سورہ اعراف میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عداوت اور نسلِ آدمؑ کے لئے اس کی فریب کاریوں سے آگاہ کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ دعوت الی اللہ کا کام کرنے کے لئے ایک موثر استدلال ہے۔ ارشاد باری ہے:

یٰبَنِیٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا۔ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۳۱)

اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

ایک داعی کو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ شیطان کا بنیادی حملہ انسان کے فطری جذبہ شرم و حیا پر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ انسان اس سے محروم ہو جائے تو ہر قسم کے جرم کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ شرم و حیا کا فقدان شیطانی تہذیب و ثقافت کی بنیاد ہے۔ اس لئے انسان کو بے حیائی کے خلاف مسلسل کام کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ البقرۃ/۳۰
۲۔ تکریم بنی آدم کے لئے دیکھیے ۔بنی اسرائیل/۷۰ اور بار امانت کے لئے الاحزاب/۷۲
۳۔ الذریات/۵۶
۴۔ الحجر/۲۸۔۳۱
۵۔ الکھف/۵۰
۶۔ الحجر/۳۲۔۳۳
۷۔ بنی اسرائیل/۶۱
۸۔ ص/۷۵،۷۶
۹۔ الاعراف/۱۱،۱۲
۱۰۔ البقرہ/۳۵،الاعراف/۱۹
۱۱۔ طٰہٰ/۱۱۷۔۱۱۹
۱۲۔ بقرہ/۳۶
۱۳۔ الاعراف۲۰۔۲۱
۱۴۔ طٰہٰ/۱۲۰
۱۵۔ الاعراف/۱۲۔۱۸
۱۶۔ الحجر/۳۹،۴۰
۱۷۔ بنی اسرائیل/۶۲
۱۸۔ الاعراف/۲۲
۱۹۔ طٰہٰ/۱۲۱
۲۰۔ طٰہٰ/۱۱۵
۲۱۔ الاعراف/۱۲
۲۲۔ الاعراف/۲۲
۲۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔الاعراف/۱۲۔۱۸،الحجر/۳۹،
بنی اسرائیل/۶۲
۲۴۔ الاعراف/۲۲۔۲۳
۲۵۔ طٰہٰ/۱۱۲
۲۶۔ البقرہ/۳۷۔۳۹
۲۷۔ البقرہ/۳۷۔۳۹
۲۸۔ طٰہٰ/۱۲۲،۱۲۳
۲۹۔ تدبر قرآن،۱/۱۷۴
۳۰۔ ابن کثیر،۱/۳۴
۳۱۔ الاعراف/۲۷

☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام

تاریخ دعوت میں نوحؑ کی ذات کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ نوحؑ اولین اولوالعزم رسول ہیں جنہیں قرآن نے بطور ماڈل پیش کیا ہے۔[1] نوحؑ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ نسلِ آدم کے بگاڑ پر اولین تنبیہ انہی کے ذریعے ہوئی۔ آدم و ابلیس کی کشمکش کے بعد اولادِ آدم کے لئے نوحؑ کے عہد تک زمانہ آزمائش کا پہلا تجربہ ہے۔ پہلے مرحلے پر ہی اولادِ آدم ابلیس اور اس کی ذریت سے شکست کھاتی نظر آتی ہے اور ابلیس اپنے داؤ پیچ کے بل بوتے پر کامیاب نظر آتا ہے۔ نوحؑ کی ذات تاریخ دعوت میں اس لئے بھی اہم ہے کہ دعوت کے منہاج، دعوت کے ردعمل، دعوت کا موضوع اور اس کے نتائج کے لحاظ سے جو نمونہ قائم کیا گیا ہے بعد میں آنے والے دعاۃ کو کم و بیش وہی نمونہ رکھنا پڑا۔ تاریخ انسانی میں کارِ دعوت کے تسلسل میں نوحؑ کا طرزِ عمل سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم آدمؑ کے ذکر میں بیان کر آئے ہیں کہ امت مسلمہ میں ان کی نبوت پر اجماع ہے لیکن گمراہ انسانیت کو راہ راست دکھانے کے لئے وعظ و تذکیر اور اوامر و نواہی کے مفصل احکام کے ساتھ جس رسولِ اولیں نے کام کیا وہ نوحؑ کی ذات ہے۔ اس اعتبار سے آپ روئے زمین پر پہلے رسول تھے۔ ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث شفاعت میں نوحؑ کے بارے میں جو الفاظ مروی ہیں ان کے مطابق لوگ ان کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے اور کہیں گے:

یا نوح انت اول الرسل الی الارض و سماک اللہ عبداشکور؟ (۲)

اے نوح آپ زمین پر پہلے رسول تھے اور اللہ تعالیٰ نے تجھے عبد شکور کا لقب دیا ہے۔

قرآن مجید نے نوحؑ کی دعوتی سرگرمیوں کا مفصل ذکر کیا ہے اور اجمالی و تفصیلی ذکر تینتالیس (۴۳) جگہوں پر آیا ہے لیکن اس کے بارے میں اہم تفصیلات سورہ اعراف، ھود، مومنون، شعراء اور سورہ نوح میں بیان ہوئی ہیں۔ انہی سورتوں کے حوالے سے ہم نوحؑ کے کارِ دعوت کا جائزہ لیں گے۔ چونکہ یہ پہلے رسول اور اولین داعی الی اللہ ہیں۔ لہٰذا ہم ان کے تجربے سے دعوت کے بنیادی اصولوں کا استنباط کر کے مطالعہ کریں گے اور یہی نکات آئندہ کے لئے رہنما اصولوں کا کام دیں گے۔ وہ نکات حسب ذیل ہیں:

☆ دعوت کا موضوع

☆ دعوت کا انداز

Marfat.com

☆ دعوت کے مخاطبین

☆ دعوت کا ردِ عمل

☆ نتیجہ

دعوت کا موضوع

نوحؑ کی قوم کا سب سے بڑا جرم شرک تھا۔ شرک کی بنیاد پر ایک پورا کلچر وجود میں آیا جس میں مادہ پرستی، اخلاق باختگی، کبر و غرور اور خدا بیزاری شامل تھی۔ ھبوط آدم سے لے کر نوحؑ تک کے عرصے میں شیطان نے نسلِ آدم کی گمراہی کے لئے بڑی محنت کی ہوگی کیونکہ قوم نوحؑ نے شرک و کفر میں جس طرح کی پختہ کاری دکھائی وہ شیطان کے گہرے اثرات کے بغیر ممکن نہیں۔ قرآن نے انسان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں امت واحدہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جس کی اساس توحید الٰہی کا شعور ہے۔ یہ ابلیس اور اس کی ذریت کی کارستانی ہے کہ انسان نے وحدت ربانی اور وحدت انسانی کے بنیادی اصول ضائع کر دیئے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً. فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ. فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ. وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۳)

ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلاف رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلاف رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتداء میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا) اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے، انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔

قرآن نے امت واحدہ کے تصور پر کئی جگہ بحث کی ہے۔ کہیں اسے انسانی اجتماعیت کی اولین حیثیت قرار دیا اور کہیں اسے اصل مقصود قرار دیا۔ لیکن اس وحدت کے بجز ٹوٹنے کو مشیت ایزدی کے خلاف قرار دیا۔ (۴) شرک کا ارتکاب اور انسانی جماعت میں اونچ نیچ وہ بڑے مسئلے تھے جن کا نوحؑ کو سامنا تھا۔ اس طرح نوحؑ کی دعوت کے

Marfat.com

بڑے موضوعات میں عبادت رب، شرک کا ابطال اور عظمت رب کا شعوری احساس اور استغفار شامل ہیں۔

عبادتِ رب

قرآن پاک نے نوحؑ کی دعوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ. اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۵)

ہم نے نوحؑ کو اسی کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا۔ "اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌo اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ. (۶)

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈرسنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ o اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ o فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۷)

جب ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌo اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ (۸)

انہوں نے کہا کہ بھائیو میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ نوحؑ نے اپنی قوم کو بندگی رب کی طرف دعوت دی۔ عبادت رب، تقویٰ اور رسول کی اطاعت وہ تین اہم اجزاء ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسالت کی بات تو پہلی بات ہے کیونکہ اسی دعویٰ کے ساتھ باقی تمام اجزاء دعوت منسلک ہیں۔ رسالت، رب کے ساتھ خصوصی تعلق کا اعلان ہے۔ اس لئے رب کی عبادت پیغمبر کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ عبادت رب اور تقویٰ دعوت الی اللہ کا جز واعظم قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ہم دیگر انبیاء کے سلسلے میں دیکھیں گے کہ انہوں نے بھی اپنی بات کا آغاز اسی سے کیا ہے۔ بلکہ کسی دور میں بھی عبادت رب کے بغیر دعوت الی اللہ کا کام بے معنی ہوگا۔

Marfat.com

شرک کا ابطال

قوم نوح شدید قسم کے شرک میں مبتلا تھی۔ قرآن نے ان بتوں کے نام دیئے ہیں جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ نوحؑ اپنی قوم کی حب شرک کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (۹)

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ ود، سواع، یغوث اور نسر کو کبھی نہ ترک کرنا۔

ان بتوں کے عربی نام بتا رہے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت بھی ان کی پوجا ہوتی تھی۔ بخاری نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قوم نوح کے یہ بت عربوں نے اختیار کر لئے اور ان کی پرستش شروع کر دی:

عن ابن عباسؓ صارت الا وثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعد. اما ودِ کانت لکلب بدومة الجندلِ، و اما السواع کانت لهذیل و اما یغوث فکانت لمراد ثم لبنی غطیف ، بالجرف عند سبا و اما یعوق فکانت لهمدان و اما نسر فکانت لحمیر لال ذی الکلاع . اسماء رجال صالحین من قوم نوح . فلما هلکوا اوحی الشیطن الی قومهم ان انصبوا الی مجالسهم التی کانوا یجلسون انصاباً و سموها باسماء هم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا هلک اولئک و تنسخ العلم عبدت (۱۰)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ بت جو قوم نوح میں تھے وہی عرب میں اس کے بعد پوجے جانے لگے ود قبیلہ کلب کا بت تھا جو دومۃ الجندل میں تھے، سواع ھذیل کا اور یغوث مراد کا پھر بنی غطیف کا جو سبا کے پاس جرف میں تھا۔ یعوق ھمدان کا اور نسر حمیر کا جو ذوالکلاع کے خاندان سے تھا۔ یہ قوم نوح کے صالح لوگوں کے نام تھے۔ جب ان نیک لوگوں نے وفات پائی تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ میں جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے بت نصب کر دیں اور ان کا نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہیں کی تھی یہاں تک کہ جب وہ لوگ بھی مر گئے اور اس کا علم جاتا رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

حافظ ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ آدم و نوحؑ کے درمیانی عرصے میں صالح لوگ تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ جب یہ لوگ فوت ہوئے تو پیروؤں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہماری عبادتیں زیادہ پُر لطف ہوں گی۔ جب یہ لوگ مر گئے اور دوسری نسل آ گئی تو ابلیس نے سمجھایا کہ وہ لوگ تو ان کی عبادت کرتے تھے اور ان سے بارش طلب کرتے تھے اور یوں انہوں نے عبادت شروع کر دی۔ (۱۱)

Marfat.com

عربوں کے ہاں ان بتوں کی پوجا کے سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

قوم نوح کے معبودوں میں سے یہاں ان معبودوں کے نام لئے گئے ہیں جنہیں بعد میں اہلِ عرب نے پوجنا شروع کر دیا تھا اور آغاز اسلام کے وقت عرب میں جگہ جگہ ان کے مندر بنے ہوئے تھے۔ بعید نہیں کہ طوفان میں جو لوگ بچ گئے تھے ان کی زبان سے بعد کی نسلوں نے قوم نوح کے قدیم معبودوں کا ذکر سنا ہوگا اور جب از سرنو ان کی اولاد میں جاہلیت پھیلی ہوگی تو انہی معبودوں کے بت بنا کر انہوں نے پھر انہیں پوجنا شروع کر دیا ہوگا۔ (۱۲)

قرآن کی رو سے یہ شرک کا پہلا اظہار تھا۔ جس پر نسلِ آدم کے پہلے رسول نے تنقیدی تبصرہ کیا۔ شرک کے آغاز کے سلسلے میں مذکورۃ الصدر روایت اور اسی قبیل کی دوسری روایات کے سوا ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ علم نہیں کہ نسلِ آدم اس مصیبت میں کس طرح مبتلا ہوئی؟ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ ابلیس نے تعظیم وتوقیر بزرگان کو عبادت واستعانت کی صورت میں بدل دیا۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے انحراف کی جو راہ نسلِ آدم کو سجھائی تھی اس نے آگے چل کر ایک تہذیب اور کلچر کی صورت اختیار کر لی۔ مشرکانہ کلچر کی بوقلمونی اور اس کے مظاہر کا تنوع حیران کن جاذبیت رکھتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے توحید، نفی شرک اور عبادت رب کو تمام انبیاء کی دعوت کی اساسیات قرار دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہوتا ہے:

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۱۳)

اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔

استغفار

عبادت رب، اطاعت رسول اور نفی شرک کے ساتھ استغفار کا موضوع بھی نوحؑ کی دعوت کا اہم جزو ہے۔ عبادت رب سے انکار، اطاعت رسول سے انحراف اور شرک میں مبتلا ہونے کے باعث انسان اپنے رب کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور شیطان کے دائرہ اثر میں چلا جاتا ہے جو پہلے ہی ربِ کریم کی رحمت سے دور ہے اور مردود بارگاہ ہے۔ نوحؑ کی قوم مشرکانہ اعمال کی وجہ سے شیطان کی گرفت میں تھی اسی لئے وہ مختلف پیرایوں میں انہیں طلب مغفرت پر آمادہ کرتے ہیں۔ مثلاً وہ دعوت کے بنیادی عناصر کو بیان کرتے ہوئے اللہ کی مغفرت کا ذکر کرتے ہیں:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ (۱۴)

اللہ کی بندگی کرو، اس کے حدود کی پابندی کرو اور میری بات مانو اللہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔

نوحؑ اپنی قوم کو دعوت دینے کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے مخاطب ہیں۔

Marfat.com

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ. اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا (۱۵)

میں نے کہا: اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

استغفار کا تصور توحید سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک بغیر کسی سفارش کے کوئی درخواست نہیں پہنچتی۔ قرآن نے ان کے اس تصور کو بیان کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (۱۶)

جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے حمایتی بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب تر کر دیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا اسم غفار استعمال کر کے یہ واضح کیا کہ وہ خود سب سے بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس سے زیادہ رحم و مغفرت کرنے والا کون ہے جو سفارش کرنے آئے گا۔ انسان کا اسی کی طرف رجوع ہی کافی ہے کسی مزعومہ دیوی، دیوتا کی سفارش کی ضرورت نہیں۔ مولانا اصلاحی کے بقول:

یہاں حکمت دین کا ایک نکتہ بھی حرز جان بنانے کے لائق ہے۔ جو سیدنا عمر فاروق کے افادات سے ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ نماز استسقاء میں صرف استغفار پر کفایت فرمائی، دعا میں بارش کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ لوگوں نے پوچھا امیر المومنین آپ نے دعا میں بارش کا تو کوئی ذکر کیا ہی نہیں: امیر المومنین نے انہی آیات کی روشنی میں لوگوں کو بتایا کہ خدا کی رحمت کی کلید استغفار ہے اور یہ کام ہم نے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ استغفار ہی جالب رحمت بنے گا۔ ہماری ضرورت اور احتیاج کو ہمارا رب خود ہم سے بہتر جانتا ہے۔ (۱۷)

نوحؑ نے اپنی قوم کو بار بار استغفار کی طرف توجہ دلائی کیونکہ استغفار ہی رجوع الی اللہ کا بڑا ذریعہ ہے۔ نوحؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (۱۸)

اور اے میری قوم کے لوگو اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو۔

استغفار کو نوحؑ نے اپنی ذات کے لئے بھی اسی طرح لازم رکھا جس طرح وہ دوسروں کو تلقین کرتے رہے۔ مثلاً جب انہوں نے اپنے بیٹے کے بچاؤ کے لئے دعا مانگی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ. وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (۱۹)

نوحؑ نے عرض کیا اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس (کی حقیقت) کا مجھے علم نہیں اگر تو نے (میرا قصور) معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ

Marfat.com

فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اسی طرح نوحؑ نے جب کافروں کی ہلاکت کی دعا مانگی تو اپنی مغفرت کو نہیں بھولے فوراً کہا:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ. وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا (۲۰)

اے میرے رب میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور ہر اس شخص کی جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا اور تمام مومنین اور مومنات کی مغفرت فرما اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔

استغفار دعوت الی اللہ کی تکمیل کا عنوان ہے۔ استغفار کے بغیر دعوت کے تمام کام بے نتیجہ ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتے کیونکہ استغفار رجوع الی اللہ کا دائمی نسخہ ہے۔ تمام انبیاء کی زندگیوں میں استغفار ایک لازمی عنصر کے طور پر موجود رہا ہے۔

دعوت کا انداز

دعوت کے انداز میں بھی نوحؑ کا طریقہ رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ دعوت الی اللہ کو پیش کرنے کے سلسلے میں جو تجربات آپ کو حاصل ہوئے وہ آنے والے داعیوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوئے۔ نوحؑ کے طریق دعوت میں چند موڑ قابل غور ہیں، ایک انداز، دوسری عظمت الٰہی کا اثبات اور اس کے دلائل تیسرے اخلاص اور بے لوثی اور چوتھے مخاطبین کے لئے شفقت و رحمت۔ قرآن پاک میں دیگر انبیاء کی دعوت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں نوحؑ کا انداز صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ بعض مقامی اور قومی مسائل کو الگ کر دیا جائے تو وہی زبان، وہی اصطلاحات اور اسی طرح کا استدلال نظر آتا ہے جو نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے استعمال کئے۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔

انذار

انذار کے بنیادی معنی، اطلاع دینے، مشورہ دینے اور خبردار کرنے کے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں انذرتہ بکذا (میں نے اسے اس چیز کی اطلاع دی یا اس کے بارے میں مشورہ دیا)۔ (۲۱) قرآن میں ہے:

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ. مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (۲۲)

اے نبی ڈرا دو ان لوگوں کو اس دن سے جو قریب آ لگا ہے۔ جب کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے اور لوگ چپ چاپ غم کے گھونٹ پیے کھڑے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا

Marfat.com

اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔

اسی سے نذیر ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جو اطلاع دیتا ہے، مشورہ دیتا ہے یا خبردار کرتا ہے۔ قرآن پاک نے نوحؑ کے لئے نذیر کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی وہ خبردار کرنے والا ہے۔ انداز کا تعلق دعوت الی اللہ کے انکار سے ہے کیونکہ اس کے انکار سے جو نتائج مرتب ہوں گے ان کا تعلق اس دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی۔ دعوت کا انکار اس دنیا میں عذاب الٰہی کا مستوجب ہوسکتا ہے لہٰذا انبیاء کی اولین ترجیح یہ تھی کہ وہ اپنے مخاطبین کو عذاب الٰہی سے خبردار کریں انہیں اس بے فکری اور غیر ذمہ داری کے نتائج سے آگاہ کریں جس کی وجہ سے وہ دعوت کو قبول نہیں کررہے۔ انداز کے مفہوم میں وہ ڈر بھی شامل ہے جو آخرت میں عذاب سے متعلق ہے۔ کافر اور مشرک قوموں کے ہاں یہ خیال پایا جاتا تھا کہ اس دنیا کے بعد کوئی شے نہیں اور اگر کچھ ہوگا تو جن دیوتاؤں کی وہ پوجا کررہے ہیں انہیں بچالیں گے۔ انداز میں اسی بے اعتنائی پر تنبیہہ ہے کہ آخرت ایک حقیقت ہے اور وہاں خالق کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ نوحؑ نے انداز کا جامع انداز اختیار کیا ہے جو دنیوی عذاب اور اخروی سزا کو شامل ہے۔ قرآن مجید نوحؑ کے انداز کا ذکر کرتے ہوئے مختلف پیرایوں کو بیان کرتا ہے۔ نوحؑ اپنے آپ کو متعارف کراتے ہوئے نذیر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ. اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (۲۳)

اور ہم نے نوحؑ اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے کہا کہ میں تم لوگوں کو (انکار و بدعملی) کے نتائج سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ تمہیں چاہیے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (اگر ایسا کرو گے تو) مجھے تمہارے لئے ایک دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۲۴)

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ پیشتر اس کے کہ ان پر درددینے والا عذاب واقع ہو۔ انہوں نے کہا: میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔

عظمتِ الٰہی کا اثبات

نوحؑ کے طریق دعوت کا دوسرا اہم نکتہ عظمت رب کو ذہن نشین کرانا تھا۔ چونکہ تمام گمراہیوں کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے روگردانی اور اس کی عظمت سے ناواقفیت اور غیر اللہ کی تعظیم ہے۔ شیطان کی جملہ سرگرمیوں کا محور یہ ہے کہ نسلِ

Marfat.com

آدم اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار کرے اور غیر اللہ کی تعظیم کرے۔ قوم نوحؑ نے شرک کی جو روش اختیار کی تھی وہ غیر اللہ کی عبادات میں جس طرح مصروف ہوگئی تھی اس پر اسے متنبہ کرنے کے لئے نوحؑ خوبصورت استدلال کرتے ہیں، دعوت کے اس انداز میں دونوں پہلو ہیں۔ سادہ بیان بھی ہے اور اس بیان کے حق میں دلائل بھی۔ مثلاً:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. (۲۵)

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اس بات کو کئی جگہوں پر دہرایا گیا ہے۔ یہ ایک سادہ سا بیان ہے جس میں قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور شرک سے روکا گیا ہے۔ لیکن اس سادہ بیان کی وضاحت کے لئے دلائل بھی دیئے ہیں تا کہ اتمام حجت ہو۔ اس کی بہترین مثال سورہ نوح میں بیان کردہ استدلال ہے۔ دلائل کا انداز جامع ہے اور اس میں انفس و آفاق کا حسین امتزاج ہے۔ نوحؑ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا o وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا o اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا o وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا o وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا o ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا o وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا o لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۲۶)

تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کی حالتوں کا پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑے کرے گا۔ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے فرش بنایا تا کہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔

اس استدلال میں مشرکین کی حماقت پر تعجب کا اظہار ہے کیونکہ انہیں رب کی عظمت کا شعور حاصل نہیں ہو رہا اور اس کی عظمت و جلالت کے تصور سے بے بہرہ ہو رہے ہیں۔ انسان کے گرد و پیش میں جو نعمتیں ہیں اس کا ادراک نہیں کر رہا۔ وہ اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہے کہ کائنات کے اس عظیم کارخانے میں ایک نظم ہے اور کوئی طاقت ایسی ہے جو جب چاہے اور جو چاہے اسی طرح کی تبدیلی لا سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ رب کی عظمت کا اعتراف نہیں کرتا اور بے فکرا ہو کر جو جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے۔

اس استدلال میں دراصل اس بے حسی پر تنبیہ ہے جو قوم نوح نے شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں اختیار کر رکھی تھی۔ اس سے پہلے نوحؑ اپنی قوم کو استغفار کی دعوت دیتے ہوئے توجہ دلاتے ہیں جو دلائل کے اس سلسلے کا

Marfat.com

آغاز ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ. اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا o يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا o وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (۲۷)

میں نے کہا کے اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔

اس دلیل میں نہ صرف رب تعالیٰ کی غفاری کا اثبات ہے بلکہ اس کے فضل و کرم کی بھی نشاندہی ہے جو مال و اولاد کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اخلاص و بےلوثی

نوحؑ کے انداز دعوت کا تیسرا پہلو ان کا اخلاص اور بےلوثی ہے۔ دعوت کے سلسلے میں جو محنت ہو رہی تھی اور جس طرح کار دعوت میں جان جوکھوں میں ڈالے ہوئے تھے اس سے مخاطبین دعوت کو یوں لگتا ہے جیسے نوحؑ کا کوئی ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہے۔ نوحؑ ان کے ان خدشات کا ازالہ کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ کوئی کاروبار نہیں کہ تمہاری بےتوجہی سے ختم ہو جائے گا۔ میں تو سب کچھ تمہاری صلاح و فلاح کے لئے کر رہا ہوں، میں اگر تمہاری ناقدریوں کے باوجود تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں تو محض تمہاری خیر خواہی کے لئے کسی معاوضہ کے لئے یہ سعی و جہد نہیں ہو رہی، میں تو تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں تم سے کچھ مانگ تو نہیں رہا۔ قرآن پاک نے اس اخلاص و بےلوثی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا. اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (۲۸)

اے میری قوم میں اس (نصیحت) کے بدلے میں تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں میرا اصلہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ. اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۲۹)

اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداری میں رہوں۔

اس اخلاص اور بےلوثی کا اظہار وہ چیلنج ہے جو ہر نبی نے اپنے کردار کے حوالے سے اپنے مخالفین کو دیا۔ نبی اپنی امانت و صداقت کے کھرے معیار کو بطور دلیل پیش کرتا ہے اور مخاطبین کو دعوت دیتا ہے کہ اس کے پیغام کو کسی

Marfat.com

مصلحت یا مفاد کے حوالے سے نہ دیکھیں۔ کیونکہ امانت وصداقت کے اوصاف سے متصف شخص ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ نوحؑ اپنی قوم کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ یہ کام کسی مصلحت ومفاد کے لئے نہیں کر رہے۔ قرآن مجید نے نوحؑ کی صفت امانت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ نِ الْمُرْسَلِينَ ○ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ○ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (۳۰)

قوم نوح نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں میں تمہارا امانت دار رسول ہوں۔

نوحؑ کے بعد آنے والے تمام انبیاء ورسل کے لئے امین کا صفاتی لقب استعمال کیا گیا ہے۔

شفقت ومحبت

نوحؑ کے طریق دعوت میں ایک اہم نکتہ مخاطبین کے لئے شفقت ومحبت ہے۔ داعی کے اخلاص وبےلوثی سے یہ تو واضح ہو گیا کہ کار دعوت سے اس کا ذاتی مفاد وابستہ نہیں لیکن دعوت کے لئے صرف اتنا کافی نہیں بلکہ داعی کو یہ یقین دہانی بھی کرانی ہوتی ہے کہ اسے ان سے ہمدردی وخیرخواہی ہے اور دعوت کو قبول کرنے میں ان کی اپنی ہی بھلائی ہے۔ داعی کا شفیق ہونا بہت ضروری ہے۔ شفقت ومحبت کے ذریعے نہ صرف عام لوگوں کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے بلکہ دعوت قبول کرنے والوں کی اجتماعیت بھی مستحکم ہوتی ہے۔ نوحؑ کی سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کے اعراض وانکار کے باوجود انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے۔ نوحؑ قوم کے رویے سے نالاں ہونے کے باوجود اپنے رب کے سامنے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر جس طرح کرتے ہیں وہ ان کی شفقت ومحبت کا کھلا ثبوت ہے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَّنَهَارًا ○ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْ إِلَّا فِرَارًا ○ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا أَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ○ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا (۳۱)

نوحؑ نے کہا: پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا، لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے اور جب جب میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں) تاکہ تو ان کو معاف کردے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔ پھر میں انہیں کھلے طور پر بھی بلاتا رہا اور ظاہر وپوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔

نوحؑ دعوت کا یہ کام ساڑھے نوسو برس تک کرتے رہے۔ اخلاص وبےلوثی اور شفقت ومحبت کی یہ انوکھی مثال

Marfat.com

ہے۔قوم کے استکبار واعراض کے باوجود نوحؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ عذاب الٰہی کے مستحق بن جائیں۔جس انداز سے بھی انہیں مطمئن کیا جا سکتا تھا وہی اختیار کرتے رہے۔قرآن اس پر شاہد عادل ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا (۳۲)

اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی جانب رسول بنا کر بھیجا پھر وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال رہا۔

اتنا عرصہ مسلسل دعوت دیتے رہنا اور ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہنا معمولی بات نہیں ہے۔یہ کام اخلاص، ہمدردی وخیر خواہی اور شفقت ومحبت کے بغیر ممکن نہیں۔

دعوت کے مخاطبین

انبیاء کی دعوت عام ہوتی ہے چونکہ یہ دعوت الی اللہ ہے اس لئے اسے خفیہ نہیں رکھا جا سکتا۔صلائے عام ہوتی ہے جو اسے قبول کرتا ہے جماعت مومنین میں شامل ہو جاتا ہے۔قرآن مجید میں جہاں کہیں نوحؑ کا ذکر آیا ہے پوری قوم کے حوالے سے آیا ہے۔قرآن نے نوحؑ کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۳۳)

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرائے۔قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آپہنچے۔

البتہ انبیاء کی دعوت اپنے زمانے میں انہی لوگوں تک محدود ہوتی ہے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا۔یہی وجہ ہے کہ انبیاء سابقین کے تذکرے میں ان کی قوموں، لوگوں اور خصوصی مسائل کا حوالہ ہے۔ابراہیم و محمدؐ کے علاوہ تمام انبیاء کی دعوت مقامی اور خصوصی نوعیت کی ہے لیکن ہر نبی کی دعوت اس لحاظ سے عمومی نوعیت کی ہوتی تھی کہ اس میں عوام اور اشراف، غریب اور امیر سب شامل ہوتے۔یہ الگ بات ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کا اولین شرف قوم کے پس ماندہ طبقات کو حاصل ہوتا۔

قرآن نے مخاطبین میں دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ایک ''الملاء'' اور دوسرا ''الضعفاء''(۳۵) انسانی معاشروں کی ساخت اور ان کی تنظیم کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر معاشرے میں جو لوگ کسی نہ کسی طرح اثر و رسوخ حاصل کر لیتے ہیں اور بالآخر معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔معاشرے کے یہ موثر لوگ صاحب اقتدار اور ان کے مصاحبین و کارندے ہوتے ہیں یا اصحاب ثروت۔سادہ سی قبائلی زندگی سے لے کر پیچیدہ تمدنی تنظیم تک صاحبان اثر و رسوخ موجود رہتے ہیں۔یہی لوگ معاشرے کا مجموعی رخ متعین کرتے ہیں۔قرآن کی اصطلاح "الملاء" کم وبیش انہی لوگوں کے لئے استعمال ہوئی ہے۔اشراف قوم کے علاوہ دوسرے لوگ عوام کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

جن کی رائے بالعموم موثر گروہ کی وجہ سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ لوگ بالعموم پیروکار ہوتے ہیں اور موثر و مقتدر لوگوں کے تابع ہوتے ہیں چونکہ عوام خود مختار نہیں ہوتے اس لئے کسی رائے کو پسند کرنے کے باوجود اسے اختیار کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح "الضعفاء" سے مراد یہی لوگ ہیں۔

نوحؑ کی عمومی دعوت کے مخاطبین میں یہ دونوں گروہ شامل تھے۔

دعوت کا ردِ عمل

دعوت کے مخاطبین اگرچہ قوم کے سب لوگ تھے لیکن ردِ عمل مختلف تھا۔ عوام میں سے کچھ لوگوں نے دعوت پر لبیک کہا اور مومنین کہلائے۔ اشراف قوم اور ان کی پیروی میں عوام کی اکثریت نے دعوت کو رد کر دیا اور منکرین کہلائے۔ ایمان اور انکار کے علاوہ ایک تیسرا ردِ عمل بھی ہوتا ہے اور وہ ہے نفاق کا۔ منافقین معاشرے کا مفاد پرست گروہ ہوتا ہے جسے دعوت کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن مفادات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے گریز کرتا ہے اور عملاً مخالف ہی کی تائید میں ہوتا ہے۔ مومنین صدقِ دل سے دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ وفادارانہ تعلق کی بناء پر مومنین کی حیثیت نمائندہ کردار کی ہوتی ہے جو کافرانہ معاشرے میں بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔ دعوت کے ردِ عمل میں قابل غور کردار منکرین دعوت کا ہے۔ انہی کے رویے سے پوری قوم کی قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ نوحؑ کی دعوت کے جواب میں قوم نے جو رویہ اختیار کیا اسے قرآن نے نقل کیا ہے۔

ملاء (سرداران قوم) اور دعوت الی اللہ

نوحؑ کی دعوت کے جواب میں صاحب اثر گروہ نے انکار، تحقیر اور تضحیک کا رویہ اختیار کیا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۳۶)

اس قوم کے سرداروں نے جواب دیا ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

انکار کی بنیادی وجہ تو اس گروہ کا استکبار تھا۔ انہیں سوسائٹی میں جو پوزیشن حاصل تھی اس کے کھو جانے کا انہیں اندیشہ تھا۔ نوحؑ نے اس استکبار کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے:

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا (۳۷)

اور جب میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔

بگڑی ہوئی قوموں کے لیڈر اور اکابر اس کے فساد و بگاڑ کی جڑ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے دعوت اصلاح کے

Marfat.com

سب سے زیادہ مخالف بھی یہی ہوتے اور دعوت کے مقابلے میں کٹ حجتیاں بھی یہی کرتے ہیں۔ نوحؑ کی سادہ اور صاف، واضح اور مبرہن کے جواب معاضرت بھی انہوں نے پیش کئے ان معارضات سے جہاں وہ اپنی پوزیشن کا دفاع کر رہے تھے وہاں عوام کے لئے غلط فہمیوں کا دروازہ کھول رہے تھے تاکہ عوام کی اکثریت کہیں اس دعوت سے متاثر نہ ہو جائے۔ قرآن مجید نے ان معارضات کا ذکر کیا ہے اور نوحؑ کے جوابات بھی بیان کئے ہیں۔ اعتراضات اور جوابات پر غور کرنے سے ایک انصاف پسند ذہن کو دعوت کی حقانیت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا لیکن کج فہم انسان ان مغالطوں میں الجھا رہے گا اور راہ حق کو پانے سے محروم رہے گا۔

گمراہی کا الزام

نوحؑ پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ تمہاری دعوت کھلی گمراہی ہے۔ باپ دادا کے مذہب سے انحراف ہے اور اباء و اجداد کے معبودوں کی تحقیر ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ تم عذاب الٰہی کی دھمکی بھی دیتے ہو۔ قرآن نے ان کے اس اعتراض کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (۳۸)

اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے بلکہ تمام عالم کے رب کا رسول ہوں، تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یعنی یہ کہ میں کوئی سر پھرا اور بھٹکا ہوا آدمی نہیں ہوں کہ بے تکی باتیں کر رہا ہوں بلکہ میں تو تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اس کے پیغام کو بلا کم و کاست تمہیں سنا رہا ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ میں تمہارے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہوں اور تمہاری دل آزاری اور بیزاری کے باوجود میں تمہیں مسلسل سمجھا رہا ہوں کیونکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم کی بنیاد پر عواقب سے جو آگاہی مجھے حاصل ہے وہ تمہیں میسر نہیں۔ لہٰذا تمہارا یہ الزام کہ میں گمراہی میں مبتلا ہوں ایک فضول بات ہے۔ میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے مصروف کار ہوں۔

تین اعتراضات

منکرین کے دیگر اعتراضات کو سورہ ہود میں بیان کیا گیا ہے۔ ان اعتراضات کی بنیاد بھی ان کا استکبار ہے۔ ان کے خیال میں اصل حیثیت معاشرتی مرتبے کی ہے۔ لہٰذا جو شخص وہ مرتبہ نہیں رکھتا اس کی بات قابل قبول نہیں نیز نبوت کے دعوے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شخص مافوق البشر ہوں۔ چونکہ نوحؑ اور ان کے متبعین ان اوصاف سے

Marfat.com

متصف نہیں لہٰذا ان کی دعوت توجہ کے لائق نہیں۔ قرآن ان کے تین اعتراضات کو بیان کرتا ہے:

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ. وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (۳۹)

اس کی قوم کے سربراہوں نے جنہوں نے کفر کیا جواب دیا کہ ہم تو تم کو بس اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمہاری پیروی کرنے والوں میں انہی کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے ذلیل لوگ ہیں۔ بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لئے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ہم تو تم کو بالکل جھوٹا خیال کر رہے ہیں۔

نبی کی بشریت

منکرین نبوت کا پہلا اعتراض نبی کی بشریت پر تھا۔ انہیں نوحؑ اپنے جیسے انسان نظر آتے تھے۔ ان کے نزدیک رسول فرشتہ یا کوئی برتر مخلوق ہونا چاہیئے۔ ایک عام انسان کا رسول ہونا انہیں اچنبھے کی بات معلوم ہوتی تھی۔ یہی وہ اعتراض ہے جو ہر نبی کے مخالف نے اس پر کیا۔ ما نرلک الا بشرا مثلنا کے الفاظ ان کی بے بصیرتی کا پتہ دیتے ہیں۔

بشریت کے طعنہ کا ذکر کئی جگہوں پر مختلف پیرایوں میں آیا ہے۔ مثلاً:

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ. وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (۴۰)

ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اگر خدا چاہتا تو فرشتے اتار دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی سنی ہی نہیں۔

اس سے بھی زیادہ انہیں ایک غیر معتاد انسان یعنی مجنون کہا گیا:

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ (۴۱)

اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔

گویا نوحؑ کا بشر ہونا انہیں نبوت کے منافی نظر آتا تھا کہ چونکہ وہ نبی تو تھے نہیں لہٰذا جو جدوجہد کر رہے تھے وہ دیوانگی کی وجہ سے تھی۔ ان کے مطابق ایسی سرگرمی کوئی سمجھدار انسان نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

کم درجے کے متبعین

دوسرا اعتراض نوحؑ کے متبعین کی معاشرتی حیثیت پر تھا۔ کیونکہ مومنین کا تعلق عامۃ الناس سے تھا۔ تاریخ دعوت کی یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ دعوت کے مخاطبین تو سوسائٹی کے تمام لوگ ہوتے ہیں اور داعی کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اعلیٰ طبقے کے افراد دعوت کو قبول کریں لیکن مشیت ایزدی نے یہ شرف پسے ہوئے طبقات کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے اس لئے اس طبقہ کے لوگ اولین مومنین ہوتے ہیں۔ مستکبرین اور مترفین کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے۔

وما نرلک اتبعک الا الذین هم اراذلنا بادی الرای (۴۲) کا بیان ان کی جھنجھلاہٹ کو واضح کرتا ہے۔ مستکبرین دراصل یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ نوحؑ کی دعوت قبول کرنے والے صائب الرائے افراد نہیں بلکہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ ایسے لوگ کہ جو بات پسند آئی بے سوچے سمجھے اسے اختیار کر لیا اور عواقب و نتائج پر غور ہی نہیں کیا۔ چونکہ معاشرے میں ان کی کوئی وقعت و قدر نہیں اس لئے ان کا ایمان لانا، دعوت کے مبنی بر حق ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کی موجودگی اشراف کو متنفر کرنے کا باعث ہے۔ قرآن نے اسی بات کو ایک اور جگہ نقل کیا ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ (۴۳)

وہ بولے کیا ہم تم پر ایمان لائیں، تمہارے پیرو تو رذیل لوگ ہیں۔

نوحؑ کی قوم کے اعلیٰ طبقہ کو کسی طرح بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ دعوت کی وجہ سے عام لوگ ان کی سطح کے برابر آ جائیں لہٰذا وہ اسے دعوت کی بنیادی غلطی تصور کرتے اور نوحؑ کو عواقب سے خبردار کرتے۔

کمتر مادی حیثیت

سرداران قوم کو نوحؑ پر تیسرا اعتراض یہ تھا کہ نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کے پاس مادی وسائل کی فراوانی نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس دولت ہے نہ سیاسی منصب اور نہ سیم و زر کے خزانے۔ اگر نوحؑ واقعی اللہ کے رسول ہوتے تو خدم و حشم ساتھ ہوتے، اللہ تعالیٰ انہیں خزانوں کا مالک بناتا اور اس طرح وہ سوسائٹی کے ممتاز ترین افراد میں سے ہوتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نوحؑ اور ان کے ساتھی مادی وسائل کے اعتبار سے ہم سے بھی کم تر درجہ کے مالک ہیں لہٰذا ہم ان کی بات کیوں مانیں۔

و ما نری لکم علینا من فضل کے الفاظ ان کے غرور اور احساس برتری کی نشاندہی کرتے ہیں۔

نوحؑ نے ان اعتراضات کے جو جوابات دیئے انہیں قرآن نے نقل کیا ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ. اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ ٥ وَ یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مَالًا. اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰکِنِّیْ

Marfat.com

اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ... اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۚ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ
مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۚ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۴۴)

اس نے کہا اے میری قوم، بتاؤ اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور پھر اس نے خاص اپنی رحمت سے بھی مجھے نوازا اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تو کیا ہم اس کو تم پر چپکا دیں جب کہ تم اس سے بیزار بھی ہو۔ اور اے میری قوم میں اس خدمت پر تم سے کسی مال کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو ہرگز دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں بلکہ میں تو تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت میں مبتلا ہو۔ اور اے میری قوم اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ کے مقابل میں کون میری مدد کرے گا۔ کیا تم لوگ اس پہلو پر دھیان نہیں کرتے؟ اور میں تمہارے سامنے یہ دعوی نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ دعوی کرتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں حقیر دیکھتی ہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی خیر دے ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں ایسا کروں تو میں ہی ظالم ٹھہروں۔

یہ آیات نوحؑ کے جامع جواب پر مشتمل ہیں۔ نوحؑ ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دعوت الی اللہ کی ذمہ داری کا سبب میری فطرت سلیمہ اور وحی اللہ کی روشنی ہے۔ تم نے فطرت کی آواز کو نافرمانیوں کی وجہ سے ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ کی رحمت کو قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہو، اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں لیکن مجھے اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور میں نے اس رحمت کو قبول کیا ہے، تم قبول کرو تو تم بھی اس رحمت کے مستحق ہو سکتے ہو۔

منکرین کی رعونت اور مومنین کے لئے ان کے تحقیر آمیز رویے کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں تم سے اس دعوت کے بدلے کوئی معاوضہ تو مانگ نہیں رہا ہوں کہ تمہاری ناراضگی سے مجھے مالی نقصان ہوگا، میرا اجر تو اللہ کے ہاں ہے۔ میں تو رب کی رحمت کو تقسیم کر رہا ہوں جس کے انکار سے تمہارا ہی نقصان ہے مجھے کوئی خسارہ نہیں۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے تو میں انہیں تمہاری دلداری کے لئے دھتکارنے والا نہیں اگر ایسا کروں تو اللہ کے سامنے کیا منہ دکھاؤں گا جنہیں تم حقیر سمجھ رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔

اور پھر آخر میں مادی فضیلت اور بشریت کے حوالے سے کھری بات سنا دی کہ مجھے کوئی دعوی نہیں کہ میرے

Marfat.com

پاس خزانے ہیں یا میں فرشتہ ہوں یا جن کو تم حقیر سمجھ رہے ہو ان کے بارے میں یہ کہہ دوں کہ انہیں خیر نہیں ملنے والا۔ میں فوق البشر نہیں، غیب دان نہیں، خزانوں کی کنجیاں بھی میرے پاس نہیں اور ان حقیر سمجھے والے لوگوں کو خیر سے محروم کرنے کی قوت بھی میں نہیں رکھتا۔ میں تو صرف اللہ کا رسول ہوں اور اس کا پیغام تمہیں سنا رہا ہوں اس کے علاوہ میری کوئی دلچسپی نہیں۔

اس طرح منکرین کے دلائل کا منہ توڑ جواب دے دیا۔ جب یہ لوگ دلائل کے میدان میں شکست کھا گئے تو انہوں نے نوحؑ سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہم انہونی بات کہیں گے تو اسے عاجز کر دیں گے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اعتراضات کے شافی جواب مل جانے پر ایمان لے آتے لیکن انہوں نے حسب عادت کٹ حجتی کی راہ اختیار کی قرآن نے ان کے رویہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۴۶)

وہ بولے اے نوح تم نے ہم سے بحث کر لی اور بہت بحث کر لی اگر تم سچے ہو تو وہ چیز ہم پر لاؤ جس کی تم ہمیں برابر دھمکی سنا رہے ہو۔

اس کا جواب بھی نوحؑ نے حسب معمول نرمی اور شفقت سے دیا اور واضح کیا کہ عذاب دینے کا اختیار اس کے پاس نہیں بلکہ یہ معاملہ رب کے اختیار میں ہے اور جب اس کی گرفت آئے گی تو اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا:

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ. هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۴۷)

اس نے جواب دیا کہ اس کو تو تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کے قابو سے باہر نہ نکل سکو گے اور میری خیر خواہی تم پر کچھ کارگر نہیں ہو سکتی اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔

نوحؑ کے واضح اور روشن دلائل کے مقابلے میں جب وہ عاجز آ گئے اور ان کے اصولی موقف کے مقابلے میں کوئی قوی دلیل نہ دے سکے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے۔ انہوں نے آپ کو ڈرانا دھمکانا حتی کہ سنگسار کرنے کی دھمکی دینا شروع کر دی۔ انہوں نے کہا:

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (۴۸)

انہوں نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

مستکبرین و مترفین نے نوحؑ کو جو دھمکی دی وہ تاریخ دعوت کا ایک اہم باب ہے۔ ہر دور کے طاغوتوں نے داعی حق اور اسلامی جماعت کے خلاف یہی انداز اختیار کیا ہے۔ ابتداء میں اعراض، تحقیر اور تمسخر سے کام لیا جاتا ہے جب دعوت کے قوی دلائل انہیں علمی و عقلی اعتبار سے لاچار کر دیتے ہیں تو وہ خطرناک نتائج کی دھمکی دیتے ہیں اور

Marfat.com

جوں جوں اسلامی جماعت طاقتور ہوتی ہے اور مومنین کی تعداد بڑھتی ہے توں توں طاغوت اور اس کی جماعت کا پارہ چڑھنا شروع ہوتا ہے اور وہ مختلف قسم کی منصوبہ بندی سے دعوت الی اللہ کے اثرات کو محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظلم، وحشیانہ سزائیں، قتل وغصب، ایذا رسانی و ملک بدری ایسے تمام ہتھیار آزمائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ پروپیگنڈے کی مہم تیز کردی جاتی ہے تاکہ فضا مسموم رہے اور معاشرے کا مجموعی رویہ اہل حق کے خلاف رہے۔

نوحؑ کے عہد سے لے کر اب تک دعوت الی اللہ کے مقابلے میں طاغوتوں کا یہی اسلوب رہا ہے، عمل درآمد میں تھوڑا بہت تنوع تو ہوا ہے لیکن عمومی اسلوب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

نوحؑ کو ان شدید حالات کا سامنا تھا اور بظاہر مخالفانہ سرگرمیوں میں کوئی کمی نظر نہیں آرہی تھی۔ آپؑ نے قوم کی طرف سے پیش آنے والے مصائب و آلام اور ان کی ہٹ دھرمی کا اپنے رب سے شکوہ کیا اور فتح و نصرت کی درخواست کی۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا کَذَّبُوْنِ (۴۹)

پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (۵۰)

تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (بارالہا) میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔

نوحؑ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تھے۔ چند ہی لوگ تھے جو ایمان لائے تھے۔ باقی لوگ مستکبرین کے زیر اثر تھے اور ان پر کسی قسم کی نصیحت اثر نہیں کر رہی تھی۔ اس حالت میں وہ بار بار اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے اور فتح و نصرت کی دعا کرتے۔ قرآن نے مایوسی کی اس کیفیت کا ذکر بڑے موثر انداز میں کیا ہے:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ○ اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ○ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا (۵۱)

اور پھر نوحؑ نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لاکر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی لا۔

نوحؑ کی بے بسی اور رب کریم کی طرف رجوع نے رحمت ایزدی کو متوجہ کیا۔ اللہ تعالی نے نوحؑ کو تسلی دی کہ تم

Marfat.com

نے اپنی ذمہ داری پوری کرلی۔ تمہاری قوم میں سے اب مزید لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (۵۲)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا، تو جو کام یہ کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

دعوت سے انکار کا انجام

نوحؑ نے جن صبر آزما حالات میں دعوت الی اللہ کا کام کیا اور جتنا عرصہ سرگرم عمل رہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور ہمدردی و خیر خواہی کچھ بھی ان کی بد قسمت قوم کو متاثر نہ کر سکی۔ وہ جس قدر زیادہ دعوت الی اللہ میں سرگرم ہوتے اتنا ہی زیادہ وہ کفر و طغیان میں بڑھ جاتے۔ ستم ظریفی ہے کہ منکرین خود عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے واضح ہے۔ نوحؑ کو ان کے کفر کا یقین ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کی بے ایمانی کی خبر دے دی تھی۔ نوحؑ کی دعا نے ان کے انجام کو قریب تر کر دیا۔ نوحؑ کو بتا دیا گیا تھا کہ اب اس قوم کی تباہی قریب ہے۔ لہٰذا اس عذاب سے بچاؤ کی تیاری کرلو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا. اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ (۵۳)

اور تم کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو، یہ تو غرق ہو کر رہیں گے۔

نوحؑ کشتی بنانے میں مصروف تھے۔ ان کی بدبخت قوم کو پھر بھی احساس نہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ انہیں مجنون، گمراہ اور بے سمجھ قرار دے چکے تھے۔ ان کے نزدیک کشتی بنانا ایک احمقانہ فعل تھا جسے وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کرتے اور مذاق اڑاتے۔ نوحؑ اس موقع پر بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ انہیں احساس دلاتے رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے سمجھی تمہارا مذاق اڑنے کا سبب نہ بن جائے۔

قرآن اسی صورت حال کو اس طرح بیان کرتا ہے:

وَیَصْنَعُ الْفُلْکَ وَکُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِہٖ سَخِرُوْا مِنْہُ. قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ o فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ وَیَحِلُّ عَلَیْہِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ (۵۴)

اور وہ کشتی بنانے لگا اور جب جب اس کی قوم کے بڑوں کی کوئی جماعت اس کے پاس سے گذرتی تو اس کا مذاق اڑاتی۔ وہ ان کو جواب دیتا کہ ابھی تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس

Marfat.com

طرح تم مذاق اڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ تم جلد جان لو گے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے۔

طوفان

پھر وہ گھڑی آن پہنچی۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب طوفان کی صورت میں نمودار ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ نوحؑ کا مذاق اڑانے والے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا امتحان لینے والے اس کے عذاب کی گرفت میں تھے۔ قرآن نے نوحؑ کے قصہ میں مختلف مقامات پر اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (۵۵)

پس ہم نے زور کے مینہہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا اور ہم نے نوحؑ کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اسی شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵۶)

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور طوفان اُبل پڑا۔ ہم نے اس کو کہا کہ ہر چیز میں سے نر دو مادہ دونوں کو اور اپنے اہل و عیال کو بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو، اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اس کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد تو بس تھوڑی ہی تھی اور اس نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ اور اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا۔ میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ ایک دہشت ناک اور خوفناک منظر ہوگا آسمان کی بلندیوں سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور زمین نے اپنے تمام چشموں کے دہانے کھول دیئے ہیں جس کے باعث ساری زمین تلاطم خیز موجوں والے سمندر میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اس ہولناک طوفان نے روئے زمین کی پستیوں اور بلندیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یوں مستکبرین اور منکرین اپنے متبعین سمیت غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی ہلاکت کا انتظام کیا کیونکہ ان لوگوں نے اللہ

Marfat.com

اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی۔ ظلم کا ارتکاب کیا اور توبہ ورجوع الی اللہ سے انکار کر دیا۔ جس عذاب کا وہ مطالبہ کرتے تھے اس کی زد میں آ کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے اور آنے والی نسلوں کے لئے سامان عبرت بن گئے۔

نوح کی آخری آزمائش

طوفان کا پانی پست وبالا ہر جگہ کو گھیر رہا تھا، متلاطم موجیں منکرین خدا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں اور کشتی اس تلاطم میں مومنین کو لے کر چل رہی تھی کہ نوح نے اپنے بیٹے کو دیکھا جو مخالفت کی وجہ سے کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ شفقت پدری جوش میں آ گئی۔ آواز دے کر پکارا کہ بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ قرآن نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (۵۷)

اور وہ کشتی پہاڑوں کی اٹھتی موجوں کے درمیان ان کو لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو اس سے الگ تھا آواز دی کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور ان کافروں کا ساتھ نہ دے۔

قدرت نے نوح کا امتحان لیا۔ یوں بھی ہو سکتا تھا کہ کافر بیٹا دوسرے لوگوں کے ساتھ غرق ہو جاتا اور نوح کو پتہ بھی نہ چلتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی وفاداری کو کار دعوت میں مصروف کارکنوں کے لئے بطور نمونہ محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس خوفناک منظر میں جب پہاڑوں کی سی موجیں اٹھ رہی ہیں، ہر شے غرق ہو رہی ہے اور کشتی اس تلاطم خیز طوفان میں رواں دواں تھی، نوح کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی جو اس ہولناک صورت حال میں حیران و ششدر کھڑا تھا۔ لہذا فطری طور پر بیٹے کو آواز دی جس میں رجوع الی اللہ کی دعوت بھی تھی۔ بیٹے کی کفر میں کمی نہیں آئی تھی اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف مائل نہ تھا اس لئے اس نے کشتی میں سوار ہونے سے اور مومنین کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کر دیا اور بالآخر دوسرے کفار کی طرح وہ بھی غرق ہو کر لقمہ اجل بن گیا۔ قرآن نے باپ بیٹے کے مکالمے اور بیٹے کے غرق ہونے کے منظر کو بیان کیا ہے:

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (۵۸)

اس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا، آج اللہ تعالیٰ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہی جس پر رحم فرمائے اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں سے ہو کے رہا۔

نوح نے بیٹے کو ڈوبتے دیکھا تو رب سے استدعا کی کہ وہ اپنی رحمت سے اس کو بچا لے اور یہ دعا غالباً اس

Marfat.com

احساس پر مانگی کہ بیٹا اہل میں سے ہے۔ کیونکہ سورہ ھود کی آیت چالیس میں " اھلک " کی اجازت ملی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس درخواست کو مسترد کر دیا اور نوح کو بتایا کہ یہ بیٹا تمہارے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ نجات کا وعدہ صرف اہل ایمان کے لئے تھا اور تمہارے اہل میں وہی شامل ہیں جو بطور مومن تمہارے ساتھ وابستہ ہیں۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِکَ. اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (۵۹)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے خداوند میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ پکا ہے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا، اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، وہ نہایت نابکار ہے، مجھ سے اس چیز کے لئے درخواست نہ کرو جس کے باب میں تمہیں کچھ علم نہیں اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو۔

اس تنبیہ پر نوح نے رب کریم سے معافی مانگی اور توبہ کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ. وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (۶۰)

اس نے کہا اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی درخواست کروں جس کے باب میں مجھے کوئی علم نہیں اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامرادوں میں ہو جاؤں گا۔

نوح کے بیٹے کا غرق ہونا غالباً اس کام کی تکمیل کا آخری مرحلہ تھا۔ نوح کی آزمائش سعادت وشقاوت کے قانون کی وضاحت اور نبی اور رب کے تعلق کی توضیح کے بعد طوفان کے جاری رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ قوم نوح اپنی تمام رعونتوں، جہالتوں اور گمراہیوں سمیت غرق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے طوفان کا پانی اترنا شروع ہو گیا۔

وَقِیْلَ یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۶۱)

اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی اتار دیا گیا اور معاملے کا فیصلہ ہو گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا لگی اور اعلان کر دیا گیا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔

قرآن مجید نے کشتی کے ٹھہرنے کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ نوح اور جماعت مومنین کے اترنے کو بابرکت بھی قرار دیا۔ یہ صرف نصرت الٰہی کی تکمیل کا مرحلہ ہی نہ تھا بلکہ نئی زندگی کے آغاز کو سلامتی و برکت سے نوازنے کا مرحلہ بھی تھا

Marfat.com

اورآنے والی نسلوں کے لئے تنبیہہ کا سامان بھی۔ کشتی رکی تو ارشادِ ربانی ہوا:

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۶۲)

ارشاد ہوا اے نوح اترو، ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اپنے اوپر بھی اور ان امتوں پر بھی جو ان سے ظہور میں آئیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور ایسی امتیں بھی اٹھیں گی جن کو ہم بہرہ مند کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔

اس طرح ساڑھے نوسو برس کے دور ابتلاء کا خاتمہ ہوا۔ مستکبرین و منکرین کا نام و نشان مٹ گیا۔ کفر و شرک اور ظلم و جور کے تمام نشان مٹ گئے۔ نوحؑ کا مذاق اڑانے والے اور نادار پیروؤں سے تمسخر کرنے والے اپنے انجام کو پہنچے۔ اس طرح نوحؑ اور قوم نوح نسل انسانی کے آنے والے افراد کے لئے نصیحت و عبرت کا سامان بن گئے۔

قرآن نے دعوت الی اللہ کے بارے میں جب بھی بات کی ہے اس کا آغاز ذکر نوحؑ سے ہوا ہے۔

نوحؑ کا تجربہ، تاریخ دعوت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ دعوت کے لئے جو استدلال کیا گیا، دعوت کے موضوع کو جس طرح بیان کیا گیا، مخالفین کے الزامات اور اعتراضات کی جو تفصیل دی گئی، مومنین و منکرین کے حالات جس طرح مذکور ہوئے داعی اور اس کے متبعین کو اذیت کے جن مرحلوں سے گذرنا پڑا اور بالآخر منکرین کا جو انجام ہوا وہ سب کچھ تمام انبیاء کی جدوجہد میں موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام انبیاء کی دعوتی سرگرمیوں میں ایک ہی منہاج قائم ہے۔ زبان، اسلوب، دلائل، رویے، ردعمل سب میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف مقامی حالات اور کرداروں کا ہے ورنہ ایسا لگتا ہے کہ تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ نوحؑ کے واقعہ سے ایک داعی کے لئے چند سبق ملتے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنے سے دعوت کے کام میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔

۱۔ یقین و ایمان

نوحؑ کو اس امر کا کامل یقین تھا کہ دعوت کا جو کام وہ کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ اس یقین میں کبھی تزلزل نہیں آیا اور وہ علی وجہ البصیرت یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ کار دعوت کا کوئی کارکن یقین و ایمان کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

۲۔ صبر و استقامت

نوحؑ کا صبر اور ان کی استقامت ہر داعی کے لئے مشعل راہ ہے۔ ساڑھے نوسو برس تک دعوت کی مصروفیت، ایذا رسانیوں کا مقابلہ اور مشکلات و مصائب کو برداشت کرنے کا حوصلہ وہ پہلو ہیں جنہیں ہر داعی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد

دعوت الی اللہ کا کام چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی ہی کے لئے ہے اس لئے داعی کو ہر لمحہ رب کی ذات سے وابستہ رہنا چاہیے۔ اس راہ میں مادی سہارے اور دنیوی وسائل کبھی وجہ تسلی نہیں ہوئے۔ مخالفتوں کے طوفان، الزامات کی بوچھاڑ اور ایذا رسانی کے ہنگاموں میں صرف اور صرف اللہ کی ذات ہی سکون کا باعث ہوتی ہے۔ داعی اسی سے اپنے حالات کے شکوے کرتا ہے، اسی سے وہ دعائیں کرتا ہے اور اسی سے اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی معافی چاہتا ہے۔ اول و آخر اسی کی ذات وجہ اعتماد ہوتی ہے نوحؑ کی شخصیت میں یہ پہلو بدرجہ اتم موجود ہے۔ جب لوگ آپ سے مذاق کر رہے تھے اور آپ حد درجہ ضعف وقلت کا شکار تھے، ان نامساعد حالات میں بھی وہ پُر اعتماد نظر آتے تھے۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ○ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۶۳)

اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اُڑا رہے ہو تو جس طرح تم مذاق اُڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمہارا مذاق اُڑائیں گے۔ تم جلد مان لوگے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے۔

اس اعتماد کا ایک اظہار دعا ہے۔ دعا داعی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنے رب کا قرب حاصل کرتا بلکہ اس کی نصرت کا استحقاق حاصل کرتا ہے۔ دعا نفسیاتی تسکین اور اعتماد علی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن نے نوحؑ کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (۶۴)

اور اس سے قبل جب نوح نے پکارا تو ہم نے اس کی پکار کو سنا اور اسے اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے نجات دی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ○ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۔ (۶۵)

ہم کو (اس سے پہلے) نوح نے پکارا تھا تو دیکھو ہم کیسے اچھے جواب دینے والے تھے ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے بچالیا۔

داعی کو مادی وسائل سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور ان کے حصول اور تنظیم کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیے لیکن بھروسہ صرف اور صرف ذات باری پر رہنا چاہیے جو فتح ونصرت کی کلید ہے۔ نوحؑ کی مشکلات اور ان کے ابتلاء کی کوئی حد نہ تھی لیکن جب اللہ کی نصرت آئی تو اس کی قوت اور احاطہ کی بھی کوئی حد نہ تھی۔

Marfat.com

آزمائش و ابتلاء

نوحؑ کی حیات مبارکہ بتاتی ہے کہ داعی کو پیہم آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ آزمائشیں اس کے اخلاص کا امتحان بھی ہوتی ہیں اور اس کی شخصیت کے نکھار کا ذریعہ بھی۔ اس ابتلاء میں مخالفین کے حملے، ان کی سازشیں اور اذیتیں بھی ہوتی ہیں اور اپنے خاندان کا کفر بھی۔ نوحؑ کو دشمنوں کے ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے در کھول دیئے تھے جس میں دعوت کے معاندین اپنی قوت و حشم کے باوجود غرق ہو گئے تھے لیکن ٹھیک اسی وقت بیٹے کے غرق ہونے کا منظر بھی دکھا دیا گیا تا کہ نوحؑ کی وفاداری اور اطاعت کیشی کا امتحان ہو سکے۔ جب بشری تقاضے کے تحت اظہار مدعا کر بیٹھے اور مالک کی مرضی کا علم ہو گیا تو اطاعت شعار بندے نے معافی طلب کی اور نیازمندی کی راہ اختیار کی اور دل کی گہرائیوں سے معافی مانگی۔ نوح کی طلب مغفرت کے الفاظ پر غور کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کا یہ بندہ جان سپردگی کے کس مقام پر کھڑا ہے۔

رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَسۡئَلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ. وَاِلَّا تَغۡفِرۡلِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (٦٦)

نوحؑ نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں فرمائے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

اللہ کے اس بندے نے اپنی صبحیں اور شامیں اپنے دن اور اپنی راتیں کار دعوت کے لئے وقف کر رکھی تھیں ایک ہی دھن ایک ہی غم اور ایک ہی کام۔ دعوت الی اللہ اور بس۔ ایک قلیل تعداد نے دعوت کو قبول کیا اور وہی بالآخر نجات پا سکے، اپنے گھرانے میں سے اٹھتی مخالفت پر صبر کر کے مصروف کار رہے اور اسی وقت کام ختم کیا جب کوئی امید باقی نہ رہی اور پروردگار کی طرف سے بھی اشارہ ملا کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ غیر نبی داعی کے لئے ایسی صورت کا پیدا ہونا ممکن نہیں کیونکہ وہ ملھم من اللہ نہیں ہوتا تاہم قرائن اور آثار سے اندازہ کر کے وہ اپنی حکمت عملی بدل سکتا ہے اور توفیق الٰہی کی استدعا کر سکتا ہے۔

نوحؑ کا اسوہ تاریخ دعوت کی روشن مثال ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ حضور اکرمؐ کو صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے اولوالعزم رسولوں کا حوالہ دیا گیا۔ فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم۔ (الاحقاف/۳۵)
۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اھل الجنۃ منزلۃ فیھا، ۱/۱۲۷
۳۔ البقرہ/۲۱۳
۴۔ یونس/۱۹، الانبیاء/۹۲، المومنون/۵۳، ھود/۱۱۸، النحل/۹۳، الشوریٰ/۸
۵۔ الاعراف/۵۹
۶۔ ھود/۲۵۔۲۶
۷۔ الشعراء/۱۰۶۔۱۰۸
۸۔ نوح/۲۔۳: سورہ مومنون میں بھی عبادت رب کی دعوت کا ذکر ہے" ولقد ارسلنا نوحاً الی قومه فقال یقوم اعبدوا لله مالکم من اله غیره افلا تتقون" (المومنون/۲۳)
۹۔ نوح/۲۳
۱۰۔ بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ نوح، باب وداً ولا سواعاً، مختصر ابن کثیر، ۳/۵۵۴
۱۱۔ ابن جریر نے محمد بن قیس سے روایت کیا ہے۔ مختصر ابن کثیر، ۳/۵۵۴
۱۲۔ تفہیم القرآن، ۶/۱۰۳
۱۳۔ انبیاء/۲۵
۱۴۔ نوح/۳،۴
۱۵۔ نوح/۱۰
۱۶۔ الزمر/۳
۱۷۔ تدبر قرآن ۸/۵۹۷
۱۸۔ ھود/۵۲
۱۹۔ ھود/۴۷
۲۰۔ نوح/۲۸
۲۱۔ لسان العرب، ۵/۲۰۱
۲۲۔ المومن/۱۸
۲۳۔ ھود/۲۵۔۲۶
۲۴۔ نوح/۱،۲۔ ان آیات میں " رسول مبین " کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایک جگہ پر " رسولٌ امین " کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (الشعراء/۱۰۷
۲۵۔ الاعراف/۵۹
۲۶۔ نوح/۱۳۔۲۰
۲۷۔ نوح/۱۰۔۱۲
۲۸۔ ھود/۲۹
۲۹۔ یونس/۷۲
۳۰۔ الشعراء/۱۰۵۔۱۰۷
۳۱۔ نوح/۵۔۹
۳۲۔ العنکبوت/۱۴
۳۳۔ نوح/۱۔ اسی طرح قوم کی بابت اور جگہوں پر بھی ہے: (ھود/۲۵) الشعراء/۱۰۵۔۱۰۶، یونس/۷۱
۳۴۔ الاعراف/۶۰، المومنون/۲۴
۳۵۔ ابراہیم/۲۱، غافر/۴۷
۳۶۔ الاعراف/۶۰

Marfat.com

۳۷۔ نوح/ ۷
۳۸۔ الاعراف/ ۶۱، ۶۲
۳۹۔ ھود/ ۲۷
۴۰۔ المومنون/ ۲۴
۴۱۔ المومنون/ ۲۵
۴۲۔ "اراذلنا" کے معنی ناکارہ اور ذلیل وخوار قسم کے لوگ ہیں۔ اشراف کے مقابلے میں عام کارکن قسم کے لوگ گھٹیا تصور کیے جاتے۔ بادی الرای کے معنی ہیں وہ لوگ جو غور وفکر کے بغیر محض ظاہری رائے کو قبول کر لیتے ہیں اور اس کے حسن وقبح کا جائزہ نہیں لیتے۔ (تفسیر المنار، ۱۲/ ۶۱، دار المعرفۃ بیروت)
۴۳۔ الشعراء/ ۱۱۱
۴۴۔ ھود/ ۲۸۔۳۱
۴۵۔ الشعراء/ ۱۱۲۔۱۱۴۔ قال و ما علمی بما کانوا یعملون .ان حسابھم الا علی ربی لو تشعرون۔ و ما انا بطارد المومنین۔ (نوح نے کہا مجھے کیا معلوم وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا حساب میرے پروردگار کے ذمہ ہے کاش تم سمجھو اور میں مومنوں کا نکال دینے والا نہیں)
۴۶۔ ھود/ ۳۲
۴۷۔ ھود/ ۳۳۔۳۴
۴۸۔ الشعراء/ ۱۱۶
۴۹۔ المومنون/ ۲۶
۵۰۔ القمر/ ۱۰
۵۱۔ نوح/ ۲۶۔۲۸
۵۲۔ ہود/ ۳۶
۵۳۔ ہود/ ۳۷
۵۴۔ ہود/ ۳۸۔۳۹
۵۵۔ القمر/ ۱۱۔۱۳
۵۶۔ ھود/ ۴۰۔۴۱
۵۷۔ ھود/ ۴۲
۵۸۔ ھود/ ۴۳
۵۹۔ ھود/ ۴۵۔۴۶
۶۰۔ ھود/ ۴۷
۶۱۔ ھود/ ۴۴
۶۲۔ ھود/ ۴۸
۶۳۔ ھود/ ۳۸۔۳۹
۶۴۔ الانبیاء/ ۷۵۔۷۶
۶۵۔ الصافات/ ۷۵۔ نوح کی دعا کے الفاظ منقول ہیں: فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر (القمر/ ۱۰)
۶۶۔ ھود/ ۴۷

☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت ھود علیہ السلام

حضرت نوحؑ کے بعد قرآن جس پیغمبر کا ذکر کرتا ہے وہ حضرت ھودؑ ہیں۔قرآن مجید میں ان کا اوران کی قوم کا ذکر نو جگہ آیا ہے۔[1] ھودؑ کے بارے میں معلومات کا ماخذ صرف قرآن ہے۔یہودی روایات میں ان پر کچھ نہیں ملتا۔ھودؑ کواللہ تعالیٰ نے ان کی قوم عاد کے لئے رسول بنایا۔

قوم عاد

عاد،عرب کی قدیم اقوام میں سے ایک صاحب قدرت واقتدار قوم تھی۔عرب ان قدیم اقوام کوامم بائدہ (ہلاک ہوجانے والی قومیں) یا عرب عاربہ (خالص عرب) کہتے ہیں۔ان اقوام کی مختلف جماعتوں کوعاد،ثمود،طسم اور جدلیس کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔[2] ان کا تعلق سام بن نوح کے اولاد سے تھا۔انہیں عاداولی[3] اور عادم ارم ذات العماد[4] کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ایسے لگتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد اس قوم کے اباء واجداد میں سے کچھ لوگوں نے جنوب کی طرف ہجرت کی ہوگی جہاں ان کی اگلی نسلوں نے بڑی قوت وشوکت حاصل کی۔عرب لٹریچر میں یہ لوگ اپنی قدامت اور شوکت وحشمت کے لئے ضرب المثل ہیں۔عربی زبان میں قدیم چیز کے لئے "عادی" کا لفظ استعمال کیا ہے اورآ ثار قدیمہ کو عادیات کہتے ہیں۔عرب ماہرین انساب بھی اپنی معدوم قوموں میں سب سے پہلے اسی قوم کا نام لیتے ہیں۔

عاد کا مسکن

قوم عاد کا مرکزی مقام ومسکن احقاف (۵) کا علاقہ جوحجاز،یمن اور یمامہ کے درمیان الربیع الخالی کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔یہیں سے پھیل کران لوگوں نے یمن کے مغربی سواحل اور عمان وحضرموت سے عراق تک اپنی قوت وشوکت کی دھاک بٹھائی تھی۔ابن اسحاق کے مطابق عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا۔جنوبی عرب کے باشندوں میں یہ بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقے میں آباد تھے۔موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ہود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ہود کے نام سے مشہور ہے۔ہر سال ۱۵ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت

Marfat.com

سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقے کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرموت میں متعدد خرابے (Ruins) ایسے ہیں جن کو مقامی باشندے آج تک دار عاد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (۶)

اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حد، حساب نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ انہوں نے چشمے جاری کیے، زمینوں کو زراعت کے قابل بنایا۔ مولانا اصلاحی کے بقول جس دور میں قوم عاد یہاں عروج پر تھی اسی زمانے میں یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب اور ان عظیم تمدنی کارناموں سے معمور رہا ہوگا جن کے سبب قوم عاد کو تاریخ میں ایک خاص شہرت و عظمت حاصل ہوئی۔ لیکن اب وہی مقام ہے جہاں ایک لق و دق صحرا ہے جس کو دیکھ کر کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ کبھی یہاں تعمیر و تمدن کا بھی کوئی نقش قائم ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ الاحقاف کے نام سے یہ علاقہ عاد کے زوال کے بعد موسوم ہوا ہے۔ جب یہاں شاندار تعمیرات کی جگہ صرف ریت کے ٹیلے رہ گئے۔ (۷)

عاد کا زمانہ

عاد کا زمانہ کون سا تھا؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ کچھ مصنفین نے دو ہزار قبل مسیح کی بات کی ہے۔ (۸) قرآن مجید نے نوح کے بعد ان کا ذکر کیا ہے۔ ہودؑ اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۹)

اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو۔

عاد کا مذہب

عاد بت پرست تھے اور اپنے پیشرو قوم نوح کی طرح صنم پرستی اور صنم تراشی میں ماہر تھے۔ قوم نوح کے بتوں کے علاوہ انہوں نے اپنے الگ بت بھی بنا رکھے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ کا ایک اثر منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اپنے بت بھی تھے۔ (۱۰) عاد رہنما اپنی مملکت اور سطوت و جبروت کے تحت اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر آمادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جسمانی طور پر بڑی قوت اور توانائی سے نواز رکھا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں سے حاجت روائی و مشکل کشائی کی راہ اختیار کی۔ ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہودؑ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہودؑ عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ سرخ و سپید رنگ اور وجیہہ تھے۔ (۱۱) ہود نے اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ان کی دعوت کے بنیادی نکات وہی ہیں جو نوحؑ کی دعوت میں نمایاں تھے۔

Marfat.com

دعوت کا موضوع

ہود ؑ کی دعوت کے موضوع میں عبادت رب، شرک کا ابطال اور ظلم و غرور پر تنبیہہ شامل ہیں ۔ یہ تمام اجزاء ہر نبی کی دعوت میں شامل رہے ہیں ۔ قرآن مجید نے ان پہلوؤں کا ذکر کیا ہے ۔ عبادت اور شرک کے ابطال کو بیان کرتے ہوئے کہا:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ٥ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۱۳)

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (تم شرک کر کے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ. اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ. اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۴)

اور قوم عاد کے بھائی ہود کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔

ظلم و غرور پر تنبیہہ

ہود ؑ کی قوم جسمانی طاقت اور جاہ و جلال کی وجہ سے بے پناہ غرور میں مبتلا تھی ۔ اور ظلم و جبروت سے بھی دریغ نہیں کرتی تھی ۔ سطوت و شوکت کی وجہ سے انہیں اپنے خالق و مالک کا احساس نہیں رہا تھا ۔ ہود ؑ انہیں تنبیہہ کرتے ہیں ۔ ظلم و غرور سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع اور استغفار کی دعوت دیتے ہیں:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ٥ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ٥ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ٥ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ٥ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ٥ وَجَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ٥ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ٥ (۱۵)

بھلا تم ہر اونچی جگہ پر عبث نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور اگر کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو ۔ تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو ۔ اس نے تمہیں مویشیوں اور بیٹوں سے

Marfat.com

مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔

وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ (۱۶)

اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گنہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔

دعوت کا انداز

ہودؑ کا انداز دعوت اخلاص اور بے لوثی کا مظہر تھا۔ وہی انداز اور وہی الفاظ جو نوحؑ کی دعوت کے سلسلے میں بیان کیے گئے ہیں:

نصیحت

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (۱۷)

میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار اور خیر خواہ ہوں۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ o فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ (۱۸)

میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

بے لوثی

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۹)

اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ خدائے رب العالمین کے ذمے ہے۔

یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲۰)

میری قوم میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں۔

ہودؑ کے اخلاص اور بے لوثی کے باوجود آپ کی قوم نے دعوت کو قبول نہیں کیا۔ ایک قلیل تعداد نے ہودؑ کی بات مانی اور اکثریت نے انکار کی راہ اختیار کی۔

دعوت کا ردِ عمل

ہودؑ کے اخلاص، بے لوثی اور ہمدردی کے باوجود بہت کم لوگ ایمان لائے۔ اکثریت نے نہ صرف انکار کیا۔

Marfat.com

بلکہ مخالفت اور استہزاء میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس مخالفت میں پیش پیش قوم کے سردار اور صاحبان اثر و نفوذ تھے۔ اگر چہ ان کے پاس حق کے خلاف دلائل نہ تھے اور جن بتوں کی پرستش کرتے تھے اس کے لئے بھی کوئی دلیل نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہودؑ سے معجزے طلب کرتے اور انہیں بے سمجھی کے طعنے دیتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہتے کہ ہودؑ کو ان کے معبودوں نے نقصان پہنچایا۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (۲۱)

وہ بولے ہود تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم صرف تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔

سرداران قوم کی بدتمیزی اور برے سلوک کا اندازہ ان کے متکبرانہ رویہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۲۲)

ہودؑ کی قوم کے لوگ اپنے مشرکانہ اعمال اور متکبرانہ طرز عمل پر اس قدر مطمئن تھے کہ وہ ہودؑ کو ان کی دعوت کے حوالے سے چیلنج کرتے اور ان سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہودؑ کی ساری باتیں محض ڈراوے کی ہیں اور ان کا دماغ چل گیا ہے۔ ورنہ وہ اپنی قوم کی طاقت و حشمت کے خلاف ایسی باتیں کس طرح کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا:

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۲۳)

کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو۔

سورہ مومنون میں ان تمام دلائل کو جمع کر دیا گیا ہے جو ہودؑ کی قوم نے ان کے خلاف استعمال کئے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا

Marfat.com

مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ o هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ o اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ o اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ (۲۴)

تو ان کی قوم کے وہ سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین) سے نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔

قرآن مجید نے ان کے غرور اور تکبر کا بھی ذکر کیا ہے جو انکار آخرت اور شرک کی وجہ سے تھا، اور اس کا جواب بھی دیا ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً. اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً. وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (۲۵)

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا، وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔

ہودؑ کا جواب

دعوت کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ داعی اٹھنے والے سوالات کا جواب دے۔ حضرت ہودؑ کے مخالفین نے جو اعتراضات کئے تھے ان کے تو جوابات بھی دیئے گئے۔ قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ منکرین کے اعتراض کو نقل کرتا ہے تو اس کا جواب بھی ساتھ شامل ہوتا ہے۔ جیسے انہوں نے کہا کہ ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے؟ جواب دیا گیا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے۔ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہودؑ کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں اور محض ان کے کہنے پر تو معبودوں کو نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہی معبودوں کی تاثیر کی وجہ سے وہ آسیب زدہ لگتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہودؑ نے صرف اتنا کہا:

Marfat.com

قَالَ اِنِّیٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ o مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ o اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ م بِنَاصِیَتِهَا. اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (۲۶)

انہوں نے کہا کہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا) کا شریک بناتے ہو میں اس سے بیزار ہوں (یعنی جن کی) اللہ کے سوا (تم عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں جو تدبیر کرنی چاہو کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے بھروسا رکھتا ہوں۔ زمین پر جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ ہودؑ بے وقوفی کی باتیں کرتے ہیں اس کے جواب میں کہا:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ o اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (۲۷)

دوسری جگہ پر کہا:

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (۲۸)

انہوں نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو احکام دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔

انہوں نے کہا کہ میری قوم مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار اور خیر خواہ ہوں۔

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ ہودؑ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو انکار توحید و رسالت کے جواب میں عذاب آ جانا چاہیے۔ اس کے جواب میں حضرت ہودؑ کہتے ہیں:

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۲۹)

ہودؑ نے کہا تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب کا نازل ہونا مقرر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنی طرف سے رکھ لئے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

Marfat.com

ان کا چوتھا اعتراض یہ تھا کہ یہی دنیا ہے جس میں رہنا ہے آخرت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور ہودؑ تو محض ہمارے جیسے انسان ہیں۔

چونکہ ان کے اعتراضات محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے ان میں سمجھنے کی خواہش موجود نہ تھی اس لئے اس کے جواب میں حضرت ہودؑ نے بس یہ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کے حکم کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب نبی اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت طلب کرتا ہے۔ طلب نصرت سے پہلے اتمام حجت ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ہودؑ کا یہ جملہ منقول ہے:

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَ كُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ (۳۰)

کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ تمہیں ڈرائے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ. وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ. وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا. اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (۳۱)

اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔

طلبِ نصرت

عاد کی ہٹ دھرمی کے باعث اب کسی استدلال کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ لہٰذا سنت انبیاء کے مطابق ہودؑ نے اللہ تعالیٰ سے نصرت کی درخواست کی:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ٥ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ (۳۲)

اس پر اس رسول نے دعا مانگی، خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا تو میری مدد کر۔ حکم ہوا عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کئے پر شرمسار ہوں گے۔

انجام

ہودؑ کی دعوت وتبلیغ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ عاد نے استکبار واعراض کے رویے سے اپنے لئے خیر وفلاح کے تمام رستے بند کر لئے۔ نہ صرف یہ کہ ہود کو جھوٹا اور دیوانہ کہا بلکہ بار بار عذاب الٰہی کو دعوت دی۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے ہودؑ اور ان کے مومنین کو بچالیا اور عاد تباہ کر دیئے گئے۔ قدرت نے ان کی تباہی کے لئے سیاہ بادل بھیجے چونکہ ان کے ہاں کافی عرصہ بارش نہیں ہوئی تھی اس لئے انہوں نے سمجھا بارش ہونے

Marfat.com

والی ہے لیکن جوں جوں یہ سیاہ بادل گھٹاٹوپ اندھیرے کی صورت اختیار کرتا گیا ان کی گھبراہٹ میں اضافہ ہونے لگا مگر اب کیا ہوسکتا تھا نہایت تندو تیز آندھی بلکہ طوفان نے انہیں آلیا، وہ عذاب الٰہی کی گرفت میں تھے۔قرآن نے اس صورت حال کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا. بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ o تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ. كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (۳۳)

پھر جب انہوں نے اس عذاب کو دیکھا کہ بادل کی صورت میں ان کے میدانوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کے رہے گا۔نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہے۔ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔مجرموں کو ہم اسی طرح سزادیا کرتے ہیں۔

بظاہر برسنے والے بادل عذاب کے حامل تھے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کی تقدیر کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔یہی وجہ ہے کہ جب گہرے بادل آتے تو نبی اکرم ﷺ پریشانی کا اظہار فرماتے۔حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

قالت ما رایت رسول الله ضاحکا حتی اری منه لهوا ته انما کان یتبسم . قالت و کان اذا رای غیما او ریحا عرف فی وجهه . قالت، یا رسول الله ، ان الناس اذا راوا الغیم ، فرحوا رجاء ان یکون فیه المطر، واراک اذا رایته عرف فی وجهک الکرابیة فقال یا عائشه ، ما یومنی ان یکون فیه عذاب ، عذب قوم بالریح و قد رای قوم العذاب فقالوا هذا عارض ممطرنا (۳۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کو کبھی اس طرح زور سے ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کا حلق مبارک نظر آنے لگے۔آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔آپؐ جب آندھی یا بادل دیکھتے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب بادل آتے ہیں تو لوگ اس امید پر خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی، مگر آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہوجاتے ہیں۔فرمایا! اے عائشہ اس بات سے بے خوف ہونے کی کیا دلیل ہے کہ اس میں کہیں عذاب نہ ہو۔ایک قوم پر تندو تیز آندھی کا عذاب آیا تھا اس قوم نے بھی عذاب کو دیکھ کر کہا یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کے رہے گا۔

امام مسلم نے بھی عائشہؓ سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ (۳۵) جب آندھی چلتی تو آپؐ یہ دعا پڑھتے:

Marfat.com

عن عائشة قالت : كان النبيؐ اذا عصفت الريح قال: اللهم انى اسئالک خيرها و خير ما فيها و خير ما ارسلت به واعوذبک من شرها و شر ما فيها و شر ما ارسلت به (۳۶)

اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی اور جس حکم کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے، اس کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اس کی برائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی اور جس حکم کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن مجید نے نزول عذاب کی کیفیات کومختلف اسالیب سے بیان کیا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ (۳۷)

اور ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور اس روز ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ○ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۳۸)

ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔ وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (۳۹)

رہے عاد، انہیں نہایت تیزی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن چلائے رکھی۔ تو اے مخاطب تو لوگوں کو اس میں ڈھیئے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔ بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۴۰)

فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آ پکڑا اور ہم نے خس وخاشاک کی طرح انہیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لئے جو ظلم کرنے والا ہے۔

Marfat.com

ہودؑ اور ان کے رفقاء کی نجات

منکرین کی اس بدانجامی کو دیکھیے اور ہودؑ اور کے مومنین کی نجات کا معجزہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ باری تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کے ساتھ ہودؑ اور ان کے رفقاء کی نجات کا بھی ذکر ہے:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۴۱)

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہودؑ کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۴۲)

اور دیکھو جب ہماری ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ھودؑ اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، ایسے عذاب سے بچایا جو بڑا ہی سخت عذاب تھا۔

قرآن نے قوم ہودؑ کی ہلاکت کو سامان عبرت کہا ہے اور آنے والی انسانی نسلوں کے لئے نصیحت۔ ایک ایسی قوم جس کے بارے میں قرآن کا تبصرہ یہ ہے کہ ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی (۴۳) ایک زور آور اور صاحب جلال و حشمت، لیکن ارادہ خداوندی کے سامنے خس و خاشاک ہوگئی۔ قرآن نے ان کی عبرت ناک ہلاکت پر سبق آموز تبصرہ کیا ہے:

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ٥ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ (۴۴)

اور یہ وہی عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش و متکبر کا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی لگی رہے گی۔ دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اور سن رکھو ہودؑ کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔

ہودؑ کی شخصیت، دعوت کی تاریخ میں دیگر انبیاء کی طرح بہت اہمیت کی مالک ہے۔ بالخصوص ان کا لطف و مہربانی، ان کا صبر اور ان کا استدلال جس کے ذریعے سے انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلایا۔ نوحؑ کی طرح انہیں بھی مخالفت، استہزاء اور تحقیر کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس ایذا رسانی کا جواب نرمی، نیکی اور لطف و کرم سے دیا۔ عاد کے انجام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اجتماعی بغاوت کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس لئے داعی کو یہ نکتہ سامنے رکھنا چاہیے اور مخاطبین کے رویوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ الاعراف/۶۵،۷۲، ھود/۵۰۔۶۰، الشعراء/۱۲۳،۱۴۰، فصلت/۱۵۔۱۶، الاحقاف/۲۱۔۲۶، الذریات/۴۱۔۴۲، القمر/۱۸۔۲۱، الحاقۃ/۴۔۸، عاد و ثمود دونوں کا ذکر ہے۔
۲۔ معجم البلدان،۶/۱۲۹
۳۔ النجم/۵۰
۴۔ الفجر/۶۔۷
۵۔ الاحقاف/۲۱۔ احقاف حقف کی جمع ہے جس کے معنی ریت کے لمبے لمبے ٹیلے ہیں لیکن اس سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان و یمن اور نجد و حضرموت کے درمیان ہے۔ یہ علاقہ صحرائے عرب (الربع الخالی) کا جنوب مغربی حصہ ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں۔
۶۔ تفہیم القرآن،۴/۶۱۵
۷۔ تدبر قرآن،۷/۳۷۰
۸۔ قصص القرآن،۱/۱۰۴
۹۔ الاعراف/۶۹
۱۰۔ البدایۃ والنھایۃ،۱/
۱۱۔ عمدۃ القاری، کتاب الانبیاء،۷/
۱۲۔ الاعراف/۶۵
۱۳۔ ھود/۵۰
۱۴۔ الاحقاف/۲۱
۱۵۔ الشعراء/۱۲۸۔۱۳۵
۱۶۔ ھود/۵۲
۱۷۔ الاعراف/۶۸
۱۸۔ الشعراء/۱۲۵۔۱۲۶
۱۹۔ الشعراء/۱۲۷
۲۰۔ ھود/۵۱
۲۱۔ ھود/۵۳
۲۲۔ الاعراف/۶۶
۲۳۔ الاعراف/۷۰
۲۴۔ المومنون/۳۳۔۳۸، طلب عذاب کی بات اور جگہوں پر بھی آئی ہے۔ مثلاً احقاف/۲۲ قالوا اجئتنا لنا فکنا عن الھتنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین۔
۲۵۔ حٰم۔السجدۃ/۱۵
۲۶۔ ھود/۵۴۔۵۶
۲۷۔ الاعراف/۶۷۔۶۸
۲۸۔ الاحقاف/۲۳۔۲۸
۲۹۔ الاعراف/۲۹
۳۰۔ الاعراف/۶۹
۳۱۔ ھود/۵۷
۳۲۔ المومنون/۳۹۔۴۰
۳۳۔ الاحقاف/۲۴،۲۵
۳۴۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ فلما راوہ عارضا،
۳۵۔ مسلم، کتاب الاستسقاء، باب التعوذ عند رویۃ الریح والغیم والفرح بالمطر،۳/۲۶
۳۶۔ مسلم، کتاب الاستسقاء، باب التعوذ عند رویۃ الریح والغیم والفرح بالمطر،۳/۲۶
۳۷۔ حٰم۔السجدۃ/۱۶
۳۸۔ القمر/۱۹۔۲۱
۳۹۔ الحاقۃ/۶۔۸
۴۰۔ المومنون/۴۱
۴۱۔ الاعراف/۷۲
۴۲۔ ھود/۵۸
۴۳۔ التی لم یخلق مثلھا فی البلاد۔ الفجر/۸
۴۴۔ ھود/۵۹۔۶۰

Marfat.com

حضرت صالح علیہ السلام

صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔قرآن پاک میں حضرت صالحؑ کا ذکر سورہ الاعراف،ھوداور الشعراء میں ہے۔صالحؑ،قوم ثمود کے ایک معزز فرد تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

قوم ثمود

قوم ثمود اپنے جداعلیٰ ثمود بن عامر کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئی۔ (۱) قوم ثمود سامی النسل لوگ تھے۔یہ لوگ قوم عاد کے مومنین کی اولاد میں سے تھے۔اس لئے عاد ثانیہ (۲) کہلائے۔یہ قوم بھی عرب بائدہ (ہلاک شدہ عربی نسل) میں سے ہے۔

ثمود کا مسکن

حجر میں حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان ہے یہ قوم ثمود کا مسکن تھا۔قرآن نے انہیں اصحاب الحجر کہا ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (۳)

اور حجر والوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے روگردان ہی رہے۔

یہ زمین بڑی سرسبز وشاداب اور باغات اور چشموں پر مشتمل تھی اور انہوں نے بہترین مکانات اور خوشنما محلات بنائے تھے۔صالحؑ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا (۴)

اور یاد کرو جب اس نے تم کو عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو۔

ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں۔قدیم وجدید محققین ومورخین نے اس کی نشاندہی

Marfat.com

کی ہے۔ چوتھی صدی ہجری کا مورخ مسعودی لکھتا ہے:

و اممهم باقية و آثارهم بادية في طريق من ورد من الشام (۵)

جوشخص شام سے حجاز کو آتا ہے اس کی راہ میں، ان کے مٹے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں۔

سید مودودیؒ کے بقول: اس قوم کا مسکن شمال مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی الحجر کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ زمانہ میں مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے اسٹیشن پڑتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں حجر کہلاتا تھا۔ اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں سے تراش تراش کر بنایا تھا اور اس شہر خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی وقت اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ نزول قرآن کے زمانے میں حجاز کے تجارتی قافلے ان آثار قدیمہ کے درمیان سے گذرا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک کے موقع پر جب ادھر سے گذرے تو آپ نے مسلمانوں کو یہ آثار عبرت دکھائے اور وہ سبق دیا جو آثار قدیمہ سے ہر صاحب بصیرت انسان کو حاصل کرنا چاہیے۔ ایک جگہ آپؐ نے ایک کنویں کی نشاندہی کر کے بتایا کہ یہی وہ کنواں ہے جس سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنویں سے پانی لینا، باقی کنوؤں کا پانی نہ پینا۔ ایک پہاڑی درے کو دکھا کر آپؐ نے بتایا کہ اسی درے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ مقام آج بھی فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے کھنڈروں میں جو مسلمان سیر کرتے پھر رہے تھے ان کو آپ نے جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اس قوم کا علاقہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ لہذا یہاں سے جلدی گزر جاؤ، یہ سیر گاہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے۔ (۶)

وہ مزید لکھتے ہیں:

ثمود کی ان عمارتوں میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں۔ ۱۹۵۹ کے دسمبر میں، میں نے خود دیکھا ہے۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان حجاز کے مشہور مقام العلاء، (جسے عہد نبوی میں وادی القریٰ کہا جاتا تھا) سے چند میل کے فاصلے پر بجانب شمال واقع ہے۔ آج بھی اس جگہ کو مقامی باشندے الحجر اور مدائن صالح کے ناموں ہی سے یاد کرتے ہیں۔ اس علاقے میں العلاء تو اب بھی ایک نہایت سرسبز و شاداب وادی ہے جس میں کثرت سے چشمے اور باغات ہیں مگر الحجر کے گردوپیش بڑی نحوست پائی جاتی ہے۔ آبادی برائے نام ہے، روئیدگی بہت کم ہے، چند کنویں ہیں۔ انہی میں سے ایک کنویں کے متعلق مقامی آبادی میں روایت چلی آ رہی ہے کہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی اس سے پانی پیتی تھی۔ اب وہ ترکی عہد کی ایک

Marfat.com

ویران چھوٹی سے فوجی چوکی کے اندر پایا جاتا ہے اور بالکل خشک پڑا ہے۔ اس علاقے میں جب ہم داخل ہوئے تو العلاء کے قریب پہنچتے ہی ہر طرف ہمیں ایسے پہاڑ نظر آئے جو بالکل کھیل کھیل ہو گئے ہیں۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ کسی سخت ہولناک زلزلے نے انہیں سطح زمین سے چوٹی تک جھنجوڑ کر قاش قاش کر رکھا ہے۔ اسی طرح کے پہاڑ ہمیں مشرق کی طرف العلاء سے خیبر جاتے ہوئے تقریباً پچاس میل تک اور شمال کی طرف ریاست اردن کی حدود میں ۳۰۔۴۰ میل اندر تک ملتے چلے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تین چار سو میل لمبا اور ۱۰۰ میل چوڑا ایک علاقہ تھا جسے ایک زلزلہ عظیم نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔

ثمود کی جو عمارتیں ہم نے الحجر میں دیکھی تھیں، اسی طرح کی چند عمارتیں ہم کو خلیج عقبہ کے کنارے مدین کے مقام پر، اور اردن کی ریاست میں پیٹرا (Petra) کے مقام پر بھی ملیں۔ خصوصیت کے ساتھ پیٹرا میں ثمود کی عمارات اور نبطیوں کی بنائی ہوئی عمارات پہلو بہ پہلو موجود ہیں اور ان کی تراش خراش اور طرز تعمیر میں اتنا نمایاں فرق ہے کہ ہر شخص ایک نظر دیکھ کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ دونوں نہ ایک زمانے کی ہیں اور نہ یہ ایک قوم کا طرز تعمیر ہے۔ انگریز مستشرق ڈاٹی (Daughty) قرآن کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے الحجر کی عمارت کے متعلق یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ ثمود کی نہیں بلکہ نبطیوں کی بنائی ہوئی عمارات ہیں۔ لیکن دونوں قوموں کی عمارات کا فرق اس قدر واضح ہے کہ ایک اندھا بھی انہیں ایک قوم کی عمارات نہیں کہہ سکتا ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ پہاڑ تراش کر ان کے اندر عمارتیں بنانے کا فن ثمود سے شروع ہوا۔ اس کے ہزاروں سال بعد نبطیوں نے دوسری اور پہلی صدی مسیح میں اسے عروج پر پہنچایا اور پھر ایلورا میں (جس کے غار پیٹرا سے تقریباً سات سو برس بعد کے ہیں) یہ فن اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ (۷)

ثمود کا مذہب

ثمود کا مذہب بت پرستی تھا۔ اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ شرکاء بنا رکھے تھے جن کی پوجا سے سارے معاملات طے کرتے تھے۔ ثمود کے کلچر کی بنیاد مشرکانہ تھی لہذا ان کی ساری سرگرمیوں میں اللہ رب العزت کی کوئی جگہ نہ تھی۔ انہوں نے حق سے دور ہونے کی وجہ سے فساد اور بغاوت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے بغاوت کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ ان کے کلچر کا اظہار ان کی شاندار عمارات اور سنگ تراشی کے کمال میں تھا۔ صالح نے اپنی دعوت میں ان کے مشرکانہ عقائد کے علاوہ ان مظاہر کا بھی ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے تھے۔ توحید کی طرف بلاتے ہوئے صالحؑ نے ان کی توجہ ان امور کی طرف بھی دلائی ہے جنہیں وہ اپنے مشرکانہ رویوں کی وجہ سے نظر انداز کرتے تھے۔

Marfat.com

صالحؑ کی دعوت

صالحؑ نے نوحؑ اور ھودؑ کی طرف اپنی دعوت کا آغاز عبادت رب کے ذکر سے کیا:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًام قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (۸)

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا. قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ. ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ. اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (۹)

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے قوم، اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا کو قبول کرنے والا بھی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ فَاِذَا ھُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ (۱۰)

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔

دعوت کے دلائل

دعوت کے دلائل میں انبیاء سابقہ کی طرح حضرت صالحؑ نے سب سے پہلے تو اپنی بے غرضی و بے لوثی کی بات کی اس کے بعد نصیحت پر زور دیا کہ نبی کا کام ہمدردی و خیر خواہی ہوتا ہے۔ وہ کسی گروہ کے مد مقابل نہیں ہوتا اور نہ اس کے مادی مفادات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی سوچ منفی ہو جائے۔ ازاں بعد وہ دلائل ہیں جن سے ان کے رویوں کی تردید ہوتی ہے۔

بے لوثی

صالحؑ نے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ کارِ دعوت کے لئے کسی قسم کا معاوضہ نہیں چاہتے یہ دعوت تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور قوم کی خیر خواہی کے لئے ہے۔ قرآن نے ان کا بیان نقل کرتے ہوئے کہا:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۱)

میں تمہارے لئے رسول امین ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں چاہتا بدلہ تو جہانوں کے رب پر ہے۔

Marfat.com

نصیحت

نصیحت کا بنیادی مقصد خیر خواہی کا اظہار ہے گویا ان سے جو بات کہی جا رہی ہے اسے قبول کرنے میں انہیں کا بھلا ہے۔ داعی کا ذاتی فائدہ نہیں۔ نصیحت دراصل بے لوثی کے جذبہ کی تائید ہے۔ اگرچہ مخاطبین پر کوئی اثر نہیں ہوتا تاہم نبی کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ وہ خیر خواہی کا اظہار کرتا رہے۔ صالحؑ کی قوم نے اعراض کا جو رویہ اپنایا تھا اور جس برے انجام کو پہنچے تھے اس پر صالحؑ کا تبصرہ ان الفاظ میں منقول ہے:

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (۱۲)

پھر صالحؑ ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہا: اے میری قوم میں نے اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی مگر افسوس تم پر! تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اللہ کے انعامات کی طرف توجہ دلانا

قوم ثمود کی گمراہی کا بڑا سبب ان کی خوشحالی تھا، لہٰذا صالحؑ انہیں اللہ کی نعمتوں کا احساس دلاتے ہیں اور بغاوت سے روکتے ہیں:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۱۳)

یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین پر فساد برپا نہ کرو۔

انجینئرنگ کے جو مظاہر ان کی سنگ تراشی سے واضح تھے اور جو شاندار عمارتیں وہ تعمیر کرتے تھے وہ ان کی مادیت پرستی اور خدا بیزاری کی دلیل تھے۔ صالحؑ ان کی حیرت انگیز ترقی پر انہیں خدا کی طرف رجوع اور اس کی نعمتوں کے شکر کی دعوت دیتے تھے۔ سید مودودی نے الاء اللہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: اصل میں لفظ الاء استعمال ہوا جس کے معنی نعمتوں کے بھی ہیں اور کرشمہائے قدرت کے بھی اور صفات حمیدہ کے بھی۔ آیت کا پورا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو بھی یاد رکھو اور یہ بھی فراموش نہ کرو کہ وہ تم سے یہ نعمتیں چھین لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ (۱۴)

ان کی اس صنعت اور ترقی کا ذکر اور جگہ بھی آیا ہے مثلاً:

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ (۱۵)

Marfat.com

وہ پہاڑ تراش کر گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں۔

صالحؑ انہیں بار بار تنبیہ کرتے تھے کہ مادی خوشحالی اور صنعتی ترقی تمہیں خدا کی گرفت سے محفوظ نہیں رکھ سکتی:

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ o فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ o وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ o فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ o وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ o الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (۱۶)

کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان، جو یہاں ہیں، بس یونہی اطمینان سے رہنے دیئے جاؤ گے؟ ان باغوں اور چشموں میں؟ ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں؟ تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

اس آیت میں دعوت کے نقطہ نظر سے جہاں ان کے مادہ پرستانہ رویہ پر تنبیہ موجود ہے وہاں ان کے تمدنی مظاہر کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ سید مودودیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> جس طرح عاد کے تمدن کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ وہ اونچے اونچے ستونوں والی عمارتیں بناتے تھے، اسی طرح ثمود کے تمدن کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت، جس کی بناء پر وہ قدیم زمانے کی قوموں میں مشہور تھے، یہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورہ فجر میں جس طرح عاد کو ذات العماد (۱۷) (ستونوں والے) کا لقب دیا گیا ہے اسی طرح ثمود کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے کہ الذین جابوا الصخر بالواد (۱۸) (وہ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی ہیں) اس کے علاوہ قرآن مجید میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاں میدانی علاقوں میں بھی بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے تھے، تتخذون من سھولھا قصورا (۱۹) (تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو) اور ان تعمیرات کے غرض وغایت کیا تھی؟ قرآن اس پر لفظ فرھین سے روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی سب کچھ اپنی بڑائی، اپنی دولت وقوت اور اپنے کمالات فن کی نمائش کے لئے تھا۔ کوئی حقیقی ضرورت ان کے لئے داعی نہ تھی۔ ایک بگڑے ہوئے تمدن کی شان یہی ہوتی ہے۔ ایک طرف معاشرے کے غریب لوگ سر چھپانے تک کو ڈھنگ کی جگہ نہیں پاتے، دوسری طرف امراء اور اہلِ ثروت رہنے کے لئے جب ضرورت سے زیادہ محل بنا چکتے ہیں تو بلا ضرورت نمائشی یادگاریں تعمیر کرنے لگتے ہیں۔ (۲۰)

ردِ عمل

داعی کا کام پکارنا ہے۔ وہ اپنی مؤثر آواز سے بدلائل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور معاشرے کے اندر

Marfat.com

پھیلے ہوئے شر وفساد پر تنقید کرتا ہے۔ سعید روحیں اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں اور شریر لوگ دعوت کو نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ اس کی مخالفت میں فعال اور سرگرم ہو جاتے ہیں۔ چونکہ انبیاء کی دعوت کا بنیادی مقصد انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی طرف لانا ہے اس لئے اس پیغام حریت پر لبیک کہنے والوں میں اولیت کا شرف مظلوم اور پسے ہوئے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن نے اس کے لئے مستضعفی (۲۱) کی اصلاح استعمال کی ہے۔ جو لوگ دعوت سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی راہ روکنے پر کمر بستہ ہوتے ہیں انہیں قرآن مستکبرین (۲۲) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ دعوت الی اللہ حریت اور عزت کا پیغام ہے اس لئے کمزور طبقات اس میں آزادی و وقار محسوس کرتے ہیں کہ اسے قبول کریں لیکن مستکبرین اسے اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ صالحؑ کی دعوت کا ردِعمل بھی قبولیت و انکار کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مخالفت اتنی شدید اور اتنی منظم تھی کہ قرآن نے مومنین کی اقلیت کا اشارۃً ذکر کیا ہے اور مخالفانہ روش کا مفصل۔ قوم صالح کے مخالفانہ ردعمل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ (۲۳)

انہوں نے کہا اے صالح، اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کیا تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے۔

قوم صالح جس خلجان میں مبتلا تھی وہ یہ تھا کہ دعوت حق کی صداقت، اس کے واضح دلائل اور داعی کی پاکیزہ شخصیت انہیں قبولیت حق پر مائل کرتی تھی جبکہ آباواجداد کی مشرکانہ روایت ان سے وفاداری کا مطالبہ کرتی تھی۔ ان کی پریشانی یہ تھی کہ کسے چھوڑیں اور کسے قبول کریں! اس پریشانی میں مزید اضافہ صالحؑ کے مخلصانہ رویہ اور مستحکم استدلال سے ہوتا تھا۔ قرآن نے صالحؑ کا جواب نقل کیا ہے وہ اس کا ثبوت ہے۔ صالحؑ نے کہا:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ (۲۴)

صالح نے کہا: اے برادران قوم تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ میرے پاس اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت ہو، پھر اس نے اپنی رحمت سے بھی مجھ کو نواز دیا اور پھر میں اس کی نافرمانی کروں تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا۔ تم میرے پاس کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو۔

Marfat.com

انکار

قوم صالح دعوت کی صداقت اور دلائل کی قوت سے عاجز آ کر بالآخر کھلے انکار کی روش پر چل نکلی۔ قرآن نے بیان کیا:

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ. قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ. (۴۵)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے، کہا "کیا تم واقعی جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے"؟ انہوں نے جواب دیا "بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں"۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔

معجزے کا مطالبہ

قوم نے انکار اور مخالفت پر ہی اکتفا نہ کیا صالح علیہ السلام کو نیچا دکھانے کے لئے معجزے کا مطالبہ بھی کیا۔ متکبرین کے غرور نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ نبوت کو چیلنج کرنے لگے۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۴۶)

انہوں نے کہا: تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ تو ہم جیسے ایک انسان کے سوا اور کیا ہے؟ لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے؟

معجزے کا مطالبہ دراصل تکذیب کا آخری مرحلہ ہے۔ اس سے پہلے وہ نبی کو عام انسان، جھوٹا، پاگل اور نہ جانے کیا کیا الزام دیتے نظر آتے ہیں۔ قرآن نے اس تکذیب کا ذکر جا بجا کیا ہے مثلاً:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝ ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ (۴۷)

ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا اور کہنے لگے " ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے کیا اب ہم اس کے پیچھے چلیں؟ اس کا اتباع ہم قبول کر لیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بہک گئے ہیں اور ہماری عقل ماری گئی ہے کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟ نہیں بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور برخود غلط شخص ہے۔

Marfat.com

ان کے خیال میں تکذیب کی تین وجوہ تھیں ایک یہ کہ وہ بشر ہیں دوسرے یہ کہ وہ ہماری قوم کا عام فرد ہے، سردار نہیں ہے اور اسے کوئی فضیلت نہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ اکیلا ہے اس کے ساتھ کوئی جتھ نہیں۔ ایسا عام انسان نبی نہیں ہو سکتا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ (۲۸) ثمود نے اپنی شرارت کی وجہ سے تکذیب کی۔

اس انتہا پسندانہ رویے پر بھی صالحؑ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور احساس دلایا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے رویہ پر استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع سے ہی معاملات درست ہوتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ. لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ. قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (۲۹)

صالحؑ نے کہا، اے میری قوم کے لوگو بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے؟ شاید کہ تم پر رحم فرمایا جائے؟ انہوں نے کہا، " ہم نے تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونی کا نشان پایا ہے۔ صالحؑ نے جواب دیا تمہارے نیک و بدشگون کا سر رشتہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔

صالحؑ کے سمجھانے کے باوجود جب وہ معجزہ کے ظہور پر مصر رہے، تو اللہ نے ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بطور معجزہ ظاہر کی۔ ایک دن وہ پانی پیتی اور دوسرے دن قوم صالح کے لئے پانی کی باری ہوتی۔ قرآن نے ان کے مطالبہ کے جواب میں معجزے کے ظہور کو مختلف جگہوں پر بیان کیا ہے:

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (۳۰)

ہم اونٹنی کو ان کے لئے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں۔ اب ذرا صبر کے ساتھ دیکھ کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ان کو جتا دے کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پر آئے گا۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ. هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۳۱)

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی کے طور پر ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے۔ اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ (۳۲)

Marfat.com

اے میری قوم کے لوگو، دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے۔ اسے خدا کی زمین میں چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دو۔ اس سے ذرا تعرض نہ کرنا ورنہ کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ تم پر خدا کا عذاب آ جائے گا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۳۳)

صالحؑ نے کہا: یہ اونٹنی ایک دن اس کے پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اس کو ہرگز نہ چھیڑنا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آ لے گا۔

قرآن کریم نے اونٹنی کے ظہور کی تفصیلات نہیں بتائیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اونٹنی کا ظہور ان کے اس مطالبے پر ہوا تھا کہ انہیں معجزہ دکھایا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹنی کا ظہور یقینا معجزاتی تھا۔ سورہ بنی اسرائیل میں اس کے معجزاتی ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ. وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا. وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (۳۴)

ہم کو نشانیاں بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں اور ہم ثمود کے سامنے آنکھوں دیکھتے اونٹنی لے آئے پھر بھی انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ نشانیاں تو ہم خوف دلانے کے لئے بھیجتے ہیں (تماشا دکھانے کے لئے نہیں)۔

کافرانہ طرز عمل

معجزہ آخری دلیل ہوتا ہے اس کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ ایمان واطاعت یا تباہی۔ ثمود نے معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان لانے کے بجائے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ اور اپنے طور پر چالاکی کی، اونٹنی کو مارنے کا منصوبہ بنایا اور صالحؑ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی۔ صالحؑ کے قتل کی سازش کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ○ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَاشَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۳۵)

اور اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا، خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے، ہم بالکل سچ

Marfat.com

کہتے ہیں۔ یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی ان کو خبر نہ تھی۔

اس سازش میں تو کامیاب نہ ہوئے البتہ اونٹنی کو مارنے میں کامیاب ہو گئے۔ قرآن پاک نے مختلف مقامات پر ان کے اس ناعاقبت اندیشانہ اقدام کا ذکر کیا ہے۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (۳۶)

انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر صالحؑ نے ان کو خبردار کر دیا کہ "اب تین دن اپنے گھروں میں اور رہ بس لو۔ یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی نہ ہو گی۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ (۳۷)

مگر انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (۳۸)

آخر کار ان لوگوں نے اپنے آدمی کو پکارا اور اس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔

اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا (۳۹)

جب اس قوم کا سب سے شقی آدمی بپھر اٹھا تو اللہ کے رسول نے ان لوگوں سے کہا کہ خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے کی باری سے مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹ قرار دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (۴۰)

پھر انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر گزرے۔

قومِ ثمود کا انجام

اونٹنی کو مارنے کے بعد وہ صالحؑ سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگے جس پر انہوں نے کہا:

تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (۴۱)

بس، اب تین دن اپنے گھروں میں رہ بس لو، یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہو گی۔

اس نوٹس کی مدت ختم ہونے پر رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب ایک زبردست دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ایسا زلزلہ آیا جس نے آن کی آن میں پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو ہر طرف اسی طرح کچلی ہوئی لاشیں پڑی تھیں جیسے باڑے کی بار میں لگی ہوئی سوکھی جھاڑیاں جانوروں کی آمد و رفت سے پامال ہو کر رہ گئی ہوں۔ نہ ان کے سنگین قصر انہیں اس آفت سے بچا سکے نہ پہاڑوں میں کھودے ہوئے غار (۴۲)

قرآن کریم نے جن مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (۴۳)

آخر کار ان کے گناہ کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوند

Marfat.com

خاک کر دیا اور اسے (اپنے اس فعل کے) کسی برے نتیجے کا خوف نہیں ہے۔

وَقَالُوا يَصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ (۴۴)

اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔ آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ. إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ○ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ ○ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا. أَلَا إِنَّ ثَمُودَا۟ كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ (۴۵)

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا۔ بے شک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور بالادست ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے ان کو دھر لیا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا سنو! دور پھینک دیئے گئے ثمود۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ○ فَمَا أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۴۶)

آخر کار ایک دھماکے نے صبح ہوتے ہی ان کو آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ. إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً. وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ (۴۷)

عذاب نے انہیں آلیا یقیناً اس میں نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

سورۂ نمل میں صالحؑ کے قتل کی سازش پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ○ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا. إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ○ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (۴۸)

یہ چال تو وہ چلے، پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انہیں خبر نہیں تھی۔ اب دیکھ لو ان کی چال کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو۔ ان کے گھر خالی پڑے ہیں اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے۔ اس میں ایک نشانِ عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور بچالیا ہم نے

Marfat.com

ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (49)

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ (50)

اور (تمہارے لئے نشانی ہے) ثمود میں جب ان سے کہا گیا تھا کہ ایک خاص وقت تک مزے کرلو مگر اس تنبیہ پر بھی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ آخر کار ان کے دیکھتے دیکھتے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب نے ان کو آلیا۔ پھر نہ ان میں اٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (51)

پھر دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات۔ ہم نے ان پر بس ایک ہی دھماکہ چھوڑا اور وہ باڑے والے کی اوندھی ہوئی باڑھ کی طرح بھس ہو کر رہ گئے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ (52)

ثمود اور عاد نے اس اچانک ٹوٹ پڑنے والی آفت کو جھٹلایا تو ثمود ایک سخت حادثہ سے ہلاک ہو گئے۔

ثمود پر جو عذاب آیا اس کے لئے طاغیہ (حد سے زیادہ سخت حادثہ) الرجعہ (53) (زبردست زلزلہ) الصیحہ (54) (زور کا دھماکہ) صاعقۃ العذاب (55) (عذاب کا کڑکا) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ اس عذاب کی مختلف کیفیات کا بیان ہے۔ ثمود ایک زبردست دھماکے اور زلزلے سے تباہ کر دیئے گئے۔ یہ انجام ہے دعوت کے انکار اور رب تعالیٰ سے بغاوت کا۔

ثمود کے حوالے سے جو بات خصوصیت سے بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مادی خوشحالی اور خوش بختی نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا اور یوں وہ دعوت الی اللہ کو نظر انداز کر بیٹھے۔ ان پر ان تنبیہات کا بھی اثر نہ ہوا جو صالحؑ نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائیں اور بالآخر اس معجزہ کو بھی نظر انداز کر دیا جو خود طلب کیا تھا۔ حق یہ ہے کہ جب کوئی قوم دنیوی کامرانیوں اور خوشیوں کے ساتھ ظلم، سرکشی، غرور اور معصیت کو اپنا شعار بنا لے تو پھر رب تعالیٰ کی گرفت میں آ جاتی ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (56)

بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ ابن کثیر نے علماء نسب کے حوالے سے شجرہ نسب نقل کیا ہے،۱/، علامہ آلوسی نے بھی شجرہ نسب کی تفصیلات دی ہیں۔ روح المعانی،۹/۱۴۲۔
۲۔ قرآن نے قوم ھود کو عاداولی کہا ہے،النجم/۵۰
۳۔ الحجر/۸۰۔۸۱
۴۔ الاعراف/۷۴
۵۔ مسعودی،۳/۱۳۹۔مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے ارض القرآن،۱/
۶۔ تفہیم القرآن،۲/۴۸
۷۔ تفہیم القرآن،۳/۵۲۳
۸۔ الاعراف/۷۳
۹۔ ھود/۶۱
۱۰۔ النمل/۴۵
۱۱۔ الشعراء/۱۴۳
۱۲۔ الاعراف/۷۹
۱۳۔ الاعراف/۷۴
۱۴۔ تفہیم القرآن،۲/۴۵
۱۵۔ الحجر/۸۲
۱۶۔ الشعراء/۱۴۶۔۱۵۲
۱۷۔ الفجر/۷
۱۸۔ الفجر/۹
۱۹۔ الاعراف/۷۴
۲۰۔ تفہیم القرآن،۳/۵۲۲
۲۱۔ الاعراف/۷۵
۲۲۔ الاعراف/۷۵
۲۳۔ ھود/۶۲
۲۴۔ ھود/۶۳
۲۵۔ الاعراف/۷۵۔۷۶
۲۶۔ الشعراء/۱۵۳۔۱۵۴
۲۷۔ القمر/۲۳۔۲۵
۲۸۔ الشمس/۱۱
۲۹۔ النمل/۴۶۔۴۷
۳۰۔ القمر/۲۷۔۲۸
۳۱۔ الاعراف/۷۳
۳۲۔ ھود/۶۴
۳۳۔ الشعراء/۱۵۵۔۱۵۶
۳۴۔ بنی اسرائیل/۵۹
۳۵۔ النمل/۴۸۔۵۰
۳۶۔ ھود/۶۵
۳۷۔ الشعراء/۱۵۷
۳۸۔ القمر/۲۹
۳۹۔ الشمس/۱۲۔۱۴
۴۰۔ الاعراف/۷۷
۴۱۔ ھود/۶۵
۴۲۔ تفہیم القرآن،۲/۵۲۷
۴۳۔ الشمس/۱۴۔۱۵
۴۴۔ الاعراف/۷۷۔۷۸
۴۵۔ ھود/۶۶۔۶۸
۴۶۔ الحجر/۸۳۔۸۴
۴۷۔ الشعراء/۱۵۸
۴۸۔ النمل/۵۰۔۵۳
۴۹۔ فصلت/۱۷۔۱۸
۵۰۔ الذریات/۴۳۔۴۵
۵۱۔ القمر/۳۰۔۳۱
۵۲۔ الحاقۃ/۴۔۵
۵۳۔ الاعراف/۷۸
۵۴۔ ھود/۶۷
۵۵۔ فصلت/۱۷
۵۶۔ البروج/۱۲

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام
عالمی دعوت کا علم بردار

دعوت الیٰ اللہ کے سلسلے میں نوح علیہ السلام کے بعد جس شخصیت کو نمایاں مقام حاصل ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید کی ۲۵ سورتوں میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں آیا ہے۔ ان کی شخصیت کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انہیں ایک مثال اور ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱)

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔

ابراہیمؑ کی شخصیت اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ان کی دعوت میں وہ تمام عناصر آ گئے ہیں جو آنے والے کے لئے رہنمائی کا کام دیں گے۔ نوحؑ کے زمانے میں ایک قوم اور اس کے مختلف عناصر کو خطاب کرنا تھا جبکہ ابراہیمؑ کے عہد میں ایک مستحکم مملکت وجود میں آ گئی تھی۔ ریاست کا نظام، معاشرے کے مختلف طبقات اور اقتدار کی قوت ایک واضح نقشہ پیش کرتے ہیں۔ تہذیبی ارتقاء اور تمدنی وسعت کے نتیجہ میں جو معاشرتی رویے پیدا ہونے تھے ان کی جھلک ہمیں اس معاشرے میں ملتی ہے جس میں ابراہیمؑ نے آنکھ کھولی تھی۔

معاشرتی پس منظر

جدید اثری تحقیقات سے جو معلومات مہیا ہوئی ہیں ان کے مطابق ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ ابراہیم کا عہد ہے۔ بابل کا شہر ار ایک بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ آثار قدیمہ کے کھنڈرات سے اس عہد کی جو تحریریں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کی سلطنت موجودہ عراق کی حدود کے قریب تھی۔ یہاں کے لوگ مادہ پرستانہ ذہن کے کاروباری لوگ تھے۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی:

۱۔ عمیلو۔ یہ اونچے طبقہ کے لوگ تھے جن میں پجاری، حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔

Marfat.com

۲۔ مشکینو۔ یہ تجار، اہلِ صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

۳۔ اودو۔ یعنی غلام۔

ان میں سے پہلا طبقہ یعنی عمیلو کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے اور ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔ (۲) ار کے کتبات میں تقریباً ۵ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا۔ جو رب البلد، مہادیو یا رئیس الالٰہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ ار کا رب البلد ننار (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام ''قمرینہ'' بھی لکھا ہے۔ دوسرا بڑا شہر لرسہ تھا جو بعد میں ار کے بجائے مرکز سلطنت ہوا۔ اس کا رب البلد شماش (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے اور کچھ زمین سے منتخب کیے گئے تھے اور لوگ اپنی فروعی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنا لی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت ان ہی کے آگے بجالاتے تھے۔ (۳)

''ننار'' کا بت ار میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالیشان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب ننار کی بیوی ''نن گل'' کا معبد تھا۔ ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پجارن جا کر اس کی دلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (Religious Prostitutes) کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو ''راہ خدا'' میں کسی اجنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لئے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پجاری ہوتے تھے۔

''ننار'' محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات، زمینیں اس مندر کے لئے وقف تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان، زمیندار، تجار سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لئے مندر میں بڑی تعداد میں عملہ موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پجاری ہی انجام دیتے تھے پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ ''ننار'' تھا اور فرمانروائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کی مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ (۴) ار کا شاہی خاندان جو ابراہیمؑ کے زمانہ میں حکمران تھا اس کے بانی

Marfat.com

ول کا نام ارنموتھا جس نے ۲۳۰۰ قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے حدود مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلی ہوئی تھی اس سے اس خاندان کو نمو کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔ (۵)

بابلی معاشرہ ایک مشرک معاشرہ تھا اور مشرکانہ رسوم و عقائد ان کی اجتماعی زندگی میں مکمل سرایت کیے ہوئے تھیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر شرک کو ایک محدود مذہبی عقیدہ کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن مشرکانہ تہذیبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک محض بت پرستانہ عبادات ہی کا مجموعہ نہ تھا بلکہ قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے نظام کی اساس تھا۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام مشرک معاشروں کی یہ مشترک خصوصیت رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب اور خدائے خدائیگاں کی حیثیت سے تو مانتے ہیں، مگر صرف اسی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور معبود نہیں مانتے۔ خدائی کو مشرکین نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک فوق الفطری (Supernatural) خدائی سلسلہ جو اسباب پر حکمران ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجات اور مشکلات میں دستگیری کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اس خدائی میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارواح اور فرشتوں اور جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، ان سے دعائیں مانگتے ہیں، ان کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی (یعنی حاکمیت) جو قوانین حیات مقرر کرنے کی مجاز اور اطاعت امر کی مستحق ہو، اور جسے دنیوی معاملات میں فرمانروائی کے مطلق اختیارات حاصل ہوں۔ اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکین نے قریب قریب ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے سلب کر کے یا اس کے اشتراک کے ساتھ بادشاہ کو دے دیئے، شاہی خاندان اسی دوسرے معنی میں خدائی کے مدعی ہوئے ہیں اور اسے مستحکم کرنے کے لئے انہوں نے بالعموم پہلے معنی والے خداؤں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقے اس معاملے میں ان کے ساتھ شریک سازش رہے ہیں۔

نمرود کا دعویٰ خدائی بھی اسی دوسری قسم کا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر نہ تھا اس کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ اسباب عالم کے پورے سلسلے پر اسی کی حکومت چل رہی ہے بلکہ اسے دعویٰ اس امر کا تھا کہ اس ملک عراق کا اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق میں ہوں میری زبان قانون ہے، میرے اوپر کوئی بالاتر اقتدار نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں اور عراق کا ہر وہ باشندہ باغی و غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے اپنا رب نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کو رب تسلیم کرے۔ (۶)

خاندانی پس منظر

یہ تھا معاشرتی پس منظر جس میں مشیت الٰہی نے دعوت الی اللہ کا انتظام کیا۔ اس معاشرتی سیٹ اپ میں اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کے ہاں ابراہیمؑ نے جنم لیا۔ قرآن مجید نے ان کے والد کا نام آزر بتایا ہے جبکہ عہد نامہ عتیق میں ان کا نام تارخ (Tarah) بتایا گیا ہے۔ کتاب پیدائش کے مطابق ابراہیمؑ کی نویں پشت میں سام

Marfat.com

بن نوحؑ کا نام آتا ہے۔(۷) مسلمان مورخین اور مفسرین نے اسرائیلی روایات ہی کی بنیاد پر ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ لکھا ہے۔(۸) جبکہ قرآن آزر بتاتا ہے۔نام کے بارے میں علماء ومفسرین نے دوراہیں اختیار کی ہیں:

ا۔ ایسی تطبیق پیدا کی جائے کہ دونوں میں اختلاف نہ رہے۔

۲۔ تحقیق کر کے دونوں میں سے ایک کو صحیح قرار دیا جائے۔

جن علماء نے تطبیق کی کوشش کی ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں ایک ذاتی اور دوسرا وصفی۔عبرانی زبان میں آزر کے معنی محب صنم کے ہیں اور تارخ چونکہ بت تراش اور بت پرست تھا اور اپنے عقیدہ میں پختہ تھا اس لئے اسے آزر کہا گیا۔ابن کثیرؒ نے مجاہد اور سدی سے نقل کیا ہے کہ آزر بت کا نام تھا۔ابن کثیر کہتے ہیں:

کانه غلب علیه آزر لخدمته ذلک الصنم (۹)

گویا اس بت کی خدمت کے باعث وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

ابن کثیرؒ نے ابن جریرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ دونوں میں سے ایک لقب ہو اور اس رائے کو انہوں نے جید اور قوی کہا ہے۔(۱۰) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزر کے معنی اعوج (کم فہم) بے وقوف اور پیر فرتوت کے ہیں۔(۱۱) ابن کثیرؒ نے ابن جریرؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

هو سب و عیب بکلامهم و معناه معوج وهی اشد کلمه قالها ابراهیم علیه السلام (۱۲)

ان کی زبان میں یہ ایک نامناسب اور عیب والی بات ہے اور اس کے معنی کج فہم کے ہیں یہ ایک سخت بات تھی جو ابراہیمؑ نے کہی۔

چونکہ تارخ میں یہ صفات موجود تھیں اس لئے اسے ان صفات سے متصف کرتے ہوئے یہ لفظ استعمال کیا گیا۔قرآن نے اس صفاتی نام کو استعمال کیا۔مشہور سیرت نگار سہیلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱۳)

جو علماء تحقیق کے بعد ایک کو صحیح قرار دینے کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ آزر بت کا نام ہے جیسا کہ مجاہد کی روایت سے ظاہر ہے۔لہذا قرآنی آیت کا مفہوم یہ ہوگا اتتخذ آزر الها ای اصناما الهه (کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے۔) اس رائے کے مطابق آزر ابیه کا بدل نہیں بلکہ بت کا نام ہے اور یوں قرآن نے ابراہیمؑ کے والد کا نام نہیں لیا۔

ایک بات اور بھی کہی گئی ہے کہ ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا اور چچا کا نام آزر اور چونکہ آزر نے ہی ان کی تربیت و پرورش کی تھی لہذا قرآن نے آزر کو باپ کہہ کر پکارا۔آنحضورؐ کا بھی ارشاد ہے عم الرجل صنو ابیه (۱۴) چچا باپ ہی کی طرح ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

Marfat.com

"ہمارے نزدیک یہ تمام تکلفات بارده ہیں، اس لئے کہ قرآن عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو اب ابراہیمؑ (ابراہیم کا باپ) کہا ہے تو پھر محض علماء انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدمات ماننے پر کون سی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔ بر سبیل تسلیم اگر آزر عاشق صنم کو کہتے ہیں یا بت کا نام ہے تب بھی بغیر تقدیر کلام اور بغیر کسی تاویل کے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان ہر دو وجہ سے آزر کا نام آزر رکھا گیا جیسا کہ اصنام پرست اقوام کا قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ کبھی اپنی اولاد کا نام بتوں کا غلام ظاہر کر کے رکھتے تھے اور کبھی خود بت ہی کے نام پر نام رکھ دیا کرتے تھے۔"(۱۵) یہ بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے اور ہمیں قرآن ہی کو حرف آخر تسلیم کرنا چاہیئے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے قرآن کی حتمی حیثیت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے۔ تورات کے عربی اور انگریزی ترجموں اور تلمود سب میں اس کا تلفظ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ قرآن نے یہاں جس تصریح کے ساتھ اس نام کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں یہود کے ہاں روایات کا جو اختلاف ہے وہ اسی کو رفع کرنا چاہتا ہے اور قرآن چونکہ قدیم صحیفوں کے لئے کسوٹی (مھیمن) کی حیثیت رکھتا ہے اور براہ راست وحی پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے ماننا چاہیئے کہ یہی نام صحیح ہے(۱۶) قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں آزر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً. اِنِّيْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۷)

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

نام اور لقب کے حوالے سے قدیم مفسرین کی یہ بات دل کو لگتی ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ دونوں میں سے ایک لقب ہو، اس طرح تاریخ اور قرآن کا تضاد رفع ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی تکلف بھی نہیں پایا جاتا۔ مولانا سیوہاروی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ "آدار" کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں، یہی عربی میں آزر کہلایا۔ تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا۔ اس لئے "آزر" ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ حالانکہ یہ نام نہیں تھا بلکہ لقب تھا اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔(۱۸)

Marfat.com

دعوت کا شعور

حضرت ابراہیمؑ کا باپ بت پرست ہی نہ تھا، بت پرستی کا منتظم بھی تھا۔ ابراہیمؑ نے آنکھ کھولی تو گردوپیش میں شرک کے سوا کچھ نہ تھا۔ گھر، معاشرہ اور ماحول مشرکانہ کلچر کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ قرآن اگرچہ خاموش ہے اور تاریخ سے بھی کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن گمان یہی ہے کہ آزر نے اپنے بیٹے کو مشرکانہ کلچر کے آداب سکھانے کی کوشش کی ہوگی۔ قرآن چونکہ غیر متعلقہ تاریخی تفصیلات نہیں مہیا کرتا اس لئے ہمیں ابراہیمؑ کے بچپن اور جوانی کے ابتدائی حالات کے بارے میں مصدقہ معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں۔ عام قاعدہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ گھر، معاشرہ اور ماحول فکر وعمل کا جو سانچہ مہیا کرتا ہے انسان اسی میں ڈھل جاتا ہے۔ انسانی معاشروں میں روایت کا تسلسل اور آداب ورسوم کا استحکام اس قاعدہ کی تصدیق کرتا ہے۔ پیدائش سے سن شعور تک پہنچتے پہنچتے ماحول کا رنگ غالب آتا ہے اور انسانی شخصیت ایک سانچے میں ڈھل چکی ہوتی ہے۔ ختمی مرتبؐ سے منقول ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسے اس کے والدین خاص مذہبی رنگ عطا کرتے ہیں:

مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (۱۹)

ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔

لیکن مشیت الٰہی کو جن سے کام لینا ہوتا ہے انہیں معاشرے کی بری عادات اور ماحول کے رنگ سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ایسی شخصیتیں ماحول میں سانس لیتے ہوئے اور معاشرے میں رہتے ہوئے بھی الگ حیثیت قائم رکھتی ہیں۔ یہی وہ تاریخ ساز شخصیتیں ہوتی ہیں جو ماحول کو بدلتی ہیں، معاشرے کی اصلاح کرتی ہیں اور نیا ماحول اور نئے معیارات قائم کرتی ہیں۔ ابراہیمؑ بھی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ قدرت نے انہیں جو صلاحیتیں ودیعت کی تھیں ان کی وجہ سے اور پھر ربانی ہدایت کی بناء پر انہوں نے ماحول کے ساتھ سازگاری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو شعور عطا کیا تھا اس نے رہبری کا کام کیا۔ قرآن مجید نے اس شعور کا خصوصی ذکر کیا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (۲۰)

اس سے پہلے بھی ہم نے ابراہیمؑ کو ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔

آیت میں "رشد" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں صحیح وغلط میں تمیز کر کے صحیح بات یا طریقے کو اختیار کرنا اور غلط بات یا طریقے سے احتراز کرنا۔ گویا رشد اسی وہبی صلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان صحیح وغلط میں تمیز کر سکتا ہے۔ یہی وہ عنایت خاصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کو حاصل ہوتی ہے۔ پیغمبرانہ بصیرت وہ عطیہ الٰہی ہے جس کی وجہ سے انبیاء اپنے ماحول کی نجاستوں سے محفوظ رہتے ہیں اور فطرت سلیمہ کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ اس پیغمبرانہ بصیرت کے ساتھ وحی الٰہی کی رہنمائی اور خصوصی مشاہدات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ابراہیمؑ کے سلسلے میں ان خصوصی مشاہدات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى. قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ. قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ. قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا. وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۲۱)

اور وہ واقعہ بھی پیش نظر رہے جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ میرے مالک! مجھے دکھا دے، تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کیا، ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا: اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کر لے۔ پھر ان کا ایک ایک جز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو پکار وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے کہ اللہ نہایت بااقتدار اور حکیم ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (۲۲)

ابراہیمؑ کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

سید مودودیؒ نے مشاہدے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا:

عام اہل ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے، اس کے لئے تو محض ایمان بالغیب (بے دیکھے ماننا) کافی ہے لیکن انبیاء کو جو خدمت اللہ نے سپرد کی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینی تھی۔ ان کو دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات دوڑاتے ہو مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے۔ تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اس لئے انبیاء کے سامنے فرشتے عیاناً آئے ہیں، ان کو آسمان و زمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے، ان کو جنت اور دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی ہے اور بعثت بعد الموت کا ان کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایمان بالغیب کی منزل سے یہ حضرات منصب نبوت پر مامور ہونے سے پہلے گزر چکے ہوتے ہیں۔ نبی ہونے کے بعد ان کو ایمان بالشہادۃ کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (۲۳)

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو نبوت سے سرفراز کر کے کار دعوت کے لئے منتخب فرمایا۔ دعوتی نقطہ نظر سے ہر نبی کا کام مشکل ہوتا ہے لیکن ابراہیمؑ کا کام خصوصی طور پر زیادہ مشکل تھا۔ ان کے والد کی سرکاری حیثیت تھی اور مشرکانہ کلچر کے فروغ اور اس کی مذہبی رسوم کے استحکام میں فعال کردار ادا کر رہے تھے اس لئے ابراہیمؑ کو اولین مزاحمت کا سامنا اپنے گھر میں ہی کرنا پڑا۔ قرآن نے ان کی نبوت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

Marfat.com

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (۲۴)

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بلاشبہ وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔

انبیاء کی خصوصی تعلیم کا ذریعہ وحی الٰہی ہوتی ہے۔ قرآن نے جہاں دیگر انبیاء کا ذکر کیا ہے وہاں ابراہیمؑ کی وحی بھی مذکور ہے۔ حضور اکرم کی وحی کو بیان کرتے ہوئے کہا:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (۲۵)

ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جس طرح نوحؑ اور ان کے بعد دیگر پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ، ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔

بعض مفسرین نے سورہ انعام کی چند آیات کو شعور حق کے ساتھ منسلک کیا ہے جبکہ کچھ دوسرے مفسرین اسے استدلال کا ایک اسلوب قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں وہ آیات اور ان سے متعلق تفسیری آراء دی جاتی ہیں۔ ارشاد باری ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا. قَالَ هٰذَا رَبِّيْ. فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ o فَلَمَّا رَاَالْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ. فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ o فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ. فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (۲۶)

چنانچہ جب اس پر رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ پکار اٹھے۔ اے برادران قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔

سید مودودیؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں حضرت ابراہیمؑ کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم

Marfat.com

النظر انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی، کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر غور وفکر اور ان سے صحیح استدلال کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ادھر قوم ابراہیمؑ کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے گردوپیش ہر طرف چاند، سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر حضرت ابراہیمؑ کی جستجوئے حقیقت کا آغاز اسی سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے؟ اسی مرکزی سوال پر انہوں نے غور وفکر کیا اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اٹل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی کے اندر بھی ربوبیت کا شائبہ تک نہیں ہے رب صرف وہی ہے جو ایک ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور بندگی پر مجبور کیا۔ (۲۷)

مولانا اصلاحی اسی سلسلہ بیان کی آیت ۸۳ "وتلک حجتنا آتیناها ابراهیم علی قومه" کے تحت لکھتے ہیں:

یہ اشارہ توحید کی اس دلیل کی طرف ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر قائم فرمائی اور جو اوپر تفصیل سے مذکور ہوئی۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابل میں عطا فرمائی۔ اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ جو لوگ اس کو ابراہیمؑ کا فکری ارتقاء سمجھتے ہیں ان کا خیال قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے فکر کا ارتقا نہیں بلکہ اس کو کہہ سکتے ہیں تو ان کی دعوت کا ارتقا کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ حضرت ابراہیمؑ کے فکر کا ارتقا بیان ہوا ہوتا تو علی قومه کے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔ (۲۸) اس واقعہ کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

دوسری یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا ملکوت الٰہی سے جو استشہاد اوپر مذکور ہوا ہے وہ نبوت سے پہلے کا نہیں بلکہ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کا ہے جب انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا ہے۔ پہلے انہوں نے اپنے باپ کو دعوت دی اور یہی حضرات انبیاء کی معروف سنت رہی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے سب سے زیادہ قریبی عزیزوں کو دعوت دی ہے اس کے بعد اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے سامنے بالتدریج اس طرح اعلان حق فرمایا جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی۔ اس بات کی دلیل کہ یہ نبوت کے بعد کا واقعہ ہے، آیات ۷۹۔۸۰ میں موجود ہے۔ ان آشکارا الفاظ میں یہ زندہ جاوید کلمات ایک نبی کے سوا کون کہہ سکتا ہے۔ (۲۹)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا بھی یہی موقف ہے۔ (۳۰) قدیم مفسرین نے بھی یہ دونوں آراء نقل کی ہیں۔

Marfat.com

حافظ ابن کثیرؒ اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قد اختلف المفسرون فی هذا المقام هل هو مقام نظر او مناظرة فروی ابن جریر عن ابن عباس ما یقتضی انه مقام نظر، و اختاره ابن جریر مستدلا بقوله لئن لم یهدنی ربی الایه .... و الحق ان ابراهیم کان فی هذا المقام مناظرا بقومه مبینا لهم بطلان ما کانوا علیه من عبادة الهیا کل و الاصنام (۳۱)

مفسرین کے ہاں اس مقام کی تفسیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ غور و فکر کا مقام ہے یا مناظرہ کی صورت ہے؟ ابن جریرؒ نے ابن عباس سے جو روایت کی ہے وہ اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ غور و فکر کا مقام ہے اور ابن جریرؒ نے لئن یهدنی ربی سے استدلال کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے ....مگر حق یہ ہے کہ ابراہیمؑ اس مقام پر اپنی قوم سے مناظرہ کر رہے ہیں۔ اور ان پر واضح کر رہے ہیں کہ اجرام سماوی اور بتوں کی عبادت باطل ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسرین کے ہاں دونوں نقطہ ہائے نظر موجود رہے ہیں اور دونوں کے پاس موجود ہیں۔

دعوت کا موضوع

ابراہیمؑ کی دعوت کا موضوع شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مشرکانہ کلچر کے مظاہر میں صرف بت پرستی اور کواکب پرستی ہی نہ تھی حکمران کی معبودیت بھی اس کا اہم عنصر تھا۔ ان کے ہاں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادت کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اس عقیدے پر مبنی تھا (۳۲)۔ لہذا ابراہیمؑ نے جب شرک کے ابطال کی بات کی تو یہ گویا پورے نظام کی تبدیلی کی بات تھی۔ ان کی دعوت کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت، پجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشی اور سیاسی حیثیت اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آ جاتی تھی۔ (۳۳) ابراہیمؑ کی دعوت میں پورے مشرکانہ کلچر کی تبدیلی کی صدا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بتوں کے تصرف، اجرام سماوی کی تاثیر اور حکمرانوں مافوق الفطرت اختیارات کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کا بنیادی موضوع ہمیشہ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی رہا ہے اور ابراہیم کی دعوت میں یہ موضوع پوری طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے لیکن جس انداز میں اسے پیش کیا گیا ہے اس سے واضح تھا کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے از سر نو توحید الٰہی کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ (۳۴)

دعوت کے مراحل

ہر نبی کے دعوت کے کئی مراحل ہوتے ہیں جنہیں ذرا غور کر کے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی

Marfat.com

دعوت کے مراحل کو تو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔قوم اور اقتدار کے حلقے نمایاں نظر آتے ہیں اور ان میں ایک فطری ترتیب بھی ہے۔ذیل میں ہم اسی ترتیب کے مطابق ان کی دعوت اور ردعمل کا جائزہ لیں گے۔

خاندان

سنتِ انبیاء کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا یہ ترتیب فطری بھی اور مفید بھی کیوں کہ اگر گھر کا ماحول سازگار ہے اور خاندان کے لوگ دعوت کے دست و بازو بنتے ہیں تو کارِ دعوت کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو دعوت دیتے ہوئے مشرکانہ عقیدہ و عمل کی حماقت واضح کی۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً. اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۵)

اور ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا، کیا آپ بتوں کو خدا بناتے ہیں میں تو آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (۳۶)

جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیسے مجسمے ہیں جن کو تم لوگ لیے بیٹھے ہو۔

قرآن نے وہ پورا مکالمہ نقل کیا ہے جو ابراہیمؑ اور ان کے باپ کے درمیان ہوا۔اس میں دعوت کا استدلال بھی ہے اور دعوت کا ردِعمل بھی۔دعوت کا اسلوب بھی اور مخالف کا غرور بھی۔ابراہیمؑ کے ایک ایک لفظ سے ہمدردی، خیر خواہی اور دلسوزی ٹپکتی ہے۔جبکہ باپ کے ردِعمل میں تکبر اور تعصب واضح طور پر نظر آتا ہے۔ان آیات کو داعی کا نصاب کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ارشاد ربانی ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا o اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا o يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا o يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا o يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا o قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا o قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا o وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (۳۷)

اور کتاب میں ابراہیمؑ کو یاد کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے کہا کہ ابا جان آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکیں۔ابا جان مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا۔آپ میرے پیچھے چلیں۔میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ابا جان!

Marfat.com

آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ نے کہا:" ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ پس تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیمؑ نے کہا! سلام ہے آپ کو، میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کردے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔

قوم سے خطاب

دعوت کے ارتقائی عمل سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے بحث ومباحثہ کے بعد اپنی قوم پر بھی اتمام حجت کردیا اور انہیں دعوت الی اللہ کی نعمت سے متعارف کرواتے ہوئے مسکت دلائل دیئے۔ لیکن قرآن مجید کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت اپنے باپ اور قوم سے مخاطب ہیں۔ قرآن چونکہ واقعات کے تاریخی تسلسل کے بجائے انہیں دعوتی عمل اور ردِعمل کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ اس لئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس عمل میں ترتیب زمانی نہیں پائی جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخی ترتیب ایک قدرتی امر ہے۔ آغاز گھر سے ہوا اور اس کے بعد قوم کو خطاب کیا لیکن موضوع اور استدلال کی وضاحت کے باعث قرآن نے اسے یکجا بیان کیا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (۳۸)

یاد کرو وہ موقع جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کیا تو ہمارے سامنے اپنے اصل خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس پر میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔

ابراہیمؑ نے اپنی قوم اور باپ کے سامنے مؤثر انداز خطابت کے ساتھ دعوت کے حق میں جو دلائل دیئے

Marfat.com

قرآن نے انہیں مندرجہ ذیل آیات میں نقل کیا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ٥ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ٥ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ٥ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ٥ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ٥ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ٥ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ٥ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ٥ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ٥ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ٥ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ٥ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ٥ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (۳۹)

اور انہیں ابراہیمؑ کا قصہ سناؤ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا تھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں۔ اس نے پوچھا۔ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ نہیں، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے؟ اس پر ابراہیمؑ نے کہا۔ کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجالاتے رہے؟ میرے تو یہ دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا۔

سوال و جواب کا یہ اسلوب ابراہیمؑ کے طرز استدلال کی خصوصیت ہے۔ ایک بات جو بدیہی طور پر غلط ہے اسے غلط کہنے کے بجائے اس کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں مخاطبین وہی کچھ کہتے ہیں جو ابراہیمؑ ان سے کہنا چاہتے تھے۔ یہاں بات بتوں کی پرستش اور ان کے نفع بخش اور ضرر رساں ہونے کی ہے۔ دوسری جگہ پر وہ مظاہر پرستی کے بطلان کو واضح کرتے ہیں۔ سورہ انعام کی آیات ہم ابتدائی تفکر کے ضمن میں نقل کر آئے ہیں جن کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ ان آیات کا تعلق ابراہیمؑ کے خصوصی طرز استدلال سے ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو توحید سمجھانے کے لئے اختیار کیا۔ مولانا اصلاحی اس استدلال کو استدراج کا نام دیتے ہیں۔ استدراج کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب پر اس راہ سے درجہ بدرجہ گھیرے ڈالتے جدھر سے اس کو سان گمان بھی نہ ہوتا کہ وہ گھیرے میں آ سکتا ہے۔ (۴۰) اس طریقہ استدراج کے تقاضے سے ابراہیمؑ کبھی کبھی توریہ سے بھی کام لیتے تھے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کوئی اسکیم پوری کرنے کے لئے حریف کے سامنے اپنی بات اس طرح پیش کرتے کہ بات تو بالکل صحیح ہوتی لیکن اس کے پیش کرنے کا انداز ایسا ہوتا کہ حریف

Marfat.com

اس سے مغالطہ میں پڑ جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ہوشیاری کے باوجود وہ اسکیم کے بروئے کار آ جانے سے پہلے اس سے آگاہ نہ ہوتا۔[۴۱] مظاہر پرستی کے سلسلے میں ابراہیمؑ کے انداز استدلال کو سورہ انعام کی آیات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا. قَالَ هٰذَا رَبِّىْ. فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَالْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ. فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ. فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [۴۲]

پس یوں ہوا کہ جب رات نے اس کو ڈھانک لیا۔ اس نے ایک تارے کو دیکھا، بولا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا۔ اس نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتے دیکھا، بولا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اس نے کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو میں گمراہوں میں سے ہو کر رہ جاؤں گا۔ پھر جب اس نے سورج کو چمکتے دیکھا تو بولا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو، میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ بالکل یکسو ہو کر اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد قرآن نقل کرتا ہے کہ ابراہیمؑ کی قوم نے ان سے توحید کے مسئلہ پر جھگڑا کیا جس کے جواب میں انہوں نے شرک کے بے بنیاد ہونے کو مزید اجاگر کیا۔ قرآن نقل کرتا ہے:

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ. قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ. وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّىْ شَيْئًا. وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا. اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا. فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ. اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [۴۳]

اور اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی، اس نے جواب دیا کہ تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، درآنحالیکہ اس نے میری رہنمائی فرمائی اور میں ان سے نہیں ڈرتا جس کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ کوئی بات میرا رب ہی چاہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ تو کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے؟ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جن کے بارے میں اس نے تم پر کوئی

Marfat.com

دلیل نہیں اتاری۔تو ہم دونوں گروہوں میں سے امن واطمینان کا سزاوار کون ہے،اگر تم جانتے ہو؟

حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم سے بحث ومباحثہ میں مصروف رہے اور انہوں نے بدلائل بت پرستی اور مظاہر پرستی کا بطلان ثابت کیا۔ابراہیمؑ کے دلائل اتنے مسکت تھے کہ قوم لاجواب ہوگئی اور ان کی مناظرانہ قوت جواب دے گئی۔ سورہ انعام میں جہاں ستارہ،چانداور سورج کی معبودیت کے خلاف استدلال کیا گیا اور جہاں قوم کے جھگڑے کا ذکر کیا گیا وہیں پر ابراہیمؑ کی اس برتری کو بھی بیان کیا گیا جو انہیں دلیل وبرہان کے میدان میں حاصل تھی۔ظاہر ہے کہ یہ عطاء الٰہی تھی:

وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ. نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ. اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (۴۴)

یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر قائم کرنے کے لئے بخشی،ہم جس کو چاہتے ہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں۔بے شک تیرا رب حکیم وعلیم ہے۔

عملی اقدام

ابراہیمؑ نے دعوت الی اللہ کے سلسلے میں جو محنت کی تھی وہ بظاہر بے نتیجہ معلوم ہو رہی تھی۔اگر چہ انہوں نے دلائل وبراہین کے ساتھ شرک کی خرابی اور توحید کی حقانیت کو واضح کیا تھا اور باپ اور قوم کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا تھا لیکن یہ لوگ ان دلائل کو درخور اعتنا نہیں سمجھ رہے تھے۔واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ اپنی قوم سے بحث ومباحثہ میں مصروف تھے لیکن پوری قوم ابھی تک دعوت کی حقیقت اور اس کے دلائل سے پوری طرح باخبر نہ تھی اس کے لئے انہوں نے عملی اقدام کا فیصلہ کیا جو ایک طرف ان کے قوی دلائل کو زبردست تائید مہیا کرتا تھا اور دوسری طرف دعوت کو ان حلقوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا تھا جہاں تک ابھی وہ نہیں پہنچی تھی۔گویا قوم پر اتمام حجت کرنے اور توسیع دعوت کو نکتہ عروج پر پہنچانے کا اہتمام تھا۔ابراہیمؑ کا یہ عملی اقدام جرات اور ہمت کے لحاظ سے تاریخ دعوت میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔آپ نے ایک عمدہ تدبیر سے کام لیتے ہوئے قومی اہمیت کے ایک موقع سے فائدہ اٹھایا اور بت خانے میں گھس کر تمام بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔البتہ بڑے بت کو رہنے دیا تا کہ اس سے استدلال کی بنیاد حاصل کی جائے اور قوم کے سامنے بتوں کی بے بسی کو مبرہن کیا جا سکے۔حضرت ابراہیمؑ نے اس کام کے لئے وہ دن منتخب کیا جو قومی تہوار کا دن تھا۔جاہل اور مشرک معاشروں میں شخصیات،بتوں اور مختلف رسوم کے لئے دن منائے جاتے ہیں۔اس دن پوری قوم کھیل تماشے اور خوشیاں منانے کے لئے اجتماع منعقد کرتی ہے۔اسی مصروف دن کو ابراہیمؑ نے بتوں کے خلاف اپنے عملی اقدام کے لئے منتخب کیا۔یہ عملی اقدام بت پرستی کے خلاف ابراہیمی استدلال کا حصہ ہے۔قرآن نے اسے جس طرح نقل کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ قوم کی حماقت واضح

Marfat.com

کرنے کے لئے کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۴۵)

اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (انہوں نے آ کر بتوں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی ظالم تھا وہ۔ تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تا کہ لوگ دیکھ لیں (اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے)۔ انہوں نے (ابراہیمؑ کے آنے پر) پوچھا: کیوں ابراہیمؑ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تو نے کی ہے؟ اس نے جواب دیا: بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے، انہی سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے ہوں یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور اپنے دلوں میں کہنے لگے: " واقعی تم خود ہی ظالم ہو " مگر پھر ان کی مت ماری گئی اور بولے: تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں، ابراہیم نے کہا: " پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو، کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟ " ۔

سورہ صفات میں اس واقعہ کو ایک اور اسلوب سے بیان کیا ہے:

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ○ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ○ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (۴۶)

ان کے پیچھے وہ چپکے چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور بولا۔ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ کیا ہو گیا، آپ لوگ بولتے بھی نہیں؟ اس کے بعد وہ ان پر پل پڑا اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ (واپس آ کر) وہ لوگ بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے۔ اس نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔

Marfat.com

بتوں کی شکست وریخت سے وہ ان کی بے بسی واضح کرنا چاہتے تھے جسے ان لوگوں نے محسوس کیا لیکن پھر ان پر نمرودو جاہلیت غالب آ گئی جس کی وجہ سے وہ ہدایت سے محروم ہوگئے۔ ابراہیمؑ کی طرف منسوب جھوٹ کے حوالے سے مناسب ہے کہ مولانا اصلاحی کا بیان نقل کیا جائے۔ جوانہوں نے سورہ انبیاء کی آیت ''بل فعلہ کبیرھم'' کے تحت لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے جواب ''بل فعلہ کبیرھم'' کو کذب یا خوف پر محمول کیا ہے وہ عربی سے بے خبری کے باعث اس ارشاد کی بلاغت کو نہ سمجھ سکے۔ خوف کا سوال اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ جب وہ اس طرح بے دھڑک قوم کے بت خانے کے اندر توحید کی اذان دیتے ہیں بتوں کے خلاف ایک مخفی اقدام کا اعلان کرتے ہیں اور پھر عین عدالت کے منہ پر ساری قوم کے سامنے اف لکم و لما تعبدون کے الفاظ سے بتوں پر بھی اور ان کے پوجنے والوں پر بھی لعنت کرتے ہیں تو ایسے مردحق کے بارے میں یہ گمان بالکل ہی خلاف عقل ہے کہ وہ کسی خطرے سے مرعوب ہو کر سخن سازی کرے گا۔ رہا اس کے جھوٹ ہونے کا معاملہ تو قطع نظر اس سے کہ حضرت ابراہیمؑ جھوٹ بول سکتے ہیں یا نہیں۔ کہی ہوئی بات میں کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ اس کو جھوٹ پر محمول کیا جا سکے۔ اس کو کہہ سکتے ہیں تو ایک لطیف طنز، ایک پُر معنی استہزا اور ایک حکیمانہ استدراج کہہ سکتے ہیں، جھوٹ کا تو اس میں کوئی ادنی شائبہ بھی نہیں ہے۔'' (۴۷)

بادشاہ کے سامنے اظہار حق

حضرت ابراہیمؑ کے عملی اقدام اور توحید الٰہی پر کھلے ہوئے دلائل سے قوم عاجز آ گئی تو معاملہ صاحب اقتدار تک پہنچا۔ تالمود کے مطابق ابراہیمؑ کا باپ چونکہ ریاست کا ایک اہم افسر تھا اس لئے اس نے یہ معاملہ خود بادشاہ تک پہنچایا۔ بلاشبہ اس کی اولین وجہ تو ابراہیمؑ کے والد اور ان کی قوم کی یہ پریشانی تھی کہ وہ ابراہیمؑ کو نہ تو دلائل سے قائل کر سکے تھے اور نہ کسی دھمکی سے انہیں مرعوب کر سکے اس لئے اس معاملہ کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ لیکن اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابراہیمؑ کے والد کو اپنی نوکری اور اپنے مفادات خطرے میں نظر آئے۔ بادشاہ چونکہ اپنے آپ کو اوتار (God King) کہتا تھا اور ساری رعایا دوسرے بتوں کے ساتھ بادشاہ کو بڑے دیوتا کے مظہر کے طور پر پوجتے تھے اس لئے ریاست کے ایک ملازم کے بیٹے کی بغاوت بڑا جرم متصور ہوتا۔ اس بات کا امکان ہے کہ ابراہیمؑ کے والد نے اپنی حفاظت کے لئے بیٹے کی بغاوت کا معاملہ خود پیش کیا ہو۔ ابراہیمؑ نے بادشاہ کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور غیر اللہ کی بے بسی کو اس طرح مبرہن کیا کہ بادشاہ لاجواب ہوگیا۔ یہ اتمام حجت کی آخری سطح تھی۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَٰهِيمَ فِي رَبِّهِۦٓ أَنْ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ رَبِّيَ ٱلَّذِي

Marfat.com

يُحْيِ وَ يُمِيتُ قَالَ اَنَا اُحْيِ وَاُمِيتُ. قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ. وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۴۸)

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے؟ اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ زندگی اور موت صرف اسی کے اختیار میں ہے تو اس نے جواب دیا: زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے، ابراہیم نے کہا: اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

دعوت کا ردِ عمل

ابراہیمؑ کی دعوت کے ردِ عمل میں تحقیر و تذلیل کے علاوہ سنگسار کرنے کی دھمکی بھی شامل تھی۔ ابراہیمؑ کے والد نے جو دھمکی دی تھی اسے قرآن نے نقل کیا ہے:

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (۴۹)

اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ پس تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جا۔

چونکہ ابراہیمؑ نے ہر حال میں دعوت کے کام کو جاری رکھا تھا اس لئے مخالفت میں شدت آتی گئی۔ والد کی مخالفت، پھر قوم کی مخاصمت اور آخر کار بادشاہ کا غضب۔ قرآن نے ابراہیمؑ کے ضمن میں ان پر ایمان لانے والوں کا ذکر نہیں کیا اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کتنے لوگ تھے۔ قرآن نے واضح طور پر صرف حضرت لوطؑ کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے: فامن له لوط (۵۰) اس وقت لوطؑ ان پر ایمان لے آئے ورنہ جہاں کہیں بھی ابراہیمؑ کے کار دعوت کا ذکر ہے وہاں تنہا انہی کی شخصیت چمکتی نظر آتی ہے۔ باپ، قوم اور بادشاہ تینوں ان کے خلاف یک آواز نظر آتے ہیں۔

آگ میں ڈالنا

تلمود میں ہے کہ اس مناظرے کے بعد بادشاہ کے حکم سے آپ کو قید کر دیا گیا تھا۔ دس روز جیل میں رہے۔ پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا۔ قرآن نے ان کے آگ میں پھینکے جانے کے واقعہ کو بیان کیا ہے:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (۵۱)

انہوں نے کہا: جلا دو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ (۵۲)

پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا: قتل کر دو اسے یا جلا ڈالو اس کو۔

Marfat.com

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ (۵۳)

انہوں نے کہا کہ اس کے لئے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔

قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالنے کا فیصلہ قومی فیصلہ تھا اور یہ فیصلہ ابراہیمؑ کے اقدام بت شکنی کے بعد اور دلائل و براہین کے مقابلے میں عاجز آنے کے بعد ہوا۔ تینوں مقامات کا سیاق یہی کہتا ہے۔

آگ کا ٹھنڈا ہونا

اقتدار کے پاس اندھی بہری قوت کا استعمال اولین اور آخری حربہ ہوتا ہے۔ ابراہیمؑ کو ڈرایا دھمکایا گیا لیکن وہ بے خوف توحید الٰہی کی برتری ثابت کرتے رہے اور بالآخر انہیں زندہ جلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چونکہ ابراہیمؑ محض اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ کر رہے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا انتظام بھی کیا۔ آگ کو جلانے کی تاثیر دینے والے نے اس کی تاثیر کو ختم کر دیا اور ابراہیمؑ معجزانہ طور پر بچ گئے۔ قرآن کے مطابق ان کی تدبیر ناکام ہوگئی۔

قرآنی اعجاز نے اس معجزے کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً سورہ عنکبوت میں فرمایا:

فَأَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۔ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۵۴)

آخر کار اللہ نے اسے آگ سے بچا لیا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے والے ہیں۔

سورہ صافات میں ان کی تدبیر کی ناکامی کو واضح کیا گیا ہے:

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَسْفَلِينَ (۵۵)

اور انہوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔

سورہ انبیاء میں زیادہ واضح الفاظ میں آگ کے سرد ہو جانے کا ذکر ہے۔ فرمایا:

قُلْنَا يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى إِبْرٰهِيمَ ۝ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَخْسَرِينَ (۵۶)

ہم نے کہا: اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر۔ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کر دیا۔

دعوتی نقطہ نظر سے اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ داعی اگر اخلاص کے ساتھ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اسے ضرور حاصل ہوتی ہے اور وہ بالآخر اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے جبکہ اس کی قوم ناکام و نامراد ہوتی ہے۔

ہجرت

سنت اللہ یہ ہے کہ داعی اسی وقت تک اپنی قوم میں رہتا ہے جب تک اس کے اور اس کی قوم کے درمیان بات چیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب پُر امن تبلیغ کے راستے بند ہو جاتے ہیں اور قوم تشدد اور ظلم کی راہ اختیار کرتی

Marfat.com

ہے تو اللہ تعالیٰ داعی کے لئے علیحدگی کا انتظام کرتا ہے تا کہ ان لوگوں کے لئے اللہ کا وعدہ پورا ہو۔ پیغمبر اور قوم کے درمیان اس وقت تک ابلاغ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب تک معجزے کا ظہور نہیں ہوتا۔ جب معجزہ دکھا دیا جائے تو پھر نبی اور اس کی قوم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ پیغمبر کے لئے لازم ہے کہ وہ اس قوم کو چھوڑ دے۔ جہاں تک قوم کا تعلق ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسی وقت ان کو سزا دے دے اور چاہے تو مزید کچھ مہلت دے کے انہیں ٹھکانے لگائے۔ ابراہیمؑ کے سلسلے میں یہ علیحدگی ہجرت کی صورت میں وقوع پذیر ہوئی۔ آپ نے خاندان اور وطن کو خیر باد کہا اور اللہ کی رضا کے مطابق نئے علاقے کی طرف کوچ کیا۔ قرآن نے ابراہیمؑ کے اس اقدام کو اللہ کی طرف سفر کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ سورہ صافات میں ہے:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (۵۷)

ابراہیمؑ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری رہنمائی کرے گا۔

سید مودودیؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی خاطر نکل رہا ہوں کیونکہ اسی کا ہو جانے کی وجہ سے میری قوم میری دشمن ہو گئی ہے ورنہ کوئی دنیوی جھگڑا میرے اور اس کے درمیان نہ تھا کہ اس کی بنا پر مجھے اپنا وطن چھوڑنا پڑ رہا ہو۔ نیز یہ کہ میرا دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے جس کا رخ کروں۔ تن بہ تقدیر بس اللہ کے بھروسے پر نکل رہا ہوں۔ جدھر وہ لے جائے گا اسی طرف چلا جاؤں گا۔ (۵۸)

سورہ عنکبوت میں تو ہجرت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ فرمایا:

وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ. اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (۵۹)

اور ابراہیمؑ نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں وہ زبردست اور حکیم ہے۔

ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا اور اس کی رہنمائی پر بھروسہ کیا۔ مشیتِ ایزدی انہیں وہاں لے گئی جہاں سے انسانیت کی رہنمائی کا سامان کرنا تھا۔ سورہ انبیاء میں الٰہی فیصلہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ

اور ہم اسے اور لوطؑ کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

یہ برکت والی سرزمین شام و فلسطین کی زمین ہے۔ اس کی برکتیں مادی بھی ہیں اور روحانی بھی۔ مادی حیثیت سے وہ دنیا کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ہے اور روحانی حیثیت سے وہ ۲ ہزار ۱۶ برس تک انبیاءؑ کا مہبط رہی ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے خطے میں اتنی کثرت سے انبیاءؑ مبعوث نہیں ہوئے۔ (۶۰)

ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد قوم ابراہیمؑ کا کیا حشر ہوا۔ قرآن نے اس بارے میں تو کچھ نہیں کہا البتہ تالمود

Marfat.com

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمرود ان کا معتقد ہو گیا اور بہت سے قیمتی نذرانے دے کران کو رخصت کیا۔ دعوتی نقطہ نظر سے چونکہ ابراہیمؑ کی ذات اہمیت رکھتی ہے اس لئے قرآن ہجرت کے بعد ان کی سرگرمیوں پر بحث کرتا ہے۔ قوم ابراہیمؑ کی اہمیت ہجرت کے بعد ختم ہو گئی۔ لہذا دعوت الی اللہ کے نئے امکانات پر بحث کی گئی۔ ان امکانات کا تعلق ابراہیمؑ کی اولاد و ذریت سے ہے۔

آزمائش

کارِ دعوت کا اہم پہلو مشکلات اور آزمائش ہے۔ داعی جب مشرک، کافر یا منکر معاشرے میں تبدیلی اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو معاشرے کے مستحکم ادارے اور عقائد و رسوم پر یقین رکھنے والے بااثر افراد مخالفت کرتے ہیں۔ ایک داعی کا کارِ دعوت میں کئی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے اللہ کی راہ میں جان، مال خاندان وغیرہ کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ یہ آزمائشیں اس کی وابستگی اور توکل کا امتحان بھی ہوتی ہیں اور اس کی شخصیت کے نکھار اور کارِ دعوت کی کامیابی کا ذریعہ بھی۔ ابراہیمؑ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی ایک ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ آزمائش کے ہر اس مرحلے سے گزرے ہیں جس کا پیش آنا ہر داعی کے لئے متوقع ہے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ والد نے، قوم نے اور وقت کے اقتدار نے کیا رویہ اختیار کیا؟ آپ تحقیر، تشدد کی دھمکی اور زندہ جلائے جانے کی آزمائشوں سے گزر کر وطن سے ہجرت کرنے کے مرحلے سے بھی کس طرح سرخرو ہو کر نکلے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کی ہجرت میں ان کے ساتھ ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوطؑ کے سوا کوئی نہ تھا۔ ذات، خاندان اور وطن کی قربانی کے بعد ابراہیمؑ کی ایک اور بڑی آزمائش ہوئی اور اس کا تعلق ان کی اولاد سے ہے۔ ابراہیمؑ کی قوم نے انہیں زندہ جلانے کی جو تدبیر کی اسے مشیت ایزدی نے ناکام بنایا۔ قرآن اسی نجات اور کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے اولاد کی خوشخبری کا ذکر بھی کرتا ہے۔ سورہ انبیاء میں برکت والی سرزمین میں استقرار اور دشمنوں سے نجات کا ذکر کرتے ہوئے اولاد کی خوشخبری بیان کی گئی ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ. وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً. وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ (۶۱)

سورہ عنکبوت میں بھی اسے دہرایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا. وَاِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۶۲)

اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) عنایت فرمائی اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور اسے دنیا میں اس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں بھی وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔

قرآن نے یہاں صرف اسحقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کیا ہے، ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ

Marfat.com

اسحقؑ کی اولاد میں انبیاء کی مسلسل آمد ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

" حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ اولاد ابراہیمؑ کی مدیانی شاخ میں صرف شعیبؑ مبعوث ہوئے اور اسماعیلی شاخ میں سرکار رسالت مآب محمد ﷺ تک ڈھائی ہزار سال کی مدت میں کوئی نبی نہیں آیا۔ اس کے برعکس نبوت اور کتاب کی نعمت حضرت عیسیٰؑ تک مسلسل اسی شاخ کو عطا ہوتی رہی جو حضرت اسحق علیہ السلام سے چلی تھی۔ (۶۳)

یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآنی بیان کی ترتیب سے یہ نہیں سمجھنا چاہئیے کہ بابل سے ہجرت کے بعد فوری طور پر انہیں اولاد عطا کی گئی۔ قرآن کی دوسری آیات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا کہ ابراہیمؑ نے اولاد کے لئے دعا کی تھی اور بائبل کے مطابق اسماعیلؑ کی پیدائش پر آپ کی عمر چھیاسی برس کی تھی۔ (۶۴) قرآن نے اس دعا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ٥ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (۶۵)

اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔ ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔

ایسا لگتا ہے کہ ابراہیمؑ کی یہ دعا دیر کے بعد قبول ہوئی کیونکہ ابراہیمؑ اظہارِ تشکر میں بڑھاپے کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن نقل کرتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ. اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ (۶۶)

شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔

بائبل میں بھی ابراہیمؑ کی دعا کا مفصل بیان موجود ہے:

ابرام نے کہا اے خداوند خدا تو مجھ کو کیا دے گا۔ میں تو بے اولاد ہو جاؤں گا اور میرے گھر کا مختار الائزر دمشقی ہے۔ پھر ابرام نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تب خداوند کا کلام اس پر اترا اور اس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہوگا وہ تیرا وارث ہوگا۔ (۶۷)

بیٹے کی قربانی

ابراہیمؑ کی آخری آزمائش بیٹے کی قربانی تھی۔ بڑھاپے کی اولاد اور وہ بھی بڑی دعاؤں کے نتیجے میں ہونے والی، انسان کو بہت عزیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کو اب بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔ بائبل اور قرآن میں اس قربانی کا ذکر ہے لیکن شخصیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بائبل کے مطابق یہ قربانی اسحاق کی تھی جبکہ

Marfat.com

آن کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ قربانی اسمٰعیل کی تھی۔ مسلمان علماء نے بائبل اور قرآن کے تقابلی مطالعہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ قربانی اسمٰعیلؑ ہی کی ہوسکتی ہے۔ (۶۸) مسلمان علماء کے مطابق بائبل میں جہاں قربانی کا ذکر ہے اس میں تضاد ہے۔ ایک جگہ پر اسحٰق کا واضح نام موجود ہے جبکہ دوسری جگہ پر اکلوتے بیٹے کا ذکر ہے۔ بائبل کے اپنے بیان کو دیکھا جائے تو اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کی پیدائش میں تیرہ برس کا فرق ہے (۶۹) بائبل میں قربانی کے واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اسے کہا: اے ابراہام! اور اس نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ اور خدا نے کہا کہ تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے اسحاق کو جسے تو پیار کرتا ہے لے اور سرزمین موریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک جو میں تجھے بتاؤں گا، سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔ (۷۰)

اسی باب میں دوسری جگہ لکھا ہے:

تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہام کو پکارا اور کہا۔ خداوند فرماتا ہے چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا "اپنا اکلوتا بیٹا" دریغ نہ رکھا، میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔ (۷۱)

پہلی آیت میں جہاں اکلوتے بیٹے کا ذکر ہے وہاں "اسحٰق" کے نام کا اضافہ ہے۔ جو دوسری آیت میں موجود نہیں۔ نیز اسحٰقؑ کی پیدائش سے پہلے اسمٰعیلؑ تو اکلوتے بیٹے ہوسکتے ہیں لیکن اسمٰعیلؑ کی موجودگی میں اسحٰقؑ اکلوتے کس طرح ہوسکتے ہیں؟

قربانی کی جگہ

بائبل میں چونکہ قربانی اسحٰقؑ سے متعلق ہے اس لئے اس کی جگہ بھی موریا کی سرزمین ہے لیکن مسلم روایت کے مطابق یہ قربانی اسمٰعیلؑ کی ہے اور یہ واقعہ مکہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا۔ اسلامی روایات کے مطابق ابراہیمؑ نے حکم خداوندی کے مطابق اسمٰعیلؑ اوران کی والدہ حاجرہؑ کو وادی مکہ میں چھوڑا تھا۔ بائبل میں ہے کہ ابراہیمؑ کی بڑی بیوی سارہ کو حاجرہؑ اور اس کے بیٹے سے ایک قسم کی ناگواری تھی اس لئے اس نے ابراہیمؑ کو کہا کہ لونڈی کا بیٹا تمہارا وارث نہیں ہوسکتا۔ ایک جگہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات اسحٰقؑ کی پیدائش کے بعد ہوئی اور دوسری جگہ پر اسمٰعیلؑ کی شیرخوارگی مترشح ہوتی ہے دونوں بیانات حسب ذیل ہیں۔

اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ کا بیٹا جو وہ ابراہیم سے جنی تھی ٹھٹھے مارتا ہے تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہیمؑ کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابراہام سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت

Marfat.com

تیری نظر میں بری نہ معلوم ہو، ہر ایک بات کے حق میں جو سارہ نے تجھے کہی اس کی آواز پر کان رکھ کیونکہ تیری نسل اسحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔ (۷۲)

دوسرے مقام پر اسمٰعیلؑ کو ایک بچہ کہا گیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کے کاندھے پر دھر دی اور اس کے بچے کو بھی اور اسے رخصت کیا اور وہ روانہ ہوئی اور بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی، اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس بچے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک پتھر کے ٹپلے پر دور جا بیٹھی اور تیر پھینکنے کے فاصلہ پر بھی کیونکہ اس نے کہا کہ میں بچے کی موت کو نہ دیکھوں (۷۳)

اسی تضاد کی وجہ سے مسلم علماء نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کی روانگی کے وقت اسمٰعیلؑ شیر خوار بچہ تھا اور اسحٰقؑ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے:

ثم جاء بها ابراهيم وبابنها اسمعيل و هي ترضعه حتى وضعها عند البيت عند دوحة فوق الزمزم في اعلى المسجد و ليس بمكة يومئذ احد و ليس بها ماء فوضعها هنالک و وضع عندهما جرابا فيه تمر و سقاء فيه ماء ثم قفى ابراهيمُ منطلقا . فتبعته ام اسمعيل فقالت : يا ابراهيم اين تذهب و تتركنا بهذا الوادى الذى ليس فيه انس ولا شئى ؟ فقالت له ذلک مرارا وجعل لا يلتفت اليها فقالت له : آلله الذى امرک بهذا ؟ قال: نعم قالت اذن لا يضيعنا ثم رجعت فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهولاء الكلمات و رفيع يديه فقال : ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتک المحرم حتى بلغ يشكرون (۷۴)

ابراہیمؑ، ہاجرہؑ اور اس کے شیر خوار بچے اسمٰعیلؑ کو لے آئے اور جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی۔ اور پانی کا بھی نام ونشان نہ تھا اس لئے ابراہیمؑ نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور پھر منہ پھر کر روانہ ہو گئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں اے ابراہیم! تم ہمیں ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیئے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غمخوار۔ ہاجرہؑ برابر یہ کہتی جاتی تھیں مگر ابراہیمؑ خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر ہاجرہؑ نے دریافت کیا، کیا

Marfat.com

آپ کے خدا نے یہ حکم دیا ہے؟ تب ابراہیمؑ نے فرمایا" ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے" ہاجرہؑ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں۔ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ کر آ ئیں۔ ابراہیمؑ چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ تو اس جانب جہاں کعبہ ہے رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔ اے ہم سب کے پروردگار ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں۔ میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے۔ آپ نے یہ دعا "یشکرون" تک پڑھی۔

طویل حدیث میں اسمعیلؑ کی زندگی کے بعض پہلوؤں کا تذکرہ ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح پانی ختم ہونے کے بعد ہاجرہؑ کو پریشانی لاحق ہوئی اور وہ صفا اور مروہ پر جاتیں اور واپس لوٹ کر بچے کی طرف آتیں اور بالآخر فرشتے کی آواز سنائی دی کہ تمہاری آواز سنی گئی ہے۔ فرشتے نے اپنا پاؤں مارا تو زمزم کی جگہ سے پانی اُبلنے لگا اور ہاجرہؑ اس کے گرد باڑ لگانے لگی۔ رسول کریمؐ کا ارشاد ہے:

یرحم الله ام اسمعیل لو ترکت زمزم او قال لو لم تغرف من زمزم لکانت زمزم عینا معینا (۷۵)

اللہ تعالیٰ ام اسمعیلؑ پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار جانب باڑ ھ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔

اسی حدیث میں ہے کہ ہاجرہ کا صفا اور مروہ کی طرف جانا ہی سعی بین الصفا والمروہ ہے جسے حاجی ادا کرتے ہیں۔ (۷۶)

ابراہیمؑ وقتاً فوقتاً اسمعیلؑ اور ہاجرہؑ کے پاس آتے ہوں گے۔ اسی حدیث میں اسمعیلؑ کی غیر موجودگی میں ان کی اہلیہ سے گفتگو کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کعبۃ اللہ کی تعمیر کا ذکر وضاحت سے کرتا ہے جس میں دونوں باپ بیٹا مصروف رہے۔ (۷۷) اور قرآن قربانی کا واقعہ بھی بیان کرتا ہے۔ علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی زندگی سے وابستہ ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى. قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا. اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى

Marfat.com

اِسۡحٰقَ. وَمِنۡ ذُرِّیَّتِہِمَا مُحۡسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ مُبِیۡنٌ (۷۸)

اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔(اس دعا کے جواب میں) ہم نے اسے ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے اس سے کہا" بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا، ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اسے کر ڈالیے آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحٰق کی بشارت دی، ایک نبی صالحین میں سے۔ اور اسے اور اسحاق کو برکت دی۔ اب دونوں کی ذریت میں سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔

قرآن کا اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ اسمٰعیلؑ کی قربانی کے موقعہ پر اسحٰق کی بشارت دی گئی ہے پھر دونوں کے لئے الگ صفاتی لقب استعمال کیا گیا۔ اسمٰعیلؑ کے لئے حلیم (۷۹) اور اسحٰق کے لئے علیم (۸۰) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور ابراہیمؑ نے اپنی دعا (۸۱) میں اور قرآن نے اپنے بیان کی ترتیب (۸۲) میں بھی اسمٰعیلؑ کو مقدم رکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قربانی اسمٰعیلؑ کی تھی۔ (۸۳) ابراہیم کا بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو جانا اس آزمائش میں سرخروئی کی علامت ہے۔

کامیابی وکامرانی

ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں کامیاب وکامران قرار دیا۔ ان سے پہلے پیغمبرانہ دعوت کا نقشہ کچھ یوں تھا: ایک قوم کے ہاں گمراہی تھی، پیغمبر آیا، اس نے لوگوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی دعوت دی بہت کم لوگ ایمان لائے یا سب نے انکار کر دیا۔ پیغمبر کی تذلیل وتحقیر کی۔ اس سے معجزہ طلب کیا لیکن معجزہ دیکھنے کے بعد بھی پیغمبرانہ دعوت قبول کرنے سے انکار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب الٰہی سے اس قوم کو تباہ کر دیا گیا اور پیغمبر اور اس کے مومن ساتھی محفوظ رہے۔ قرآن کریم میں اس سے آگے پیغمبروں کی سرگرمیوں کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ابراہیمؑ کے سلسلے میں پہلی مرتبہ بعض نئے پہلو سامنے آئے ہیں اور اس نقشے میں بعض نئے رنگ ابھرے ہیں۔ ان میں پہلی بات تو یہ ہوئی کہ ان کی نسل میں نبوت اور قیادت جاری رہے گی۔ دوسری یہ کہ ابراہیمؑ کو انسانیت کا امام بنا دیا گیا۔ قرآن کے مطابق ابراہیمؑ کو یہ منصب چند آزمائشوں سے گذارنے کے بعد عطا کیا گیا۔ گذشتہ صفحات میں ان آزمائشوں کا تذکرہ کیا

Marfat.com

جا چکا ہے۔

قرآن نے منصب امامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ. قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ. قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ (۸۴)

اور یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اترا تو اس نے کہا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا: اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔"

اسی منصب امامت کا ایک مظہر بیت اللہ کی تعمیر اور حج کا ادارہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ رہتی دنیا تک ان کی عزت و تکریم باقی رہے گی۔ گویا ابراہیمؑ کو دنیا و آخرت کی خصوصی کامرانی مرحمت فرمائی گئی۔

قرآن نے ابراہیمؑ کی نسل میں نبوت جاری رہنے کے سلسلے میں کہا:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا. وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۸۵)

اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب (جیسی اولاد) عنایت فرمائی اور اس کی نبوت اور کتاب رکھ دی اور اسے دنیا میں اس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔

تعمیر کعبہ کے متعلق قرآن نے کہا:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۸۶)

اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے۔ تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور حج کے ادارہ کو متعارف کراتے ہوئے قرآن نے بیان کیا:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِىْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ٥ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ٥ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ. فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ٥ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (۸۷)

اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی تجویز کی تھی۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود

Marfat.com

کرنے والوں کے لئے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لئے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تا کہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں۔ خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں۔

پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

تکریم ابراہیمؑ

ابراہیمؑ کی تکریم کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ دنیا میں انہیں کردار کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دیا گیا اور قربانی کے حوالے سے ان کے اور ان کے اہلِ بیت کے اعمال کو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا دیا گیا اور آخرت میں انہیں بلند مقام عطا فرمایا۔

قرآن مجید نے ابراہیمؑ کی تعریف کرتے ہوئے انہیں منفرد حیثیت کا حامل قرار دیا۔ مثلاً

بے شک ابراہیمؑ ایک الگ امت تھے، اللہ کے فرمانبردار اور اس کی طرف یکسو اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ صالحین کے زمرہ میں ہوں گے۔

ابراہیمؑ کو یہاں ایک امت قرار دیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امت کا لفظ ایک طرف تو حضرت ابراہیمؑ کی انفرادیت کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ یہود، نصاریٰ اور مشرکین کسی میں سے نہ تھے بلکہ ان سب سے الگ وہ ایک حنیف و مسلم تھے۔ دوسرے ان کی اس جامعیت و مرکزیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اللہ نے ان کو بخشی تھی۔ اس لئے کہ وہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک عظیم امت کے بانی تھے۔ (۸۹)

تکریم ابراہیمؑ کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہیں آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونہ قرار دیا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۹۰)

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا" ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔

ابراہیمؑ کی عظمت ان کی اس ادا میں ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے بلا چوں و چرا سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جب بھی کچھ کرنے کے لئے حکم دیا وہ بجا آوری کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اطاعت و تسلیم کا یہی

Marfat.com

رویہ انہیں ممتاز کرتا ہے اور آنے والی مومن نسلوں سے یہی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا یہی تعلق اسے پسندیدہ بناتا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ. وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا. وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ o اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۹۱)

اب کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کرلیا ہو، اس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے؟ ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے، جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا: "مسلم ہوجا" تو اس نے فوراً کہا: "میں مالک کائنات کا مسلم ہوگیا۔"

ابراہیمؑ کی اولاد میں نبوت وحکومت قائم رہی لیکن دعوتی نقطہ نظر سے ابراہیمؑ کی شخصیت، ان کے پروگرام اور دعوت کی کامیابی اور شخصیت کی عظمت کے لحاظ سے اگر کوئی فرد اس معیار پر پورا اترتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ تعمیر کعبہ کے وقت آپ نے ذریت اسمٰعیلؑ کے سلسلے میں جو خصوصی دعا کی تھی وہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے متعلق تھی۔ وہ گویا ابراہیمؑ کی امامت کی تکمیل اور آپ کے اسوہ حسنہ کا اتمام تھی۔ ابراہیمؑ نے کہا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ. اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۹۲)

اے ہمارے رب تو ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

تاریخ دعوت میں ابراہیمؑ کی ذات ایک ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کی یہ حیثیت ہمیشہ قائم رہے گی۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ الممتحنہ/۴
۲۔ تفہیم القرآن، ۱/۵۵۴
۳۔ ایضاً، ۱/۵۵۴
۴۔ ایضاً، ۱/۵۵۵
۵۔ ایضاً، ۱/۵۵۵
۶۔ ایضاً/۱۹۸۔۱۹۹
۷۔ The new Jerusalem Bible Genesis 11/10
۸۔ ایضاً مختصر ابن کثیر، ۱/۵۹۱
۹۔ ایضاً
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ تاج العروس، ۳/۱۱
۱۲۔ مختصر ابن کثیر ا/۵۹۱، لیکن یہ بات عجیب لگتی ہے ابراہیمؑ جیسی شفیق ہستی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے باپ کے بارے میں ایسے الفاظ کہیں۔ قرآن نے تو ان کے رویہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ سلام علیک ساستغفرلک ربی انه کان بی حفیا (مریم/۴۷: تم پر سلامتی ہو، عنقریب آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش چاہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے) واضح رہے کہ ابراہیمؑ نے یہ بات آزر کی طرف سے سنگسار کردینے کی دھمکی کے جواب میں کہی تھی۔ لئن لم تنته لا رجمنك واهجرني مليا (مریم/۴۶)
۱۳۔ روض الانف/ ۱۷
۱۴۔ مسند احمد، ۱/۹۴
۱۵۔ قصص القرآن، ۱/۱۵۳
۱۶۔ تدبر قرآن، ۳/۸۸
۱۷۔ الانعام/۷۴
۱۸۔ قصص القرآن، ۱/۱۵۳
۱۹۔ مسلم، کتاب القدر، باب معنی كل مولود يولد على الفطرة، ۸/۵۲، مسند احمد، ۲/۲۷۵
۲۰۔ الانبیاء/۵۱
۲۱۔ البقرۃ/۲۶۰
۲۲۔ الانعام/۷۵
۲۳۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۰۲
۲۴۔ مریم/۴۱
۲۵۔ النساء/۱۶۳
۲۶۔ الانعام/۷۶۔۷۸
۲۷۔ تفہیم القرآن، ۱/۵۵۷
۲۸۔ تدبر قرآن، ۳/۹۸
۲۹۔ تدبر قرآن، ۳/۹۹
۳۰۔ قصص القرآن، ۱/۱۷۶۔۱۸۰
۳۱۔ مختصر ابن کثیر، ۱/۵۹۲
۳۲۔ تفہیم القرآن، ۱/۵۵۶
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ ایضاً
۳۵۔ الانعام/۷۴
۳۶۔ الانبیاء/۵۲
۳۷۔ مریم/۴۱۔۴۸
۳۸۔ الانبیاء/۵۲۔۵۶
۳۹۔ الشعراء/۶۹۔۸۲
۴۰۔ تدبر قرآن، ۳/۹۳

Marfat.com

۴۱۔ ایضاً
۴۲۔ الانعام/۷۶۔۷۹
۴۳۔ الانعام/۸۰۔۸۱
۴۴۔ الانعام/۸۳
۴۵۔ الانبیاء/۵۷۔۶۷
۴۶۔ الصافات/۹۱۔۹۶
۴۷۔ تدبر قرآن ۵/۱۶۲
۴۸۔ البقرہ/۲۵۸
۴۹۔ مریم/۴۶
۵۰۔ العنکبوت/۲۶
۵۱۔ الانبیاء/۶۸
۵۲۔ العنکبوت/۲۴
۵۳۔ الصفت/۹۷
۵۴۔ العنکبوت/۲۴
۵۵۔ الصفت/۹۸
۵۶۔ الانبیاء/۶۹۔۷۰
۵۷۔ الصفت/۹۹
۵۸۔ تفہیم القرآن،۴/۲۹۴
۵۹۔ العنکبوت/۲۶
۶۰۔ تفہیم القرآن،۴/۲۹۴
۶۱۔ الانبیاء/۷۲
۶۲۔ العنکبوت/۲۷
۶۳۔ تفہیم القرآن،۳/۲۹۴
۶۴۔ بائبل، پیدائش، (Genisis) ۱۶/۱۵،۱۶
۶۵۔ الصافات/۱۰۰،۱۰۱
۶۶۔ ابراہیم/۳۹
۶۷۔ بائبل، پیدائش، (Genisis) ۱۵/۲۔۴
۶۸۔ اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی "اظہار الحق" اور مولانا حمید الدین فراہی کی "النجیح فی من ھو الذبیح" میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔
۶۹۔ بائبل، پیدائش، (Genisis) ۱۷/۲۳۔۵۲
۷۰۔ بائبل، پیدائش، (Genisis) ۲۲/۱۔۲

۷۱۔ ایضاً،۲۲/۱۵۔۱۶
۷۲۔ ایضاً،۲۱/۱۴۔۱۶
۷۳۔ بائبل، پیدائش، (Genisis) ۲۱/۱۴۔۱۶
۷۴۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب یزفون النسلان... ۴/۱۱۳۔
۷۵۔ ایضاً،۴/۱۱۴
۷۶۔ ایضاً،۴/۱۱۴
۷۷۔ البقرہ/۱۲۷
۷۸۔ الصافات/۱۰۰۔۱۱۳
۷۹۔ فبشرنه بغلم حليم (الصافات/۱۰۱)
۸۰۔ وبشروه بغلام عليم۔ (الذريات/۲۸) لا توجل انا نبشرك بغلام عليم (الحجر/۵۳)
۸۱۔ الحمد لله الذى وهب لى على الكبر اسمعيل و اسحق۔ (ابراہیم/۳۹)
۸۲۔ الصافات/۱۱۳
۸۳۔ اس موضوع پر مختصر اور جامع بحث کے لئے دیکھئے تفہیم القرآن،۴/۲۹۷۔۳۰۱، تدبر قرآن،۶/۴۸۲
۸۴۔ البقرہ/۱۲۴
۸۵۔ العنکبوت/۲۷
۸۶۔ البقرہ/۱۲۷
۸۷۔ الحج/۲۶۔۲۹
۸۸۔ النحل/۱۲۰۔۱۲۱
۸۹۔ تدبر قرآن،۴/۲۶۰
۹۰۔ الممتحنہ/۴
۹۱۔ البقرہ/۱۳۰۔۱۳۱
۹۲۔ البقرہ/۱۲۹۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادرزادہ ہیں۔ان کے والد کا نام ہاران [1] تھا۔لوطؑ کا بچپن ابراہیمؑ کے زیر سایہ گذرا تھا اسی لئے وہ دعوت ابراہیمی کے مومن تھے اور ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کرنے والے مختصر قافلے میں شامل تھے۔قرآن مجید میں ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ. وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (۲)

پھر ابراہیمؑ پر لوط ایمان لائے اور کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بلاشبہ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

آپ حضرت ابراہیمؑ کی ایک مدت تک معاونت کرتے رہے اور شام، فلسطین اور مصر میں دعوتی سرگرمیوں میں حضرت ابراہیمؑ کا ساتھ دیتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرما کر اہلِ سدوم کی اصلاح کی ذمہ داری سونپی۔

ابراہیمؑ کی فرشتوں کے ساتھ جو گفتگو قرآن نے نقل کی ہے۔اسی میں لوطؑ کے بارے میں ابراہیمؑ کی فکرمندی کا ذکر ملتا ہے۔(۳) مزید کہا:

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (۴)

اور لوط کو ہم نے حکم اور علم بخشا۔

ابراہیمؑ کی فکرمندی کا تذکرہ سورہ ھود میں بھی ہے، قرآن بیان کرتا ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ (۵)

اسی طرح پھر جب ابراہیمؑ کی گھبراہٹ دور ہوئی اور بشارت سے دل خوش کیا گیا تو اس نے قوم لوطؑ کے مقابلہ میں ہم سے جھگڑا شروع کیا۔

قومِ لوط

قوم لوطؑ سے لوطؑ کا کیا رشتہ تھا۔قرآن نے اس کی کچھ وضاحت نہیں کی صرف یہ کہ اس قوم کے لئے قوم لوط کا لفظ استعمال کیا۔لوطؑ چونکہ اس قوم کی اصلاح پر مامور تھے اس لئے ان کے لئے لوطؑ کا حوالہ استعمال کیا گیا۔

Marfat.com

یہ قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جسے آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے اور عراق و فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ بائبل میں اس قوم کے مرکزی شہر کا نام سدوم بتایا گیا ہے۔ (۶) تالمود میں ہے کہ سدوم کے علاوہ ان کی دیگر بستیاں بھی تھیں اور یہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا جس میں میلوں تک باغ ہی باغ تھے۔ آج کل جہاں بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں یہ بستیاں آباد ہوں گی اور عذاب الٰہی کے بعد یہ بستیاں اپنے شاداب علاقے سمیت اس سمندر کا حصہ بن گئیں۔

لوطؑ کی دعوت

لوطؑ کی عمومی دعوت تو توحید ہی کی دعوت تھی لیکن خصوصی دعوت کا تعلق اس قوم کے دو جرائم سے تھا اور لوطؑ انہی کے حوالے سے اپنی قوم کو خطاب کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ دو جرائم ہیں: ہم جنس پرستی اور رہزنی۔ قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۝ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ۔ (۷)

کیا تمہارا یہ حال ہے کہ تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے عبدالوہاب نجار کے حوالے سے لکھا ہے کہ اہلِ سدوم کی عادت یہ تھی کہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک انوکھے اور اچھوتے انداز سے لوٹتے تھے۔ چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیز اٹھاتا اور چل دیتا اور تاجر بےچارہ حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا۔ اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا۔ لو تمہاری یہ چیز موجود ہے۔ وہ رنجیدہ آواز میں کہتا میں اس کو لے کر کیا کروں گا۔ جب میرا سارا مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی۔ جا تو ہی اپنے پاس رکھ جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی چیز دکھا کر وہی کچھ کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج و غم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا۔ اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔ (۸)

ان کا خاص جرم ہم جنس پرستی تھا اور اسے کھلے عام کرتے تھے۔ سورہ عنکبوت کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ سورہ اعراف کے الفاظ ملاحظہ کریں:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (۹)

اور یاد کرو وہ وقت جب لوط نے اپنی قوم سے کہا، تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو۔ کیا تمہارا یہی چلن

Marfat.com

ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے جاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو۔

قرآن نے دیگر مقامات پر بھی ان کے اس جرم کا ذکر کیا ہے:

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (۱۰)

کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (۱۱)

اور لوطؑ کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: "کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بہت ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔

سورہ انبیاء میں ان کے بداعمالی کو عام پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ (۱۲)

اور اسے اس بستی سے بچا کر نکال دیا جو بدکاریاں کرتی تھی۔ درحقیقت وہ بڑی ہی بری فاسق قوم تھی۔

انداز تبلیغ و دعوت

انبیاء سابقین کی طرح حضرت لوطؑ نے بھی ہمدردی، خیر خواہی اور بے لوثی سے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ قرآن مجید نے ان کے ضمن میں نقل کیا ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳)

یاد کرو جب کہ ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا تھا، کیا تم ڈرتے نہیں، میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

چونکہ قوم جرائم پیشہ تھی اس لئے لوطؑ کے انداز دعوت میں انداز کا پہلو غالب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کار دعوت میں تنہا ہیں بلکہ بے بسی کی کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کے ہاں آتے ہیں

Marfat.com

اور پوری قوم ان کے گھر پر حملہ آور ہوتی ہے تو قرآن اس صورت حال کی تصویر کشی جن الفاظ میں کرتا ہے اس سے لوطؑ کا اضطراب اور بے یار و مددگار ہونا مبرھن ہوتا ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ هٰؤُلَاءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ. اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ○ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَالَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ. وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ○ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ [۱۴]

لوطؑ نے ان سے کہا بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ تجھے تو معلوم ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوطؑ نے کہا: کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں سیدھا کر دیتا یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا کہ میں اس کی پناہ لیتا۔

تاہم لوطؑ نے اپنا مشن جاری رکھا اور اس بدکار قوم کو مسلسل ٹوکتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔

دعوت کا ردِ عمل

یہ قوم اپنے غلیظ افعال میں اس قدر گھری ہوئی تھی کہ اسے خیر کی کوئی بات قابل قبول نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قول و فعل سے لوطؑ کی دعوت کا رد کیا۔ قرآن ان کے ردِ عمل کو نقل کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ [۱۵]

پھر کوئی جواب اس کی قوم کے پاس اس کے سوا نہ تھا کہ انہوں نے کہا:

لے آ اللہ کا عذاب اگر تو سچا ہے۔

ان کا عملی جواب وہی تھا جسے اوپر نقل کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجر میں اسے ذرا مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ معاملہ وہی فرشتوں کا لڑکوں کی صورت میں آنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ قَالَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ○ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ قَالَ هٰؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ [۱۶]

اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بے تاب ہو کر لوطؑ کے گھر چڑھ آئے۔ لوطؑ نے کہا بھائیو! یہ میرے مہمان ہیں۔ میری فضیحت نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے: کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے کہ دنیا بھر کے ٹھیکے دار نہ بنو۔ لوطؑ نے عاجز ہو کر کہا: اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔

قوم کا گناہوں پر اصرار تھا جو جارحیت کی شکل میں ظاہر ہو رہا تھا۔ قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے:

Marfat.com

لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (۱۷)

تیری جان کی قسم اے نبی! اس وقت ان پر نشہ چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ. اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ (۱۸)

اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے، بڑے پاک باز بنتے ہیں۔

سورۃ الشعراء میں قوم لوط کی تکذیب کا ذکر ہوا ہے:

کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ (۱۹)

لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔

قوم نے صرف تکذیب ہی نہیں کی اور پاکیزگی کا ہی مذاق نہیں اڑایا بلکہ بستی سے نکالنے کی دھمکی بھی دی۔ سورہ اعراف کا بیان ابھی گذرا ہے۔ سورہ شعراء کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ (۲۰)

انہوں نے کہا اے لوط اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا جو لوگ ہماری بستیوں سے نکالے گئے ہیں ان میں تو بھی شامل ہو کے رہے گا۔

سورہ النمل میں بھی یہ مضمون آیا ہے:

فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْیَتِکُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ (۲۱)

مگر اس قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا: نکال دو لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے، یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔

لوطؑ کی دعا

قرآن کے سیاق و سباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوطؑ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تھے اور ان کے کرتوتوں پر شدید مضطرب تھے۔ چونکہ اصلاح کی کوئی صورت بنتی نظر نہیں آتی تھی اس لئے انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تاکہ ان سے نجات ملے۔ قرآن نے ان کے تبصرہ اور دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ o رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ (۲۲)

لوطؑ نے کہا: تمہارے کرتوتوں پر جو لوگ کڑھ رہے ہیں میں ان میں شامل ہوں۔ اے پروردگار، مجھے اور میرے اہل و عیال کو ان بدکرداروں سے نجات دے۔

سورہ عنکبوت میں ہے:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ (۲۳)

اے میرے رب ان مفسدوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

Marfat.com

اللہ نے اپنی سنت کے مطابق لوطؑ کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کی قوم کا انتظام فرما دیا۔ سنت اللہ یہ ہے کہ قوم نبی پر ایمان لائے تو فلاح پائے اور اگر انکار کرے تو نبی ہجرت کر جاتا ہے یا قوم پر عذاب آ جاتا ہے۔ انکار کا نتیجہ تباہی ہے ایسا نبی کے سامنے میں بھی ہو سکتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں بھی۔

قومِ لوط کا انجام

حضرت لوطؑ کی قوم کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کی صورت میں بھیجا تا کہ قوم کو آزمائش کا آخری موقعہ بھی میسر آئے۔ تاہم اس بدبخت قوم نے اس موقعہ کی نزاکت کو نہ سمجھا اور اپنی مجرمانہ روش کے اظہار میں کوئی کوتاہی نہ کی، نتیجہ تباہی تھا۔ اس قوم کا نام ونشان مٹ گیا اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئی۔ قرآن نے جن مواقع پر لوطؑ کا واقعہ بیان کیا ہے وہاں ان کے انجام کا تذکرہ موجود ہے۔ ذیل میں ان آیات کو نقل کرتے ہیں جن میں اس انجام کو بیان کیا گیا ہے:

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ (۲۴)

آخر کار ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی، بچا کر نکال دیا اور اس قوم پر برسائی ایک بارش (۲۵) پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

سورہ ھود میں انجام ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرشتے پہلے ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انہیں بیٹے کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی بتایا کہ وہ قوم لوط کا انتظام کرنے آئے ہیں جس پر ابراہیمؑ نے فکرمندی کا اظہار کیا تھا اور جس کے جواب میں انہیں تسلی دی گئی کہ لوطؑ اور اس کے مومنین کی فکر نہ کرو البتہ اس قوم کے بارے میں اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ قرآن نے اس بات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ (۲۶)

اے ابراہیمؑ اس سے باز آ جاؤ۔ تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں پر عذاب آ کر رہے گا جو کسی کے پھیرے نہیں پھر سکتا۔

یہ فرشتے جب لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ بہت دلگیر ہوئے۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ (۲۷)

جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو ان کی آمد سے وہ بہت گھبرایا اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔

تاہم فرشتوں نے انہیں تسلی دی کہ وہ نہ گھبرائیں یہ لوگ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ ان کا معاملہ صاف ہو جائے گا۔

Marfat.com

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ. اِنَّهٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ. اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ. مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّکَ. وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ (۲۸)

تب فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے لوطؑ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ، تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس تو کچھ رات رہے اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل جا۔ اور دیکھو، تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں جائے گی) کیونکہ اس پر بھی وہی کچھ گذرنے والا ہے جو ان پر گذرنا ہے ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے، صبح ہوتے اب دیر ہی کتنی ہے۔ پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں۔

سورہ حجر میں اسے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰکَ بِمَا کَانُوْا فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَیْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَھُمْ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَیْنَآ اِلَیْهِ ذٰلِکَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ ھٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِیْنَ (۲۹)

پھر جب یہ فرستادے لوط کے ہاں پہنچے تو اس نے کہا: آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں لہذا اب تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو۔ تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے۔ بس سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اسے ہم نے اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

سورہ حجر میں اس کے بعد قوم کے دھاوا بولنے کا ذکر ہے۔ جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ازاں بعد عذاب الٰہی کا بیان ہے:

فَاَخَذَتْھُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ (۳۰)

آخر کار پو پھٹتے ہی ان کو ایک زبردست دھماکے نے آ لیا اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر کے رکھ دیا اور ان

Marfat.com

پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش کردی۔

اس انجام کا تذکرہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بھی ہے:

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ. قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا. فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (۳۱)

آخرکار ہم نے بچالیا اس کو اور اس کے گھر والوں کو بجز اس کی بیوی کے جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے طے کردیا تھا اور برسائی ان لوگوں پر ایک برسات۔ بہت ہی بری برسات تھی وہ، ان لوگوں کے حق میں جو متنبہ کئے جاچکے تھے۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ. اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ۝ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ (۳۲)

پھر جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی آمد پر وہ سخت پریشان اور دل تنگ ہوا انہوں نے کہا: نہ ڈرو اور نہ رنج کرو ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے تمہاری بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں، اس فسق کی بدولت جو یہ کرتے رہے ہیں۔

عذاب کی صورت

قرآن کے مجموعی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شدید زلزلے سے یہ سارا علاقہ تباہ ہوگیا اور اس کا امکان ہے کہ اوپر سے شہاب ثاقب بھی گرے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آتش فشانی انفجار (Volcanic Eruption) کی بدولت زمین سے پتھر نکل کر اڑے ہوں اور پھر ان پر بارش کی طرح برس گئے ہوں گے۔ (۳۳)

سید مودودیؒ سورہ ھود آیت ۸۲ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"غالباً یہ عذاب ایک سخت زلزلے اور آتش فشانی انفجار کی شکل میں آیا تھا۔ زلزلے نے ان کی بستیوں کو تل پٹ کیا اور آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ان کے اوپر زور کا پتھراؤ ہوا۔ پکی مٹی کے پتھروں سے مراد شاید وہ متحجر مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیر زمین حرارت اور لاوے کے اثر سے پتھر کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ آج تک بحر لوط کے جنوب اور مشرق کے علاقے میں اس انفجار کے آثار نمایاں ہیں۔ (۳۴)

سید مودودیؒ مزید لکھتے ہیں:

" بائبل اور قدیم یونانی و لاطینی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی علاقے میں جگہ جگہ نفط (پٹرول) اور اسفالٹ کے گڑھے تھے اور بعض بعض جگہ زمین سے آتش گیر گیس بھی نکلتی تھی۔ اب بھی وہاں زیر زمین

Marfat.com

پٹرول اور گیسوں کا پتہ چلتا ہے۔ طبقات الارضی مشاہدات سے اندازہ کیا گیا ہے کہ زلزلے کے شدید جھٹکوں کے ساتھ پٹرول، گیس اور اسفالٹ زمین سے نکل کر بھڑک اٹھے اور سارا علاقہ بھک سے اڑ گیا۔ (۳۵)

بائبل میں اس عذاب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی اور اس نے ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غارت کیا۔ (۳۶)

بائبل میں ابراہیمؑ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اسی جگہ سے دھواں اٹھتا دیکھا:

اور ابراہام صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا اور اس نے سدوم اور عمورہ اور اس ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں۔ (۳۷)

بائبل کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی میں دس مومن بھی نہ تھے ورنہ ابراہیمؑ کی گزارش پر اس بستی پر عذاب نہ آتا۔ (۳۸) لوط نے اپنے ہونے والے دامادوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ (۳۹)

بائبل اور قرآن دونوں متفق ہیں کہ لوطؑ کی بیوی نجات پانے والوں میں شامل نہ تھی البتہ تفصیلات کا فرق ہے۔ قرآن کے مطابق وہ کافرہ تھی اور اہلِ شہر سے ہمدردیاں رکھتی تھی اس لئے اسے ساتھ نہیں لیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (۴۰)

اللہ کافروں کے معاملہ میں نوح اور لوط کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

قرآن نے اس کے لئے " من الغابرین " یعنی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساتھ تو گئی تھی لیکن منع کرنے کے باوجود اس نے مڑ کر دیکھا:

مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے سے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔ (۴۱)

گو سورہ ھود اور الحجر میں " ولا یلتفت منکم احد " کے الفاظ قرآن اور بائبل میں مشترک ہیں تاہم ان میں نمک کے ستون کی بات نہیں ہے۔ غالباً لوطؑ نے اس قوم میں شادی کی تھی اور یہ عورت اپنی قوم سے پختہ وابستگی رکھتی تھی اسی لئے ایمان نہ لاسکی۔ قرآن اس کی اخلاقی کمزوری کا ذکر کہیں نہیں کرتا۔

Marfat.com

قرآن چونکہ تاریخ دعوت بیان کرتا ہے اس لئے واقعات کی صرف وہ کڑیاں بتاتا ہے جن کا تعلق دعوت اوراس کے نتائج سے ہے۔ بائبل تفصیلات مہیا کرتے ہوئے بعض ناروا تفاصیل بھی بیان کرتی ہے۔ مثلاً قوم کی تباہی اورلوطؑ کی نجات کے بعد یہ بیان ہے کہ لوطؑ کی بیٹیوں نے باپ کوشراب پلا کر باری باری اس سے ہم بستری کی اوراس سے نسل پیدا کی۔ (۴۲)

قرآن نے صرف نجات کی بات کی اور مجرمین کی تباہی پر معاملہ اختتام پذیر ہوا۔ قرآن اس جانب توجہ دلاتا ہے کہ لوطؑ کی قوم خبیث عمل کی وجہ سے تباہ کردی گئی۔ قرآن نے اسے عمل خبیث اور فاحشہ کہا ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ قوم لوط سے پہلے اس جرم کا ارتکاب کسی انسان نے نہیں کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کی سنگینی کی وضاحت کے لئے سید مودودیؒ کا وہ نوٹ نقل کردیا جائے جوانہوں نے سورہ اعراف کی آیت ۸۰ کے تحت لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

" یہ قابل نفرت فعل جس کی بدولت اس قوم نے شہرت حاصل کی ہے اس کے ارتکاب سے تو بدکردار انسان کبھی باز نہیں آئے لیکن یہ فخر صرف یونان کو حاصل ہے کہ اس کے فلاسفہ نے اس گھناؤنے جرم کو اخلاقی خوبی کے مرتبے تک اٹھانے کی کوشش کی اوراس کے بعد جوکسر رہ گئی تھی اسے موجودہ یورپ نے پورا کیا کہ علانیہ اس کے حق میں زبردست پروپیگنڈہ کیا گیا یہاں تک کہ ایک ملک (جرمنی) کی پارلیمنٹ نے اسے باقاعدہ جائز ٹھہرایا حالانکہ یہ بالکل ایک صریح حقیقت ہے کہ مباشرت ہم جنس قطعی طور پر وضع فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ذی حیات انواع میں نر و مادہ کا فرق محض تناسل اور بقائے نوع کے لئے رکھا ہے اور نوع انسان کے اندراس کی مزید غرض یہ بھی ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد مل کر ایک خاندان وجود میں لائیں اوراس سے تمدن کی بنیاد پڑے۔ اسی مقصد کے لئے مرد اور عورت دو الگ الگ صنفیں بنائی گئی ہیں۔ ان میں ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پیدا کی گئی ہے۔ ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے جواب میں مقاصد زوجیت کے لئے عین مناسب بنائی گئی ہے اوران کے جذب وانجذاب میں وہ لذت رکھی گئی ہے جوفطرت کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے بیک وقت داعی ومحرک بھی ہے اوراس خدمت کا صلہ بھی۔ مگر جوشخص فطرت کی اس اسکیم کے خلاف عمل کر کے اپنے ہم جنس سے شہوانی لذت حاصل کرتا ہے وہ ایک ہی وقت میں متعدد جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اولاً وہ اپنی اوراپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی ترکیب سے جنگ کرتا ہے اوراس میں خلل عظیم برپا کردیتا ہے جس سے دونوں کے جسم، نفس اور اخلاق پر نہایت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ثانیاً وہ فطرت کے ساتھ غداری وخیانت کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ فطرت نے جس لذت کو نوع اور تمدن کی خدمت کا صلہ بنایا تھا اور جس کے حصول کو فرائض اور ذمہ داریوں اور حقوق کے ساتھ وابستہ کیا تھا وہ

Marfat.com

اسے کسی خدمت کی بجا آوری اور کسی فرض اور حق کی ادائیگی اور کسی ذمہ داری کے التزام کے بغیر چرالیتا ہے۔ ثانیاً وہ انسانی اجتماع کے ساتھ کھلی بددیانتی کرتا ہے کہ جماعت کے قائم کیے ہوئے تمدنی اداروں سے فائدہ تو اٹھالیتا ہے مگر جب اس کی اپنی باری آتی ہے تو حقوق اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے بجائے اپنی قوتوں کو پوری خودغرضی کے ساتھ ایسے طریقہ پر استعمال کرتا ہے جو اجتماعی تمدن و اخلاق کے لئے صرف غیر مفید ہی نہیں بلکہ ایجاباً مضرت رساں ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسل اور خاندان کی خدمت کے لئے نااہل بناتا ہے، اپنے ساتھ کم از کم ایک مرد کو غیر طبعی زنانہ پن میں مبتلا کر دیتا ہے اور کم از کم دو عورتوں کے لئے بھی صنفی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (۴۴)

حضرت لوطؑ کی دعوت اسی اخلاقی برائی اور گھناؤنے انسانی جرم کے خلاف اصلاح و تطہیر کی دعوت تھی۔ جب تک انسان اس جرم کی طرف راغب ہوتا رہے گا اس وقت تک لوطؑ کی دعوت راہنمائی کا کام دیتی رہے گی اور قوم لوط کا انجام عبرت کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کبھی کبھار صرف ایک مسئلہ اتنا اہم ہوتا ہے کہ اس پر پوری قوم کی بقا اور اس کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں ہم جنس پرستی ایک مرتبہ پھر ایجنڈے پر ہے اور سکولر دباؤ کے تحت مختلف معاشروں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہے۔ اس لئے لوطؑ کی دعوت، ان کا تذکرہ، اور ان کی قوم کا خوفناک انجام بار بار دہراتے رہنا چاہیے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اس کی سنگینی کا ادراک کر سکیں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ پیدائش (Genesis)،۱/۸
۲۔ العنکبوت/۲۶
۳۔ العنکبوت/۳۲
۴۔ الانبیاء/۷۴
۵۔ ھود/۷۴
۶۔ پیدائش (Genesis)،۱۲/۱۲۔۱۳
۷۔ العنکبوت/۲۹
۸۔ قصص القرآن،۱/۲۵۸
۹۔ النمل/۵۴۔۵۵
۱۰۔ الشعراء/۱۶۵۔۱۶۶
۱۱۔ اعراف/۸۰۔۸۱
۱۲۔ الانبیاء/۷۴
۱۳۔ الشعراء/۱۶۱۔۱۶۴
۱۴۔ ھود/۷۸۔۸۰
۱۵۔ العنکبوت/۲۹
۱۶۔ الحجر/۶۷۔۷۱
۱۷۔ الحجر/۷۲
۱۸۔ الاعراف/۸۲
۱۹۔ الشعراء/۱۶۰
۲۰۔ الشعراء/۱۶۷
۲۱۔ النمل/۵۶
۲۲۔ الشعراء/۱۶۸۔۱۶۹
۲۳۔ العنکبوت/۳۰
۲۴۔ الاعراف/۸۳۔۸۴
۲۵۔ اس بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے اور یہ لفظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔
۲۶۔ ھود/۷۶
۲۷۔ ھود/۷۷
۲۸۔ ایضاً/۸۱۔۸۳
۲۹۔ الحجر/۶۱۔۶۶
۳۰۔ ایضاً/۷۳۔۷۴
۳۱۔ النمل/۵۷۔۵۸
۳۲۔ العنکبوت/۳۳۔۳۴
۳۳۔ تفہیم القرآن،۲/۵۱۴
۳۴۔ ایضاً،۲/۳۵۹
۳۵۔ ایضاً ۳/۵۳۰۔۵۳۱
۳۶۔ پیدائش (Genesis)،۱۹/۲۵۔۲۶
۳۷۔ ایضاً،۱۹/۲۷۔۲۸
۳۸۔ ایضاً۱۸/۲۵۔۳۳
۳۹۔ ایضاً،۱۹/۱۴
۴۰۔ التحریم/۱۰: یہاں خیانت سے مراد اخلاقی نہیں بلکہ کافرانہ ہے۔
۴۱۔ پیدائش (Genesis)،۱۹/۳۰۔۳۸
۴۲۔ ایضاً ،۱۹/۳۰۔۳۸
۴۳۔ تفہیم القرآن،۲/۵۲

☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت یوسف علیہ السلام
شخصیت اور دعوت
داعی کے اوصاف اور مشکلات

قرآن پاک کی ایک مستقل سورت حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے۔اس کے علاوہ دو جگہوں پر ان کا تذکرہ آیا ہے۔ایک جگہ ابراہیمؑ کی ذریت میں ان کا نام آیا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَ يَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ. وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۱)

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ وہارون کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

دوسری جگہ سورۃ مومن میں آلِ فرعون کی تقریر کے ضمن میں یوسفؑ کا تذکرہ آیا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (۲)

اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے۔یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگئے تو تم کہنے لگے اللہ اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔

یوسفؑ کی شخصیت، ان کی آزمائش، ان کے اوصاف اور ان کی دعوت کا مفصل بیان سورہ یوسف میں موجود ہے۔اسے قرآن نے احسن القصص (۳) کہا ہے۔

عبداللہ بن عمر کے ذریعہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراھیم (۴)

یعنی یوسفؑ چار پشتوں سے کرامت نبوت سے سرفراز ہیں۔

Marfat.com

ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اکرم الناس یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ (۵)

تمام لوگوں سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسفؑ جن کے والد نبی، ان کے والد نبی اور ان کے والد خلیل اللہ ابراہیمؑ ہیں۔

یوسفؑ کی شخصیت میں داعی کے اوصاف کی سچی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دعوت کے سلسلے میں شخصیت کی پختگی اور پاکیزگی ایک اہم تقاضا ہے اس پختگی کی ایک راہ آزمائش ہے۔ آزمائش کارِ نبوت کا ایک اہم باب ہے۔ ایک داعی کے لئے اس میں عبرتوں اور نصیحتوں کے بڑے سامان موجود ہیں۔ یوسفؑ کے اوصاف جلیلہ اور فضائل اخلاقیہ رہنمائی کا اہم ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی داعی کا موثر سلاح ہے جو اس واقعہ میں ہر جگہ جھلکتی نظر آتی ہے۔

آزمائش

آزمائش بظاہر تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن اس سے راہیں کھلتی ہیں اور مستقبل کے مخفی امکانات کی عملی تشکیل شروع ہوتی ہے۔ آزمائش کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارات ملتے ہیں اور استقامت کی صورت میں طمانیت حاصل ہوتی اور آسانیاں میسر آتی ہیں۔

آزمائش کا پہلا مرحلہ

برادران یوسف کو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے اور اس کی ظاہری وجہ حضرت یعقوبؑ کی ان سے زیادہ محبت تھی لیکن فی الحقیقت ان کی شخصیت میں نورِ نبوت کی چمک تھی جس کے باعث وہ باپ کو عزیز تر تھے۔ آزمائش کے پہلے مرحلے کا آغاز خواب سے ہوتا ہے۔ یوسفؑ ایک خواب دیکھتے ہیں اور یعقوبؑ اسے سننے کے بعد نصیحت کرتے ہیں کہ اسے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ بائبل کے مطابق خواب بیان کرنے کا واقعہ بھائیوں اور باپ دونوں کے سامنے پیش آیا۔ (۶) جبکہ قرآن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خواب کا بیان یعقوبؑ سے علیحدگی میں ہوا۔ بائبل کے مطابق یعقوبؑ نے یوسفؑ کو تنبیہ کی جبکہ قرآن کا انداز پسندیدگی اور خیر خواہی کا ہے۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِيْنَ ○ قَالَ يٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۗ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ

Marfat.com

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ. اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۸)

جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا کہ ابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ کردے گا اور خواب کی باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور جس طرح اس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

برادران یوسفؑ کا رویہ حسد پر مبنی تھا اور یعقوبؑ نے اس جانب بھی اشارہ کیا لہذا انہوں نے منصوبہ بندی کی کسی طرح یوسفؑ کو ٹھکانے لگایا جائے۔ قرآن کے مطابق انہوں نے واضح طور پر کہا کہ والد غلطی پر ہیں کیونکہ وہ یوسف کو زیادہ پیار کرتے ہیں۔(۹)

اس منصوبہ بندی میں دو تجویزیں زیر غور تھیں۔ ایک یہ کہ یوسف کو قتل کر دیا جائے اور دوسری یہ کہ اسے دور کسی ملک میں پھینک دیا جائے تاکہ اس کی غیر موجودگی میں باپ کی توجہ حاصل ہو سکے۔(۱۰) تیسری تجویز بھی پیش کی گئی کہ اسے کسی گہرے کنویں میں ڈال دیا جائے تاکہ کوئی راہ گیر اسے نکال کرلے جائے۔(۱۱) اس کے بعد وہ والد کے پاس گئے اور انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے تاکہ وہ باہر کے میوے دار کھانے بھی کھائے اور کھیل کود بھی لے۔ قرآن کے مطابق یعقوبؑ نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ تم جنگل میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو کر یوسف سے غافل ہو جاؤ گے اور بھیڑیا اسے پھاڑ نہ کھائے۔(۱۲) انہوں نے باپ کو تسلی دی کہ ایسا نہیں ہو سکتا ایک طاقتور جماعت کی موجودگی میں بھیڑیا کیسے کھا سکتا ہے۔ وہ والد کو آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یوسفؑ کو اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ بحث و تمحیص کے بعد بالآخر انہوں نے تیسری تجویز پر عمل کیا اور یوسفؑ کو کنویں میں پھینک دیا اور والد کو آکر بتایا کہ وہ کھیل کود میں مصروف تھے کہ بھیڑیا آیا اور یوسفؑ کو کھا گیا اور یوسفؑ کی خون آلود قمیص باپ کے سامنے پیش کر دی۔ جس پر یعقوبؑ نے کہا کہ تم کہانی بنالائے ہو حقیقت حال کچھ اور ہے تاہم وہ اس مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔(۱۴) بائبل کی تفصیلات قرآنی بیان سے ملتی جلتی ہیں تاہم اس میں قمیض کے بجائے کوٹ کا ذکر ہے اس پر بکری کے بچے کا خون لگا کر باپ کے پاس لائے اور کہا:

Know now whether it be thy son's coat or not (۱۵)

بالآخر بھائیوں نے اسے کنویں میں چھوڑ دیا تاکہ کوئی راہ گذر اسے لے جائے۔ بائبل اسمٰعیلی اور مدائنی تاجروں کا ذکر کرتی ہے لیکن پورے بیان میں ابہام اور الجھاؤ ہے اس کے مطابق مدائنی گروہ یوسفؑ کو کنویں سے اٹھاتا ہے اور اسمٰعیلی گروہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس سے پہلے یہوداہ کا بیان نقل کرتی ہے جو بیچنے کا مشورہ دیتا ہے۔(۱۶)

Marfat.com

قرآن صرف کاروان کا ذکر کرتا ہے جس کے لوگ یوسفؑ کو کنویں میں پڑا پاتے ہیں اور نکالتے ہیں۔ قرآن نے کنویں میں پھینکنے اور بیچنے کے واقعہ کو بصیرت افروز انداز سے بیان کیا ہے:

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ. وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۱۷)

غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم ان کے اس سلوک سے ان کو آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی کچھ خبر نہ ہوگی۔

قافلے والوں کی دریافت اور یوسفؑ کو بیچنے کا واقعہ قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ. وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ. وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ (۱۸)

خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے نزدیک ایک قافلہ وارد ہوا اور انہوں نے پانی کے لئے اپنا سقا بھیجا اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا (تو یوسفؑ اس سے لٹک گئے) وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا اور اس کو تھوڑی قیمت (یعنی) معدود چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس بارے میں کچھ لالچ نہ تھا۔ (۱۹)

بائبل نے چاندی کے بیس سکوں کا ذکر کیا ہے۔(۲۰) بائبل کے مطابق یوسفؑ کی مشکل یہاں ختم نہیں ہوئی بلکہ آگے چل کر مزید بکنا تھا۔ قرآن مصر میں بکنے کی تفصیل میں جانے کے بجائے صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ سوداگروں نے اسے سستا بیچ دیا اور مزید بیان کرتا ہے کہ مصر میں خریدنے والے شخص نے اپنی عورت کو نصیحت کی کہ اس کی نگہداشت کرو یہ ہمارے لئے نفع بخش ہوگا۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا. وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ. وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۱)

اور مصر میں جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں جگہ دی۔ غرض یہ تھی کہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

بائبل میں مصر میں بکنے کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

Marfat.com

Joseph was brought down to Egypt and Patiphar, an officer of Pharoah, captain of the guard, an Egyptian brought him of the hands of the Ishmeelites, which had brought him down thither.[۲۲]

قرآن نے یہاں "تمکن فی الارض" کا جملہ استعمال کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی کا مظہر ہے۔ برادران یوسف نے حسد سے ٹھکانے لگانے کی منصوبہ بندی کی۔ وہ بیچ کر فارغ ہو گئے تاجروں نے بھی اپنا نفع کما لیا اور بے تعلق ہو گئے۔ مصری خریدار اپنی منفعت کا سوچتا ہے، بیٹا بنانے کا مقصد بھی مادی منفعت ہے جبکہ مشیت ایزدی انہیں کسی اور کام کے لئے تیار کر رہی تھی اور یہ سب اسی راہ کے مختلف تربیتی مراکز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اس مقام پر علم الٰہی کا ذکر خاص طور پر کرتا ہے جو انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا. وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (۲۳)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

آزمائش کا دوسرا مرحلہ

آزمائش کا پہلا مرحلہ خالص مادی وجسمانی تھا کیونکہ اس میں زندگی کو خطرہ تھا اور ظاہری آزادی کی قربانی تھی جبکہ دوسرے مرحلہ میں ظاہری غلامی تھی لیکن اس میں زندگی کو تحفظ تھا۔ دوسرے مرحلے تک پہنچتے ہوئے شعور کی پختگی میسر آ گئی تھی۔ علم الٰہی اور حکمت خداوندی کے نتیجے میں ایک روحانی واخلاقی شخصیت کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ اس لئے اس مرحلے کی آزمائش کا تعلق اخلاقی پہلو سے ہے۔ عفت، اخلاقی زندگی کی اساس ہے۔ اس کے تباہ ہونے سے اخلاقی شخصیت تباہ ہو جاتی ہے اور صرف حیوانی وجود باقی رہ جاتا ہے جس کی موت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ یوسفؑ جواب حکمتِ خداوندی اور علم الٰہی سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور نبوت کے نور نے ان کے ظاہری حسن کو مزید چمک دمک بخشی تھی، دلکشی اور جاذبیت کا حسین نمونہ تھے۔ اس مرتبہ جو آزمائش آئی اس کے اثرات دوررس تھے۔ ہوا یوں کہ خاتونِ خانہ ان کی شخصیت پر فریفتہ ہو گئی اور اسے جسمانی تعلق کے دام میں پھنسانے کا عملی اقدام کر بیٹھی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ انبیاء کی حفاظت کرتا ہے اس لئے اس مرحلے پر بھی انہیں بچا لیا گیا۔ قرآن نے عورت کا نام نہیں لیا بلکہ اسے امراۃ العزیز کہا۔ بائبل میں بھی نام نہیں ہے۔ اس عورت نے یوسفؑ کو پھنسانے کے لئے دو طریقے اختیار کئے ایک براہ راست آمادہ کرنے کا اور دوسرا اعلیٰ خاندان کی بیگمات کو مدعو کر کے ان کے ذریعے سے اپنی محبت کا جال پھیلانے کا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مواقع پر ان کی حفاظت کی۔ ایسا لگتا ہے کہ خاتونِ خانہ نے آہستہ آہستہ رام کرنے کی منصوبہ بندی کی لیکن حکمت نبوت سے سرفراز شخصیت اس جال سے محفوظ رہی۔ بائبل میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے کہ یوسفؑ کو سارے معاملات کا مختار بنا دیا گیا تھا حتیٰ کہ گھر کا انتظام بھی انہی کے سپرد تھا کیونکہ مالک نے ان کی وجہ

Marfat.com

سے ماحول میں خیر و برکت محسوس کی تھی۔ (۲۴) قرآن نے ان دونوں واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ. قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رَبِّيْ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۲۵)

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی: یوسف جلدی آؤ۔ انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ میرے آقا نے تو اچھی منزلت بخشی اور میں یہ کام کروں، ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔ اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور وہ اس کا قصد کرتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ایسا اس لئے ہوا کہ ہم اس برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔

قرآن مزید کہتا ہے:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ. قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا. اِنْ كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ (۲۶)

یوسفؑ آگے اور وہ پیچھے دروازے کی طرف بھاگے اور اس نے پیچھے سے یوسفؑ کا قمیص (کھینچ کر) پھاڑ دیا۔ دروازے پر دونوں نے اس کے شوہر کو موجود پایا اسے دیکھتے ہی عورت کہنے لگی: " کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری گھر والی پر نیت خراب کرے؟ اس کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے۔" یوسفؑ نے کہا: " یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی"۔ اس عورت کے اپنے کنبہ والوں میں سے ایک شخص نے (قرینے کی) شہادت پیش کی کہ اگر یوسفؑ کا قمیص آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا؟ جب شوہر نے دیکھا کہ یوسفؑ کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا، یوسف! اس معاملے سے درگزر کر اور اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ تو ہی اصل میں خطاکار تھی۔

بائبل میں اس قصے کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

تب اس عورت نے اس کا پیراہن پکڑا اور کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ

Marfat.com

میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ دیکھو وہ ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کے لئے ہمارے پاس لے آیا ہے۔ یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر گھس آیا اور میں بلند آواز سے چلانے لگی۔ جب اس نے دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں تو اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا اور وہ اس کا پیراہن اس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھے رہی۔ جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانے میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا۔ (۲۷)

اس واقعہ کا جب چرچا ہوا تو شہر کی عورتوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کے عشق میں مبتلا ہے۔ اس خاتون نے اعلیٰ خاندانوں کی بیگمات کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا تاکہ ان کے سامنے اس غلام کو پیش کرے جس کے عشق میں وہ گھلی جا رہی تھی۔ یوسفؑ کے لئے اس مرحلے کی آزمائش کا یہ دوسرا پہلو تھا۔ کہاں ایک عورت سے نپٹنا مشکل بنا ہوا تھا کہ اب ایک جتھے کا سامنا ہے جن کے بارے میں اسے علم نہیں کہ وہ کس طرح کی حیلہ سازی کریں گی۔ بائبل میں اس واقعہ کا ذکر نہیں البتہ تالمود میں اسے بیان کیا گیا ہے لیکن اس کا انداز بیان قرآن سے مختلف ہے۔ قرآن نے یہ واقعہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا. اِنَّا لَنَرٰهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا. اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ. وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ. وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ (۲۸)

شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے محبت نے اس کو بے قابو کر رکھا ہے ہمارے نزدیک تو وہ صریح غلطی کر رہی ہے۔ اس نے جوان کی مکارانہ باتیں سنیں تو ان کو بلاوا بھیج دیا اور ان کے لئے تکیہ دار مجلس آراستہ کی اور ضیافت میں ہر ایک آگے چھری رکھ دی پھر (عین اس وقت جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں) اس نے یوسف کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے نکل آ۔ جب ان عورتوں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں۔ حاشا للہ یہ شخص انسان نہیں ہے تو یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ عزیز

Marfat.com

کی بیوی نے کہا۔ "دیکھ لیا! یہ ہے وہ شخص جس کے معاملے میں تم مجھ پر باتیں بناتی ہو بے شک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہوگا۔

یوسفؑ کا ردِ عمل

خاتونِ خانہ کی ہٹ دھرمی اور دھمکی آمیز رویہ یوسفؑ کی اخلاقی شخصیت کے لئے بڑا چیلنج تھا۔ وہ عورت کی بات مانتے ہیں تو شخصیت تباہ ہو جاتی ہے اور رب تعالیٰ سے بغاوت ہوتی ہے اور انکار کرتے ہیں تو مشکلات و مصائب منہ کھولے نظر آتے ہیں۔ قید و ذلت و رسوائی کی دھمکی تو دی جا چکی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس عفت مآب بندے نے جیل جانا قبول کیا لیکن اس عورت کے دام ہوس میں آنے سے انکار کر دیا۔ مولانا سیوہاروی نے بجا کہا ہے کہ یوسفؑ کا یہ جملہ السجن احب الی مما یدعوننی الیه ان کے علوشان، تقرب الی اللہ، استقامت فی الدین، عزیمت فی الحق اور رضا و تسلیم کا وہ بے نظیر مظاہرہ ہے جو ان جیسے اولوالعزم پیغمبروں کا ہی حصہ ہے۔ (۲۹)

قرآن مجید نے اس ردِ عمل کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ. وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ. اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۳۰)

یوسفؑ نے کہا: اے میرے رب! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کی چالیں اس سے دفع کر دیں۔ بے شک وہی ہے جو سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ بیان نقل کر دیا جائے جو سید مودودیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اس سے نہ صرف اس مرحلہ امتحان پر روشنی پڑتی ہے بلکہ یوسفؑ کی اخلاقی شخصیت بھی بڑی خوبصورتی سے واضح ہوتی ہے۔ سیدؒ لکھتے ہیں:

" یہ آیات ہمارے سامنے ان حالات کا ایک عجیب نقشہ پیش کرتی ہیں جن میں اس وقت حضرت یوسفؑ مبتلا تھے۔ انیس بیس سال کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدویانہ زندگی سے بہترین تندرستی اور بھری جوانی لئے ہوئے آیا ہے۔ غریبی، جلاوطنی اور جبری غلامی کے مراحل سے گزرنے کے بعد قسمت اسے دنیا کی سب سے بڑی متمدن سلطنت کے پایہ تخت میں ایک بڑے رئیس کے ہاں لے

Marfat.com

آئی ہے۔ یہاں پہلے تو خود اس گھر کی بیگم اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب و روز سابقہ ہے۔ پھر اس کے حسن کا چرچا سارے دارالسلطنت میں پھیلتا ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں اس پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف سینکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اسے پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر طرح کی تدبیریں اس کے جذبات کو بھڑکانے اور اس کے زہد کو توڑنے کے لئے کی جا رہی ہیں، جدھر جاتا ہے یہی دیکھتا ہے کہ گناہ اپنی ساری خوشنمائیوں اور دل فریبیوں کے ساتھ دروازہ کھولے اس کا منتظر کھڑا ہے۔ کوئی تو فجور کے مواقع خود ڈھونڈتا ہے مگر یہاں خود مواقع اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جس وقت بھی اس کے دل میں برائی کی طرف ادنیٰ میلان پیدا ہو فوراً اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے وہ اس خطرے میں بسر کر رہا ہے کہ کبھی ایک لحہ کے لئے بھی اس کے ارادے کی بندش میں کچھ ڈھیل آ جائے تو وہ گناہ کے ان بے شمار دروازوں میں سے کسی میں داخل ہو سکتا ہے جو اسی کے انتظار میں کھلے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں یہ خدا پرست نوجوان جس کامیابی کے ساتھ ان شیطانی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ بجائے خود کم قابل تعریف نہیں ہے مگر ضبطِ نفس کے اس حیرت انگیز کمال، عرفان نفس اور طہارت فکر کا مزید کمال یہ ہے کہ اس پر بھی اس کے دل میں کبھی یہ متکبرانہ خیال نہیں آیا کہ واہ رے میں، کیسی مضبوط ہے میری سیرت کہ ایسی ایسی حسین اور جوان عورتیں میری گرویدہ ہیں اور پھر بھی میرے قدم نہیں پھسلتے۔ اس کے بجائے وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ اٹھتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے مدد کی التجا کرتا ہے کہ اے رب! میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا اتنا بل بوتا کہاں کہ ان بے پناہ ترغیبات کا مقابلہ کر سکوں، تو مجھے سہارا دے اور مجھے بچا، ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں۔ درحقیقت یہ حضرت یوسفؑ کی اخلاقی تربیت کا اہم ترین اور نازک ترین مرحلہ تھا۔ دیانت، امانت، عفت، حق شناسی، راست روی، انضباط اور توازن ذہنی کی غیر معمولی صفات جو اب تک ان کے اندر چھپی ہوئی تھیں اور جن سے وہ خود بھی بے خبر تھے، وہ سب اس شدید آزمائش کے دور میں ابھر آئیں، پورے زور کے ساتھ کام کرنے لگیں اور انہیں خود بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے اندر کون کون سی قوتیں موجود ہیں اور وہ ان سے کیا کام لے سکتے ہیں۔ (۳۶)

آزمائش کا تیسرا مرحلہ

اگرچہ عزیز مصر، اس کی بیوی اور اس کے رشتہ داروں پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ یوسفؑ بے قصور ہیں تاہم انہوں

Marfat.com

نے مصلحت اسی میں جانی کہ یوسفؑ کو کچھ دنوں کے لئے جیل بھیج دیا جائے تا کہ لوگوں کے ذہنوں سے یہ واقعہ نکل جائے اور سامنے موجود نہ ہونے کے باعث اس عورت کا خبط بھی جاتا رہے۔ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ (۴۲)

پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد انہیں مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ اس کو کچھ مدت کے لئے قید کردیں۔

اس میں بلاشبہ یوسفؑ کی اپنی دعا کا بھی دخل ہے۔ جو انہوں نے ان عورتوں کے مکر سے بچنے کے لئے مانگی تھی۔ انہوں نے جیل کو نجات، کا ایک ذریعہ سمجھا تھا۔ ورنہ ایسی دعا نہ مانگتے۔ حضور اکرمؐ سے کئی احادیث مروی ہیں جن میں واضح ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت مانگو۔ ۴۳ معاذ بن جبل کی روایت میں ہے کہ ایک شخص کو رسول کریمؐ نے کہتے سنا:

اللھم انی اسئالک الصبر.

اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا

سئالت اللہ البلاء فسئلہ العافیة (۴۴)

تو نے تو اللہ تعالیٰ سے مصیبت مانگی اس سے عافیت مانگو۔

چونکہ یوسفؑ کے سارے معاملات مشیتِ الٰہی کے تحت ہو رہے تھے اس لئے ان کی دعا بھی ربانی اسکیم کا حصہ تھی۔ جیل کے اس مرحلہ سے گزار کر انہیں مسند اختیار پر بھی بٹھانا تھا اور اس سے پہلے ان کی اخلاقی عظمت اور شخصی فراست کو بھی مبرہن کرنا تھا اس لئے انہیں اس آزمائش سے گزارا گیا۔ جیل میں ان کی فراست اور صداقت کی صفات نکھر کر سامنے آئیں۔

ان تینوں مراحل سے گزرنے کے بعد یوسفؑ کی شخصیت کو ایک خاص پختگی حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ تربیتی مراحل تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے شخصیت کو نکھار میسر آیا۔ ایک عام داعی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ آزمائش کے تربیتی اور تکمیلی پہلو کو سامنے رکھے اور مشکلات سے گھبرا کر بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے ورنہ کارِ دعوت میں رکاوٹ کے علاوہ شخصی تربیت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ یوسفؑ کا اسوہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔

دعوت الی اللہ

جیل میں یوسفؑ کی زندگی کا پہلا موقعہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی فراست ہے کہ انہوں نے کارِ دعوت کے لئے کس طرح موقع نکالا۔ ہوتا یوں ہے کہ ان کے جیل کے دو ساتھی انہیں اپنے خواب سناتے ہیں اور وہ ان کی تعبیر بتانے سے پہلے توحید الٰہی پر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ بیان اتنا پُر اثر اور زوردار ہے کہ

Marfat.com

اسے قرآن کے چند پُرشکوہ بیانات میں شمار کیا جاتا ہے اور قرآن اسے پورے سیاق وسباق کے ساتھ نقل کرتا ہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ قَالَ اَحَدُهُمَا اِنِّیْٓ اَرٰنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا. وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ. نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ. اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ o قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ. اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ o وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ. مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ. ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ o يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ o مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ. اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ. اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ o يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا. وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ. قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ (۳۵)

اور اس کے ساتھ دو اور جوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا کہ میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا جو کھانا تمہیں ملتا ہے وہ آئے گا نہیں کہ میں اس کے آنے سے پہلے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب کی پیروی کی۔ ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی، جو سب پر حاوی و غالب؟ تم اس کے سوا نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ اختیار واقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے میرے زنداں کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا، رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر پرندے اس کے سر

Marfat.com

نوچ کر کھائیں گے۔اس امر کا فیصلہ ہوا کہ جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔

قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ یوسفؑ نے اس ساتھی سے، جو بچ جانے والا تھا، یہ کہا کہ ان کا ذکر اپنے آقا سے کرے لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا اور یوسفؑ جیل میں کئی برس رہے۔[۳۶] یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن نے صرف ایک دعوتی تقریر نقل کی ہے اس کے علاوہ کتنے مواقع ہوں گے جن پر اس داعی الی اللہ نے اپنا کام نہیں کیا ہوگا۔قرآن نے جیل کے عرصہ کو" بضع سنین " کہا ہے جو تین سے نو سال تک کے لئے بولا جاتا ہے۔لہٰذا یہ گمان تو نہیں کیا جا سکتا کہ اس سارے عرصہ میں صرف ایک دفعہ توحید الٰہی پر تقریر کی ہوگی۔قرآن نے صرف ایک خاص موقع کی گفتگو کو نقل کیا ہے جو کارِ دعوت کے لئے رہنمائی کا کام دیتی ہے۔یوسفؑ نے سوال پوچھنے والوں کی توجہ کو غنیمت جانا اور اپنی بات بھی کر دی۔موقع و محل کی مناسبت سے بات کرنا اور پھر استدلال کو سادہ اور حقیقت پسندانہ انداز سے بیان کرنا پیغمبرانہ دعوت کا فطری طریقہ ہے جو یوسفؑ کی اس تقریر سے واضح ہوتا ہے۔

کامیابی کی منزل

حضرت یوسفؑ جیل کی قید کے دنوں میں استقامت کے ساتھ دعوت کے کام میں مصروف رہے اور اللہ کی نظروں میں کامیابی کے حصول کی راہ پر گامزن رہے۔مشیتِ الٰہی اگلی منزل کا سامان مہیا کرتی ہے اور اس کا انحصار بھی اس خداداد صلاحیت اور ربانی علم پر ہے جو صرف انبیاء کا خاصا ہوتا ہے۔اتفاق سے بادشاہ کو خواب میں کچھ دکھائی دیتا ہے وہ اس کی تعبیر کے لئے پریشان ہوتا ہے اور لوگوں سے دریافت کرتا ہے۔اسے کوئی مناسب تعبیر نہیں ملتی تو اس کا ایک مقرب جو جیل سے رہا ہو کر گیا تھا، اسے یاد آتا ہے کہ اس کا جیل کا ساتھی خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتا ہے اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اس کی تعبیر معلوم کر کے آتا ہوں۔[۳۷] چنانچہ وہ یوسفؑ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے:

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ○ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ○ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ○ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ [۳۸]

یوسف اے سراپا راستی! مجھے اس خواب کا مطلب بتا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں۔اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی۔شاید کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اور شاید کہ وہ جان لیں۔یوسف نے کہا: سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہو گے اور اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹو ان میں سے بس تھوڑا سا حصہ جو تمہارے خوراک کے لئے ضروری ہو نکالو اور باقی کو اس کے بالوں ہی میں رہنے دو۔پھر سات برس بہت سخت آئیں گے۔اس زمانے

Marfat.com

میں وہ سب غلہ کھا لیا جائے گا جو تم اس وقت کے لئے جمع کرو گے اگر کچھ بچے گا تو بس وہی جو تم نے محفوظ کر رکھا ہو۔اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں باران رحمت سے لوگوں کی فریاد رسی کی جائے گی اور وہ اس سے نچوڑیں گے۔

یوسفؑ نے نہ صرف یہ کہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی بلکہ قحط کے زمانے کے لئے منصوبہ بندی بھی بتائی اور یہ خوشخبری بھی سنائی کہ قحط کے بعد خوشحالی ہوگی۔یہ سب باتیں بادشاہ کے لئے انوکھی تھیں چنانچہ اس نے حکم دیا کہ یوسفؑ کو اس کے پاس لایا جائے۔(۳۹) قرآن کے مطابق یہ کامیابی کی منزل کی جانب پہلا قدم تھا۔قرآن اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ یوسفؑ نے فوری طور پر نکلنے کے بجائے قاصد سے کہا کہ واپس جاؤ اور عورتوں کے معاملے کی تحقیق کرو۔(۴۰) یوں یوسفؑ اس وقت تک جیل سے باہر نہیں آتے جب تک ان کی بے گناہی ثابت نہیں ہو جاتی۔حدیث میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لولبثت فی السجن ما لبث یوسف لا جبت الداعی (۴۱)

اگر میں اتنی مدت تک قید رہتا جس قدر یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا۔

یوسفؑ نے کسی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا اور حق بات کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا۔اس کے مقابلے میں بائبل کا بیان ملاحظہ فرمائیں اور دونوں کے فرق کا اندازہ لگائیں۔بائبل میں ہے:

The Pharaoh sent called Joseph, and they brought him hastily out of the dungeon; and he shaved himself and changed his raiment, and came in unto pharaoh. (۴۲)

قرآن کے مطابق بادشاہ تعبیر سننے کے بعد انہیں بلاتا ہے اور بائبل کے مطابق فرعون یوسفؑ کو بلا کر اس سے خواب بیان کرتا ہے۔(۴۳) تالمود کے بیان سے حضرت یوسفؑ کی شخصیت اور بھی زیادہ غیر اہم لگتی ہے۔اس کے مطابق بادشاہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسفؑ کو میرے حضور پیش کرو اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ دیکھو کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے لڑکا گھبرا جائے اور صحیح تعبیر نہ دے سکے۔چنانچہ شاہی ملازموں نے یوسفؑ کو قید خانے سے نکالا اور حجامت بنوائی، کپڑے بدلوائے اور دربار میں لا کر پیش کر دیا۔بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا وہاں زر و جواہر کی چمک دمک اور دربار کی شان دیکھ کر یوسفؑ ہکا بکا رہ گیا۔اور اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔شاہی تخت کی سات سیڑھیاں تھیں ۔قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تو وہ چھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتا اور بادشاہ سے ہم کلام ہوتا اور جب ادنی طبقہ کا کوئی آدم شاہی مخاطبہ کے لئے بلایا جاتا تو وہ نیچے کھڑا رہتا اور بادشاہ تیسری سیڑھی تک اُتر کر اس سے بات کرتا۔یوسفؑ نے اس قاعدے کے مطابق نیچے کھڑے ہو کر اور زمین بوس ہو کر بادشاہ کو سلامی دی اور بادشاہ نے تیسری سیڑھی تک اُتر کر اس سے گفتگو کی۔(۴۴)

قرآن نے یوسفؑ کی باوقار شخصیت کو برقرار رکھا۔قرآن کا بیان ہے:

Marfat.com

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ. اِنَّ رَبِّىْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ○ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ. قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ (۴۵)

جب شاہی فرستادہ یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا! اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاری سے واقف ہی ہے اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے دریافت کیا" تمہارا کیا تجربہ ہے اس وقت کا جو تم نے یوسفؑ کو رجھانے کی کوشش کی تھی؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا حاشاللہ ہم نے اس میں بدی کا شائبہ تک نہ پایا۔

کامرانی کی آخری منزل

بادشاہ پر حقیقت حال واضح ہوئی تو اس نے اپنے پاس بُلا کر عزت واحترام سے نوازا اور حضرت یوسفؑ کے مشورے پر ملک کے خزانے ان کے سپرد کر دیئے اور انتظام والصرام ان کے ہاتھ میں دیا۔ مشیتِ ایزدی کے مطابق یوسفؑ مصر کے بااختیار منتظم قرار پائے۔ بھائیوں کے حسد کا شکار، غلام کی حیثیت سے بکنے والا اور زنانِ مصر کی مکارانہ چال کے باعث جیل خانے میں مہ وسال گذارنے والا شخص منصب اقتدار پر فائز ہے۔ اس سے بڑی کامرانی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس کے لئے منصوبہ بندی کسی انسانی عقل کے بس کی بات نہیں ہے یہ صرف ربانی تدبیر ہے جو درجہ بدرجہ اس سفر کو منزل تک پہنچاتی ہے۔ قرآن نے اسے جس طرح بیان کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ اس اعجازِ بیان کی کوئی نظیر نہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِىْ. فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ○ قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ. اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ. يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ. نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (۴۶)

بادشاہ نے کہا: انہیں میرے پاس لاؤ تا کہ میں ان کو اپنے لئے مخصوص کرلوں۔ جب یوسفؑ نے اس سے گفتگو کی تو اس نے کہا: اب آپ ہمارے ہاں قدر ومنزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانت پر پورا بھروسہ ہے۔ یوسفؑ نے کہا: ملک کے خزانے میرے سپرد کیجئے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔ اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسفؑ کے لئے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔ نیک لوگوں کا اجر ہمارے ہاں مارا نہیں جاتا اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے زیادہ بہتر ہے

Marfat.com

جو ایمان لائے اور خدا ترسی کے ساتھ کام کرتے رہے۔

مشیتِ الٰہی کا آخری منظر

یوسفؑ کے بھائی تو یہ جان کے فارغ ہو گئے کہ یوسفؑ کو قافلے والے لے گئے۔ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے اس سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی۔ قافلے والے مصر میں معمولی قیمت کے عوض بیچ کر چلتے بنے۔ ان کے لئے مفت کا مال تھا، جتنی قیمت مل گئی کافی ہے۔ کانوا من الزاھدین (۴۷) کا مصداق، خواہ بھائی ہوں، قافلے والے، ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کو یوسفؑ کے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان سے تعلق خاطر اگر تھا تو باپ کو جس نے رو رو کر اپنی بینائی ضائع کر لی تھی۔ قرآن نے اس کیفیت کو نقل کیا ہے:

وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ (۴۸)

پھر وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ "ہائے یوسف! وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو مشکلات سے نکال کر صاحب اختیار و اقتدار بنا دیا تھا۔ قدرت الٰہی کو معاملات یہیں پر ختم نہیں کرنا تھے بلکہ یوسفؑ کے خواب کو سچا کرنا تھا اور بھائیوں پر اس کی برتری ثابت کرنا تھی لہذا مشیتِ ایزدی نے بھائیوں کو گھیر کر اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ مصر کا قحط جسے مشیتِ الٰہی نے یوسفؑ کی سربلندی و اقبال مندی کے لئے استعمال کیا تھا۔ وہی قحط بھائیوں کو یوسفؑ کے سامنے لانے کا باعث بنا۔ قرآن نے وہ تمام واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں (۴۹) بالآخر بھائی اور والد مصر آتے ہیں اور یوسف کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کرتے ہیں۔

قرآن نے یوسفؑ اور بھائیوں کے درمیان تعارف کے مرحلے کو اپنے معجزانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ قرآن تعارفی مرحلے سے پہلے پس منظر میں وہ مکالمہ نقل کرتا ہے جو یوسفؑ کے سگے بھائی بن یمین کے مصر رو کے جانے پر باپ بیٹوں میں ہوا پھر یعقوبؑ کی اس آرزو کو بیان کرتا ہے جو انہوں نے یوسف کی بازیابی سے وابستہ کر رکھی تھی۔ اس کے بعد بھائیوں کی پیشی کا منظر ہے اور پھر یوسفؑ کی پہچان اور بھائیوں کا اعتراف۔ ذیل کی آیات کو ملاحظہ کیجئے اور قرآن کے معجزانہ اسلوب سے لطف اندوز ہوئیے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِیْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ. اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا. اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ. قَالَ

Marfat.com

اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا. اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِیْنَ (۵۰)

بیٹوں نے کہا خدا کی قسم آپ تو بس یوسف کو یاد کیے جاتے ہیں۔ نوبت یہ آ گئی ہے کہ اس کے غم میں اپنے آپ کو گھلا دیں گے یا اپنی جان کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس نے کہا: "میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔ اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو میرے بچو، جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ مصر جا کر یوسفؑ کے سامنے حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے سردار با اقتدار ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کچھ حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یہ سن کر یوسفؑ سے رہا نہ گیا) اس نے کہا: تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ جبکہ تم نادان تھے؟ وہ چونک کر بولے، ہائیں! کیا تم یوسف ہو؟ اس نے کہا ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقوی اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔ انہوں نے کہا: بخدا تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی اور ہم واقعی خطا کار تھے۔

اس سارے واقعہ کا آخری مرحلہ وہ ہے جب بھائی اپنے والد کو لے کر یوسفؑ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور سب بے اختیار اس کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں اور اس خواب کی تعبیر پوری ہو جاتی ہے جو یوسفؑ نے بچپن میں دیکھا تھا گو اس خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان کرب انگیز مراحل ہیں تاہم معاملہ اپنے انجام کو اس طرح پہنچتا ہے جیسا کہ اللہ کے اس بندے نے خواب میں دیکھا تھا۔

قرآن اسے اس طرح نقل کرتا ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ۝ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا. وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا (۵۱)

پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور کہا چلو اب شہر میں چلو اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے۔ (شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔ یوسفؑ نے کہا ابا جان! یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔

Marfat.com

یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہاں سجدے سے مراد وہ سجدہ نہیں جو عبادت کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مختص ہے، اس سے مراد احتراماً جھکنا ہے جو مختلف ثقافتوں میں شامل رہا ہے۔ انگریزی کا لفظ Bow اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اس سے سجدہ تعظیمی کے لئے جواز نکالنا عربی زبان کو عجمی معانی پہنانے والی بات ہے۔ سجدہ تمام شریعتوں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مختص رہا ہے۔ دو پیغمبروں کی موجودگی میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا ذہنی طور پر متصور نہیں ہو سکتا۔

داعی کے اخلاقی اوصاف

یوسفؑ کی شخصیت میں داعی کے اوصاف کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔ ان کی اخلاقی عظمت اس طرح مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان کے بارے میں اور کچھ سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اس واقعہ میں داعی کے لئے صفات کا ایک مرقع بیان کیا گیا ہے جسے وہ ہمیشہ سامنے رکھ سکتا ہے۔ یوسفؑ کے کردار اور ان کے رویہ اور برتاؤ اور مختلف مواقع پر ایمان کے موقف اور اظہار کے طریقے نے داعی کو ایک کلید مہیا کر دی ہے۔ قوت ایمان، استقامت، ضبطِ نفس، صبر و شکر، عفت، دیانت و امانت، عفوو درگذر اور اصلاح و تقویٰ جیسے اخلاق فاضلہ ان کی شخصیت میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ یوسفؑ کی داستان یہ بتاتی ہے کہ ایمان باللہ مستحکم ہو تو کامیابی یقینی ہے اور داعی ابتلاء و آزمائش کے مرحلوں سے سرخرو ہو کر نکلتا ہے۔ آزمائش کے مراحل کی تفصیل گزر چکی ہے کہ اللہ کی نصرت نے کس طرح انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا اور راستے کی رکاوٹوں کو کیسے دور کیا۔ قرآن نے اس سورت میں جا بجا ان اخلاقی اوصاف کو بیان کیا ہے۔ ہم ان بکھرے موتیوں کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

صداقت

صداقت انبیاء و صلحاء کی بنیادی صفت ہے جو ان کے قول و فعل اور گفتار و کردار میں ہر وقت جھلکتی نظر آتی ہے اور دوست دشمن سب کو اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ایک داعی اگر صداقت سے عاری ہے تو اس کی دعوت ایک بیکار مشغلہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ حضرت یوسفؑ کی شخصیت میں اس صفت کی موجودگی کا اعتراف سب سے پہلے اس کے جیل کے ساتھی کرتے ہیں۔ جب احباب زنداں اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے ہیں تو آپ کی نیکوکاری کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انا نرٰک من المحسنین [۵۲] (یعنی ہماری رائے میں آپ نیکوکار ہیں پھر یہی جیل کا ساتھی جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے آتا ہے تو یوسفؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: یوسف ایھا الصدیق یوسف! اے سراپا راستی صداقت کی سب سے بڑی مثال الزام تراشی کا وہ واقعہ ہے جو خاتون خانہ نے بپا کیا تھا۔ یوسفؑ نے اس جھوٹے الزام کے جواب میں صرف یہ کہا تھا: ھی راودتنی عن نفسی [۵۳] (یعنی) یہ مجھے بہکانے کی کوشش کر رہی تھی) قدرت الٰہی نے یوسفؑ کی صداقت کو مبرہن کیا۔ سب سے پہلے تو خاتون کے اعزہ میں سے کسی نے واقعاتی شہادت

Marfat.com

کی بناپر صداقت کی گواہی دی۔اس نے کہا: ان کان قمیصه قد من دبر فکذبت و هو من الصادقین ۵۴
اگراس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوتو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا۔

اور جب عزیز نے دیکھا کہ یوسفؑ کا قمیص، پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے یوسفؑ کی صداقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

اِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ. اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ٥ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِىْ لِذَنْبِكِ. اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ (۵۵)

تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں، واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔ یوسف اس معاملے سے درگذر کرو۔ اور اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ، تو ہی اصل میں خطاکار تھی۔

اور آخر میں الزام تراشی کرنے والی عورت نے صداقت کی گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں رہنے دیا۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۵۶)

عزیز کی بیوی بول اٹھی اب حق کھل چکا ہے وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی بے شک وہ بالکل سچا ہے۔

عفت اور عزت نفس کی حفاظت

ایک داعی کے لئے عزت نفس کی بڑی اہمیت ہے۔ عزت نفس کی حفاظت کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اسے اپنے آپ کو ہلکا کر کے کہیں پیش نہیں ہونا چاہیئے اس وقار کو ملحوظ رکھنا چاہیئے جس کا دین واخلاق تقاضا کرتا ہے۔ ابتلاء کی صورت مختلف ہوسکتی ہے لیکن رضا کارانہ طور پر کسی مرحلہ پر ہلکا ثابت کرنا درست نہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ ہر ایسی حرکت سے پرہیز کرنا چاہیئے جو اخلاقی پستی کا مظہر ہو۔ قول وفعل اور رویے اور طرز عمل سے اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کرنا داعی کے مرتبے سے فروتر ہے۔ دونوں صورتوں میں داعی کی طرف سے عزت نفس کی حفاظت کا دانستہ اقدام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید اسے حاصل ہوگی کیونکہ دعوت الی اللہ ایک معزز کام ہے اور اسے صاحب عزت وتوقیر لوگ ہی بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یوسفؑ نے کس طرح اپنی حفاظت کی کوشش کی اور کس طرح اللہ کی نصرت وتائید انہیں حاصل ہوئی۔ ایک موقعہ تو وہ ہے جب بادشاہ نے انہیں بلا بھیجا وہ جیل میں تھے اور جیل سے رہائی ایک ایسی نعمت ہے جس کے لئے ہر قیدی بے تاب ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد کہ بادشاہ نے طلب کیا ہے لیکن یوسفؑ نے کسی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ شاہی قاصد سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ وہ عورتوں کی چال کے بارے میں حقائق معلوم کرے کیونکہ اس الزام کی صفائی کے بغیر رہا ہونا اور بادشاہ سے ملنا باوقار طریقہ نہیں ہے۔ بادشاہ کی تفتیش پر ظاہر ہوا کہ یوسفؑ بے گناہ تھے اور عورتوں نے چالبازی سے کام لیا تھا۔ قرآن

Marfat.com

نے یوسفؑ کی اس تدبیر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَمَّا جَآءَہُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْہُ مَا بَالُ النِّسْوَۃِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ. اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِہٖ. قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ (۵۷)

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ مگر جب شاہی فرستادہ یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاری سے واقف ہی ہے۔ اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے دریافت کیا" تمہارا کیا تجربہ ہے اس وقت کا جب تم نے یوسف کو رجھانے کی کوشش کی تھی۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا: حاشاللہ ہم نے تو اس میں بدی کا شائبہ تک نہیں پایا۔

قرآن کے اندازِ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان عورتوں کے اعلان کے بعد ہی یوسفؑ جیل سے باہر آئے۔ آنحضورؐ نے اس طرزِ عمل کو غیر معمولی طور پر سراہا ہے۔ ہم وہ حدیث پچھلے صفحات میں نقل کر آئے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ "اگر میں اتنی مدت تک قید رہتا جس قدر یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا" بلاشبہ یہ استقامت کی عظیم مثال ہے۔

دوسرا موقعہ وہ ہے جہاں خاتونِ خانہ برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن حضرت یوسفؑ اس کے دامِ ہوس میں نہیں آتے اس موقعہ پر بچ جانا تائیدِ الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا اور مشیتِ ایزدی ہی نے انہیں بچایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے اس شخص کے لئے جو اخلاص کے ساتھ اس سے وابستہ ہوتا ہے۔ قرآن نے یہاں خصوصیت سے ربانی مداخلت کی بات کی ہے جو یوسفؑ کی عزتِ نفس کی محافظت کا باعث بنی۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمایئے اور نصرتِ الٰہی کا کرشمہ دیکھئے:

وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا عَنْ نَّفْسِہٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ ھَیْتَ لَکَ. قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ. وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ. کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ. اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ (۵۸)

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی اور ایک روز دروازہ بند کر کے بولی "آ جا" یوسف نے کہا خدا کی پناہ میرے آقا نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی اور میں یہ کام کروں! ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔ وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ایسا ہوا تا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیں درحقیقت وہ ہمارے چنے

Marfat.com

ہوئے بندوں میں سے تھا۔

آیت کا آخری ٹکڑا الٰہی مداخلت کی طرف واضح اشارہ ہے۔اس کی نصرت ہی بدی سے محفوظ کر سکی کیونکہ وہ برگزیدہ بندہ تھا اور اس کی عزت نفس کا محفوظ رہنا بے حد ضروری تھا۔

امانت و دیانت

امانت و دیانت کی صفات داعی کا زیور ہیں۔ان صفات کی حیثیت شخصیت کے نور کی ہے جو تاریک ماحول میں نہ صرف رہنمائی مہیا کرتا ہے بلکہ داعی کی شخصیت کو قبول عام بخشتا ہے۔انبیاء اس صفت سے متصف تھے اور حضور اکرمؐ کی امانت تو ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔امانت و دیانت کا تعلق انسان کی بے غرضی و بے نفسی کے ساتھ ہے۔ان صفات کی موجودگی میں انسان لالچ و حرص کا شکار نہیں ہوتا۔اور دوسرے کی عزت و مال کا احترام کرتا ہے۔یوسفؑ کو جب خاتون خانہ نے پھسلانے کی کوشش کی تو یہی صفات اس طرز عمل کی بنیاد بنیں۔بادشاہ کے استفسار پر جب زنان مصر اور عزیز کی بیوی نے حقیقت واقعہ بیان کی تو اس پر یوسفؑ نے جو تبصرہ کیا وہ اس بات کا اعلان تھا کہ یوسفؑ امانت و دیانت کی جن صفات سے متصف ہیں ان کا تقاضا تھا کہ وہ عزیز مصر کی غیر موجودگی کا فائدہ نہ اٹھاتے اور خیانت کے مرتکب نہ ہوتے۔اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خیانت کے مرتکب کامیاب نہیں ہوتے۔اس میں داعی کے لئے بے مثل رہنمائی موجود ہے۔قرآن نے اس تبصرہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡہُ بِالۡغَیۡبِ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ (۵۹)

یوسفؑ نے کہا: اس سے میری غرض یہ تھی کہ بادشاہ جان لے کہ میں نے در پردہ عزیز کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔

یہ یوسفؑ کا محض دعویٰ نہیں تھا انہوں نے اپنے عمل سے اس کا ثبوت مہیا کیا تھا۔اسی لئے بادشاہ سے جب یوسفؑ کی گفتگو ہوئی تو اس نے آپ کی امانت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

اِنَّکَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ (۶۰)

یعنی اب آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانت پر بھروسہ ہے۔

اعتماد علی اللہ

اعتماد علی اللہ داعی کی زندگی کا سرمایہ ہے چونکہ وہ اس کا کام کر رہا ہے۔اس لئے اس کی رہنمائی اور نصرت میسر رہتی ہے۔حضرت یوسفؑ کو اس پورے عرصے میں اپنے رب کے ساتھ وابستگی رہی ہے اور اس کی دی ہوئی رہنمائی اور اس کے عطا کردہ علم و بصیرت کی روشنی میں کام کرتے رہے۔اپنے کسی عمل کو ذاتی بڑائی قرار دینے کے بجائے وہ

Marfat.com

اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت وقدرت کی طرف منسوب کرتے رہے۔ جیل میں جب ساتھیوں کوخواب کی تعبیر بتانے لگے تو اس سے پہلے اعلان کیا کہ یہ میرا کمال نہیں ہے بلکہ میرے رب کا عطیہ ہے۔ آپ کہتے ہیں:

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (۶۱)

یعنی یہ علم ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کیے ہیں۔

اسی طرح جب بیگمات نے اپنی چال سے متاثر کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ پھنس جائے تو حضرت یوسفؑ پکار اٹھتے ہیں:

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ (۶۲)

اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔

اس کا نقطۂ عروج وہ بیان ہے جہاں حق واضح ہونے کے بعد اپنی امانت ودیانت کی بات کرتے ہیں وہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سب میرے رب کا رحم وکرم ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ. اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶۳)

میں کچھ اپنے نفس کی برات نہیں کر رہا۔ نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب بڑا غفور رحیم ہے۔

عفو ودرگذر

صبر اور عفو ودرگذر ایسی اخلاقی صفات ہیں جو داعی کو نفسیاتی استحکام اور قبول عام بخشتی ہیں۔ اس راہ میں مشکلات ومصائب کا پیش آنا اور لوگوں کے ظلم وجور کا تجربہ ہونا معمول کی بات ہے ایسے میں داعی کو تنگ دل اور منتقم مزاج ہونے کے بجائے عفو ودرگذر سے کام لینا چاہیے۔ انبیاء کی دعوتی زندگی میں صبر وعفو بہت نمایاں ہیں۔ صبر اس وقت جب داعی بے اختیار ہوتا ہے اور عفو ودرگذر اس مرحلے پر جب وہ بااختیار ہوتا ہے۔ یوسفؑ کا دور ابتلاء مسلسل صبر کا دور ہے۔ کنویں میں ڈالا جانا، بازار میں بکنا، جیل میں جانا سب صبر آزما مرحلے ہیں اور کسی ایک لمحے میں بھی انہوں نے بے صبری اور عدم توکل کا اظہار نہیں کیا۔ اب قدرت الٰہی نے انہیں اقتدار عطا کیا ہے اور بھائی جو حسد کے باعث زیادتی کا ارتکاب کر چکے ہیں سامنے عاجز وبے بس کھڑے ہیں تو یوسفؑ انتقام وسزا کے اجراء کے بجائے عفو ودرگذر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (۶۴)

آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو یوسفؑ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ قریش سے مخاطب تھے، آپ

Marfat.com

نے فرمایا: اہلِ مکہ! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ مکہ کے سردار اگرچہ اپنی بداعمالیوں سے آگاہ تھے لیکن رحمت للعالمین کے مزاج شناس تھے بولے" اخ کریم و ابن اخ کریم " یعنی آپ شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں پھر فرمایا۔ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقا (۶۵)

آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اظہارِ تشکر

ایک داعی کا اپنے رب کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے اس کی بنا پر وہ آزمائش وابتلا میں صبر کرتا ہے اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر اس کے انعام واکرام پر اظہار مسرت کرتا ہے۔ قرآن نے کہا ہے لئن شکرتم لا زید نکم (۶۶) (یعنی اگر تم شکر گزار رہے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا)۔ یوسفؑ کو اللہ نے عزت واقتدار سے نوازا، بھائیوں کو عجز واعتراف خطا کے ساتھ سامنے لا کھڑا کیا اور سگے بھائی اور والدین اور پورے خاندان کو ملایا۔ اس پر حضرت یوسفؑ جس طرح کا اظہار کرتے ہیں وہ پیغمبرانہ شان کا مظہر ہے۔ جب سب لوگ احتراماً ان کے سامنے جھکتے ہیں تو وہ کہتے ہیں:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (۶۷)

اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے۔ بے شک وعلیم وحکیم ہے۔ اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین وآسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا وآخرت میں میرا سرپرست ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

یعقوب کی شخصیت

یوسفؑ کے واقعہ میں ضمناً یعقوب کا بھی ذکر آیا ہے۔ یعقوبؑ ایک پیغمبر تھے اور پیغمبرانہ فراست ہی کی بنا پر انہوں نے یوسفؑ کو خواب بتانے سے منع کیا تھا۔ اس سارے واقعہ میں وہ بھی شدید آزمائش وابتلا سے گزرے تھے۔ قرآن نے انہیں پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کا صبر، اعتماد علی اللہ اور پیغمبرانہ فراست وہ اہم پہلو ہیں

Marfat.com

جنہیں قرآن واضح کرتا ہے۔

صبر

جب برادران یوسف وہی بہانہ بناتے ہیں جس کا انہیں خدشہ تھا تو حیلہ سازی کو سمجھتے ہوئے بھی صبر کا اظہار کرتے ہیں قرآن نقل کرتا ہے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا. فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ. وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (۶۸)

اور وہ یوسف کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے تھے یہ سن کر ان کے باپ نے کہا" بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا۔ اچھا صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

پھر جب تدبیر الٰہی سے بن یمین مصر میں رک گئے اور بھائیوں نے آ کر بتایا کہ ان کے بیٹے نے چوری کی ہے تو اس پر بھی ان کا طرز عمل صبر کا تھا۔ انہوں نے کہا:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا. فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ. عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا. اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۶۹)

دراصل تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا دیا اچھا اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں۔

پیغمبرانہ فراست

حضرت یعقوبؑ کے ضمن میں دوسری بات جسے قرآن پیش کرتا ہے وہ ان کی فراست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا لہٰذا خصوصی علم و حکمت بھی عطا فرمائی۔ اس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا ہے۔ یوسف اور بن یمین کے بارے میں بیٹوں کی رپورٹوں پر تبصروں میں پر امید مستقبل کی بات فراست ہی کا نتیجہ تھی۔ بالخصوص بن یمین کے سلسلے میں یہ کہنا کہ عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا (۷۰) (یعنی کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے)۔ قرآن ان کے خصوصی علم کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۷۱)

بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا مگر اکثر لوگ معاملہ کی حقیقت کو نہیں جانتے۔

اس فراست کے اظہار کے دو اور مواقع بھی ملاحظہ کیجئے۔

Marfat.com

ایک موقعہ تو وہ ہے جب بن یمین کے بارے میں اطلاع پہنچانے کے بعد بیٹے واپس مصر جانا چاہتے ہیں تو یعقوبؑ انہیں کہتے ہیں کہ وہاں جا کر یوسفؑ اور اس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ، گویا بیٹوں کی تمام داستان سازی کے باوجود وہ یوسفؑ کی موت پر یقین نہیں رکھتے اور ان کی فراست انہیں یوسف کی بازیافت کا اشارہ دیتی ہے۔ وہ بیٹوں سے کہتے ہیں:

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۷۲)

میرے بچو! جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ فراست کے معجزانہ اظہار کا موقعہ یوسفؑ کی خوشبو کا محسوس کرنا بھی ہے۔ قرآن کے مطابق جب حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے درمیان تعارف ہو جاتا ہے وہ اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہیں اور یوسفؑ کوئی مواخذہ نہیں کرتے تو اس موقع پر یوسفؑ اپنا قمیص دیتے ہیں کہ اسے لے جا کر میرے والد کے چہرے پر رکھو، ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بلاشبہ یہ پیغمبرانہ معجزہ کی تاثیر ہوگی لیکن دوسرا معجزہ یعقوبؑ کی پیغمبرانہ فراست ہے ادھر قمیص کو لے کر چلا جاتا ہے اور حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ خاندان کے لوگ تو اسے خبط سمجھتے ہیں لیکن جلد ہی یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ قرآن نے اپنے اعجاز کے ساتھ اسے یوں بیان کیا ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ○ فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (۷۳)

میری یہ قمیص لے جاؤ اور والد کے چہرے پہ ڈال دو ان کی بینائی پلٹ آئے گی اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔ جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان میں) کہا: میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں۔ گھر کے لوگ بولے خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسف کا قمیص یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیا اور یکایک ان کی بینائی عود کر آئی تب انہوں نے کہا: میں تم سے نہ کہتا تھا؟ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

Marfat.com

سعدی نے اس واقعہ کو بڑے اچھے انداز میں منظوم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کسے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیرے خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی — چراہ در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال برق جہان است — دے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے برطارم اعلی نشینیم — گہے بر ہشت پائے خود نہ پنہیم

☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ الانعام/۸۴
۲۔ المومن/۳۴
۳۔ یوسف/۴
۴۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورہ یوسف، باب قولہ تیم نعمتہ، ۲۱۶/۳
۵۔ ایضاً
۶۔ پیدائش (Genesis) ۹/۳۷_۱۰
۷۔ ایضاً
۸۔ یوسف/۴_۶
۹۔ ایضاً/۸
۱۰۔ ایضاً/۹
۱۱۔ ایضاً/۱۰
۱۲۔ ایضاً/۱۱_۱۳
۱۳۔ ایضاً/۱۴
۱۴۔ ایضاً/۱۵_۱۸
۱۵۔ پیدائش (Genesis) ۳۲/۳۷
۱۶۔ ایضاً/۲۶_۲۸
۱۷۔ یوسف/۱۵
۱۸۔ یوسف/۱۹_۲۰
۱۹۔ بعض مفسرین نے یہاں بیچنے کے واقعہ کو بھائیوں سے منسوب کیا ہے لیکن قرآن نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے البتہ تالمود میں بھائیوں کے فروخت کرنے کی روایت موجود ہے۔
۲۰۔ پیدائش (Genesis) ۸۸/۳۷
۲۱۔ یوسف/۲۱
۲۲۔ پیدائش (Genesis) ۱/۳۹
۲۳۔ یوسف/۲۲
۲۴۔ پیدائش (Genesis) ۳/۳۹_۶
۲۵۔ یوسف/۲۳_۲۴
۲۶۔ یوسف/۲۵_۲۹
۲۷۔ پیدائش (Genesis) ۱۲/۳۹_۲۰
۲۸۔ یوسف/۳۰_۳۲
۲۹۔ قصص القرآن، ۱/۲۹۸
۳۰۔ یوسف/۳۳_۳۴
۳۱۔ تفہیم القرآن، ۲/۳۹۸_۳۹۹
۳۲۔ یوسف/۳۵
۳۳۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب سوال العافیۃ، ۵/۵۷۶، ۵۷۷، ۵۵۲
۳۴۔ ایضاً، باب الدعاء بتمام النعمۃ، ۵/۵۴۱
۳۵۔ یوسف/۳۶_۴۱
۳۶۔ ایضاً/۴۲۔ بائبل میں یوسفؑ کے بیان کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

But think on me when it shall be well with thee, and show kindness, I pray thee, unto me, and make mention of me unto pharaoh and bring me out of this house. For indeed I was stolen from the land of the Hebrews: and there also have I done nothing that they should put me into the dungeon. (Genesis, 40/14-15)

۳۷۔ یوسف/۴۳_۴۵
۳۸۔ ایضاً/۴۶_۴۹

Marfat.com

۳۹۔ ایضاً/۵۰
۴۰۔ ایضاً/
۴۱۔ بخاری کتاب التفسیر، سورۃ یوسف، باب قولہ فلما جاء الرسول، ۳/ ۲۱۷
۴۲۔ پیدائش (Genesis)، ۴۱/۱۴
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ تفہیم القرآن، ۲/ ۴۰۷
۴۵۔ یوسف/۵۰۔۵۱
۴۶۔ ایضاً/۵۴۔۵۷
۴۷۔ ایضاً/۲۵
۴۸۔ ایضاً/۸۴
۴۹۔ ملاحظہ کیجئے، سورہ یوسف آیات ۵۸۔۹۰
۵۰۔ ایضاً/۸۵۔۹۱
۵۱۔ ایضاً/۹۹۔۱۰۰
۵۲۔ ایضاً/۳۶
۵۳۔ یوسف/۳۶
۵۴۔ یوسف/۲۷
۵۵۔ ایضاً/۲۸۔۲۹
۵۶۔ ایضاً/۵۱
۵۷۔ ایضاً/۵۰۔۵۱
۵۸۔ ایضاً/۲۳۔۲۴
۵۹۔ ایضاً/۵۲
۶۰۔ ایضاً/۵۴
۶۱۔ ایضاً/۳۲
۶۲۔ ایضاً/۳۳
۶۳۔ ایضاً/۵۳
۶۴۔ ایضاً/۹۲
۶۵۔ ابن ہشام، ۴/ ۵۲۔۵۳
۶۶۔ ابراہیم/۷
۶۷۔ یوسف/۱۰۰۔۱۰۱
۶۸۔ ایضاً/۱۸
۶۹۔ ایضاً/۸۳
۷۰۔ ایضاً
۷۱۔ ایضاً/۶۸
۷۲۔ ایضاً/۸۷
۷۳۔ ایضاً/۹۳۔۹۶

☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت شعیب علیہ السلام

قوم شعیب

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے مدیان یا مدین کی نسل سے تھے جو ان کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے۔ اسی لئے یہ خاندان بنی قطورا کہلاتا ہے[1] مدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسمٰعیلؑ کے قریب ہی حجاز میں آباد ہو گیا تھا۔ پرانے زمانے میں جو لوگ کسی بڑے خاندان سے وابستہ ہوتے اسی کا حصہ شمار ہوتے تھے۔ اس اصول کے مطابق عرب کی بڑی آبادی کا حصہ بنی اسماعیل کہلایا اور اولاد یعقوب کے ہاتھ پر ایمان لانے والے لوگ بنی اسرائیل کہلائے۔ اس طرح علاقے کی ساری آبادی جو مدیان بن ابراہیمؑ کے زیر اثر آئی بنی مدیان کہلائی۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کے اثرات آہستہ آہستہ کم ہوتے گئے اور حضرت شعیبؑ کی بعثت کے وقت یہ لوگ انحراف کی نچلی سطح پر پہنچ گئے۔ یہ قوم ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانے میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اس کے عین چوراہے پر اس کی بستیاں آباد تھیں۔ اس بنا پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر و شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ سے گزرتے تھے۔[2]

مدین کا علاقہ

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ مولانا سیوہاروی عبدالوہاب نجار کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ حجاز میں شام کے متصل ایسی جگہ تھی جس کا عرض البلد افریقہ کے جنوبی صحرا کے عرض البلد کے مطابق پڑتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے متصل معان کے حصہ زمین پر آباد تھا۔[3] یاقوت مدین کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں مثلاً یہ کہ بحر قلزم کے کنارے تبوک کے مقابل چھ مراحل پر مدینہ اور حجاز کے درمیان چھ مراحل کے فاصلے پر تبوک کے مقابل اور یہ تبوک سے بڑا شہر تھا۔[4] قرآن مجید نے مدین کے علاوہ اس علاقے کے لئے ایکہ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اور اصحاب مدین کو اصحاب الایکہ کہا ہے۔

Marfat.com

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ (۵)

"اورا یکہ والے ظالم تھے"

عربی میں ایکہ ان سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کی وجہ سے جنگلوں اور بنوں میں اگی رہتی ہیں اور جھاندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔(۶)

سید مودودیؒ کے بقول ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا۔(۷) ابن منظور کہتے ہیں:۔

الایکۃ : الشجر الکثیر الملتف (۸) و قیل : ھی الغیضۃ تنبت السندر والاراک ونحوھما من ناعم الشجر رخص بعضھم بہ منبت الاصل ومجتمعہ . وقال ابو حنیفۃ قدتکون الایکۃ الجماعۃ من کل الشجر حتی من النحل (۹)

ایکہ سے مراد درختوں کے جھنڈ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ جنگل ہیں جہاں سندر، پیلو اور اس طرح کے دوسرے سیدھے اور ہموار درخت اگتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اگنے کی جگہ ہے۔ ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ خواہ یہ کھجور کے درختوں ہی کا جھنڈ ہو۔ چونکہ اس کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں اس لئے اس پورے سرسبز و شاداب علاقہ کو ایکہ کہا گیا اور مدین اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ بعض مفسرین کے مطابق شہری اور دیہاتی قبائل کا فرق ہے۔ اہلِ مدین شہری اور متمدن تھے جبکہ اصحاب ایکہ بدوی دیہاتی قبائل تھے (۱۰) جو جنگل میں رہتے تھے گویا ایک علاقہ میں دو قبیلے تھے۔ اسی لئے قرآن نے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی اور وانھما لبامام مبین (۱۱) کہا ہے۔

ابن کثیر اس سے قوم شعیب اور قوم لوط مراد لیتے ہیں کیونکہ وہ قریب ہی تھے۔ (۱۲)

دوسرے مفسرین دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آب وہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب و پُر فضا بنا دیا تھا کہ یہاں میووں اور پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ نہایت خوبصورت اور شاداب گھنے درختوں کا ایک جھنڈ ہے اس وجہ سے قرآن عزیز نے اس کو ایکہ کہہ کر متعارف کرایا۔ (۱۳) حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اصحاب الایکۃ ھم قوم شعیب (۱۴) یعنی (اصحاب الایکہ ہی قوم شعیب ہیں)۔ ابن جریر لکھتے ہیں: ھم اھل مدین فیما ذکر (۱۵) (یعنی کہ جیسا کہ مذکور ہے وہ اہلِ مدین ہی ہیں)۔

مولانا سیوہاروی کہتے ہیں کہ رجح یہی ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قبیلہ ہے جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ (۱۶)

سید مودودیؒ مفسرین کے مختلف اقوال کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

Marfat.com

" تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اقوال اپنی جگہ صحیح ہیں ۔ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ بلاشبہ دو الگ قبیلے ہیں مگر ہیں ایک ہی نسل کی دو شاخیں ۔ حضرت ابراہیمؑ کی جو اولاد ان کی بیوی یا کنیز قطورا کے بطن سے تھی وہ عرب اور اسرائیل کی تاریخ میں بنی قطورا کے نام سے معروف ہے ۔ ان میں سے ایک قبیلہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا مدیان بن ابراہیم کی نسبت سے مدیانی یا اصحاب مدین کہلایا اور اس کی آبادی شمالی حجاز سے فلسطین کے جنوب تک اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کے آخری گوشے تک بحر قلزم اور خلیج عقبہ کے سواحل پر پھیل گئی ۔ اس کا صدر مقام شہر مدین تھا جس کی جائے وقوع مورخ ابوالفداء نے خلیج عقبہ کے مغربی کنارے ایلہ (موجودہ عقبہ) سے پانچ دن کی راہ بتائی ہے ۔ باقی بنی قطورا جن میں بنی ددان (Dedanites) نسبتاً زیادہ مشہور ہیں، شمالی عرب میں تیماء، تبوک اور العلاء کے درمیان آباد ہوئے اور ان کا صدر مقام تبوک تھا جسے قدیم زمانے میں ایکہ کہتے تھے (یاقوت نے معجم البلدان میں لفظ ایکہ کے تحت بتایا ہے کہ یہ تبوک کا پرانا نام ہے اور اہل تبوک میں عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ یہی جگہ کسی زمانے میں ایکہ تھی) ۔

اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کے لئے ایک ہی پیغمبر مبعوث کیے جانے کی غالباً وجہ یہ تھی کہ دونوں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے، ایک ہی زبان بولتے تھے اور ان کے علاقے بھی ایک دوسرے سے متصل تھے بلکہ بعید نہیں کہ بعض علاقوں میں یہ ساتھ ساتھ آباد ہوں اور آپس کے شادی بیاہ سے ان کا معاشرہ بھی باہم گھل مل گیا ہو ۔ اس کے علاوہ بنی قطورا کی ان دونوں شاخوں کا پیشہ بھی تجارت تھا اور دونوں میں ایک ہی طرح کی تجارتی بے ایمانیاں اور مذہبی و اخلاقی بیماریاں پائی جاتی تھیں ۔ بائبل کی ابتدائی کتابوں میں جگہ جگہ یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ لوگ بعل فغور کی پرستش کرتے تھے اور بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر ان کے علاقے میں آئے تو ان کے اندر بھی انہوں نے شرک اور زنا کاری کی وبا پھیلا دی (گنتی ۲۵/۱-۵، ۳۱/۱۹-۱۷) پھر یہ لوگ بین الاقوامی تجارت کی ان دو بڑی شاہراہوں پر آباد تھے جو یمن سے شام اور خلیج فارس سے مصر کی طرف جاتی تھیں ۔ ان شاہراہوں پر واقع ہونے کی وجہ سے انہوں نے بڑے پیمانے پر رہزنی کا سلسلہ چلا رکھا تھا ۔ دوسری قوموں کے تجارتی قافلوں کو بھاری خراج لئے بغیر گذرنے نہ دیتے تھے اور بین الاقوامی تجارت پر خود قابض رہنے کی خاطر انہوں نے راستوں کا امن خطرے میں ڈال رکھا تھا ۔ قرآن مجید میں ان کی اسی پوزیشن کو یوں بیان کیا گیا ہے ۔ وانھما لبامام مبین یعنی یہ دونوں (قوم لوط اور اصحاب الایکہ) کھلی شاہراہوں پر آباد تھے اور ان کی رہزنی کا ذکر سورہ اعراف میں اس طرح کیا گیا ہے ۔ ولا تقعدوا بکل صراط توعدون (اور ہر راستے پر لوگوں کو ڈرانے نہ بیٹھو) ۔

یہی اسباب تھے جن کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبیلوں کے لئے ایک ہی پیغمبر بھیجا اور ان کو ایک ہی طرح کی تعلیم دی ۔ (۱۷)

Marfat.com

علاقہ کے تعین کے لئے قرآن سے جو اشارہ ملتا ہے وہ سورہ حجر کی آیت کے الفاظ و انھما لبامام مبین (۱۸) (یعنی ان دونوں قوموں کے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں)۔عرب جغرافیہ میں جو شاہراہ حجاز کے تاجر قافلوں کو شام، فلسطین، یمن بلکہ مصر تک لے جاتی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے سے ہو کر گزرتی تھی قرآن اسی کو امام مبین (کھلی اور صاف شاہراہ) کہتا ہے کیونکہ صیف (گرمی) اور شتا (سردی) دونوں زمانوں میں قریشی قافلوں کے لئے یہ متعارف اور بڑی تجارتی سڑک تھی جس کا سلسلہ بری مسافت کے ساتھ بحری کے بھی ڈانڈے ملا دیتا تھا......

......اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے مغربی شمال میں ایسی جگہ آباد تھا جو شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے اور حجاز والوں کو شام، فلسطین بلکہ مصر تک جانے میں اس کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے اور جو تبوک کے بالمقابل واقع تھا۔ (۱۹)

قوم شعیب کی خرابیاں

قوم شعیب سرسبز و شاداب علاقے میں آباد تھی اور زندگی کی جملہ سہولتوں کے باعث غرور میں مبتلا تھی۔بت پرستی اور مشرکانہ عقائد و رسوم کا خوشحال زندگی سے گہرا تعلق ہے۔تمام مشرکانہ معاشروں میں مجرمانہ رویوں کی نفسیاتی تسکین کا ذریعہ مشرکانہ رسوم و عقائد ہوتے ہیں۔یہ مشرکانہ کلچر کھاتے پیتے لوگوں کی خرمستیوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس منحرف رویے کا ایک مظہر ناپ تول میں کمی کا معمول تھا۔یہ لوگ قومی سطح پر خرید و فروخت میں پورا لینے اور کم دینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔گویا اس قوم کی چار واضح خرابیاں تھیں جن کی اصلاح کے لئے حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے۔

☆ بت پرستی اور مشرکانہ رسوم و عقائد

☆ خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم دینا

☆ خوش عیشی اور دولت و ثروت کی وجہ سے غرور

☆ رہزنی

شعیبؑ کی دعوت

حضرت شعیبؑ کی دعوت انہی نکات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔انبیاء سابقین کی طرح دعوت کا اساسی نقطہ بندگی رب ہے۔توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تمام انبیاء کا مشترک مشن رہا ہے۔توحید کوئی مجرد تصور نہیں جسے بحث و مباحثہ کا ذریعہ بنایا جائے بلکہ وہ عملی زندگی کے توازن اور صالح بود و باش کے لئے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ کے ہاں بھی توحید کے دعوت کے ساتھ تقویٰ اور اطاعت رسول کا مطالبہ بھی ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ چونکہ توحید الٰہی سے انحراف ہی کے نتیجہ میں فکر و عمل کا فساد پیدا ہوتا ہے اس لئے مشرکانہ معاشرے فساد و بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں۔فکری و عملی بگاڑ مفاسد کا راستہ کھولتا ہے اور یوں پورا معاشرہ فساد کی گرفت میں ہوتا ہے۔انبیاء نے فساد

Marfat.com

زدہ معاشروں اور بگاڑ کا شکار جمعیتوں میں اصلاح فکر و عمل کی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اس کے لئے دلائل و براہین اور معجزات و آیات پیش کیں۔ حضرت شعیب کی دعوت کے سلسلے میں قرآن مجید نے انہی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا. قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا. ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۲۰)

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی واضح رہنمائی آ گئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔

قرآن یہاں جس فساد کی بات کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو سید مودودیؒ نے اسی سورہ کی آیت نمبر ۵۶ کی تفسیر میں لکھی ہے۔ اس جامع بیان سے مشرکانہ طرز عمل کی حقیقت واضح ہو جائے گی:

"زمین میں فساد برپا نہ کرو" یعنی زمین کے انتظام کو خراب نہ کرو۔ انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے اخلاق، معاشرت اور تمدن کو ایسے قوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہیں۔ یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے انتظام میں خرابی کی بے شمار صورتیں رونما ہوتی ہیں اور اسی فساد کو روکنا قرآن کا مقصود ہے۔ پھر اس کے ساتھ قرآن اس حقیقت پر بھی متنبہ کرتا ہے کہ زمین کے انتظام میں اصل چیز فساد نہیں ہے جس پر صلاح عارض ہوتی ہے بلکہ اصل چیز اصلاح ہے جس پر فساد محض انسان کی جہالت اور سرکشی سے عارض ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہاں انسان کی زندگی کی ابتداء جہالت و وحشت اور شرک و بغاوت اور اخلاقی بدنظمی سے نہیں ہوئی ہے جس کو دور کرنے کے لئے بعد میں بتدریج اصلاحات کی گئی ہوں۔ بلکہ فی الحقیقت انسانی زندگی کا آغاز صلاح سے ہوا ہے اور بعد میں اس درست نظام کو غلط کار انسان اپنی حماقتوں اور شرارتوں سے خراب کرتے رہے ہیں۔ اس فساد کو مٹانے اور نظام حیات کو ازسرنو درست کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجتا رہا ہے اور انہوں نے ہر زمانے میں انسان کو یہی دعوت دی ہے کہ زمین کا انتظام جس صلاح پر قائم کیا گیا تھا اس میں فساد برپا کرنے سے باز آ جاؤ۔

اس معاملہ میں قرآن کا نقطہ نظر ان لوگوں کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہے جنہوں نے ارتقاء کا ایک غلط تصور

Marfat.com

لے کر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ انسان ظلمت سے بتدریج روشنی میں آیا ہے اور اس کی زندگی بگاڑ سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ بنی اور بنتی جارہی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ خدا نے انسان کو پوری روشنی میں زمین پر بسایا تھا اور ایک صالح نظام سے اس کی زندگی کی ابتداء کی تھی۔ پھر انسان خود شیطانی رہنمائی قبول کر کے بار بار تاریکی میں جاتا رہا اور اس صالح نظام کو بگاڑتا رہا اور خدا بار بار اپنے پیغمبروں کو اس غرض کے لئے بھیجتا رہا کہ اسے تاریکی سے روشنی کی طرف آئے اور فساد سے باز رہنے کی دعوت دیں۔ (۲۱)

حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو یاد دلاتے ہیں کہ اصلاح کو چھوڑ کر فساد کی راہ اپنانا مناسب نہیں بالخصوص جب یہ لوگ ایمان کا دعوی بھی کرتے تھے۔ سورہ اعراف کے علاوہ دوسری سورتوں میں بھی اسی انداز کی آیات موجود ہیں۔

سورہ ہود میں ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا. قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ. وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ○ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ (۲۲)

اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا اور اے برادران قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہر حال میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔

سورہ شعراء میں ہے:

کَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْکَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ قَالَ لَھُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ. اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ○ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ○ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ (۲۳)

اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو شعیبؑ نے ان سے کہا تھا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح

Marfat.com

ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اس ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور گذشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے۔

سورہ عنکبوت میں ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (۲۴)

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی کرو اور روز آخر کے امیدوار رہو اور زمین میں مفسدین بن کر زیادتیاں نہ کرتے پھرو۔

راستہ روکنے سے منع کرنا

قوم شعیب کے مفسدانہ اعمال میں سے ایک یہ تھا کہ وہ راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مال وصول کرتے اور لوگوں کو شعیبؑ تک پہنچنے سے روکتے تھے۔ حضرت شعیبؑ خصوصیت سے انہیں اس جرم سے روکتے ہیں۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (۲۵)

اور ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔

طریق دعوت

حضرت شعیبؑ کے طریق دعوت میں پیغمبرانہ اسلوب پوری طرح جلوہ گر ہے۔ شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے، شیریں کلامی، حسن خطابت، طرز بیان اور طلاقت لسانی میں بہت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اسی لئے مفسرین ان کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پس انہوں نے نرم و گرم ہر طریقہ سے قوم کو رشد و ہدایت کے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ (۲۶) شعیبؑ کے طریق دعوت میں پیغمبرانہ اسلوب کے تمام اجزاء موجود ہیں۔

بے لوثی

پیغمبرانہ طریق دعوت میں اولین چیز داعی کی بے لوثی ہے جسے وہ پوری قوت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ شعیبؑ بھی اسی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنی قوم پر اپنی بے غرضی اور خیر خواہی واضح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ. اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۷)

میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ (۲۸)

Marfat.com

اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہر حال میں تمہارے اوپر کوئی نگران کار نہیں ہوں۔

اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ. عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ (۲۹)

میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

انذار

حضرت شعیبؑ پورے زور سے استدلال کرتے ہیں جن سے قوم کے اجتماعی رویوں کی تغلیط ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف اللہ کے انعام و اکرام یاد دلاتے ہیں بلکہ اس کے عذاب سے بھی ڈراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ كُنۡتُمۡ قَلِيۡلًا فَكَثَّرَكُمۡ وَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ (۳۰)

یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

پھر ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپؑ جو بات کہتے ہیں وہ بے نفسی کے اظہار اور انجام بد سے خبردار کرنے کا مجموعہ ہے۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا. وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ. اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ. وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ. عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ○ وَيٰقَوۡمِ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِىۡۤ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ هُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ. وَمَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡكُمۡ بِبَعِيۡدٍ ○ وَاسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ. اِنَّ رَبِّىۡ رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ (۳۱)

شعیبؑ نے کہا: بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارے شریک حال کیسے ہو سکتا ہوں؟) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے اور اس پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملہ میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے برادران قوم! میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچا دے کہ آخر کار تم پر وہی عذاب آ کر رہے جو نوح یا ہود یا صالح کی قوم پر آیا تھا اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی

Marfat.com

نہیں ہے۔ دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ (۴۲)

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اس کی ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور گذشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے۔

قوم کا ردِ عمل

حضرت شعیبؑ نے قوم کو نہ صرف توحید الٰہی کی طرف دعوت دی بلکہ ان کی اس خرابی پر بھی تنبیہہ کی جو معاملات کے حوالے سے ان میں پائی جاتی تھی۔ قوم کا ردِ عمل شدید تھا۔ اس نے نہ صرف یہ کہ دعوت کو رد کر دیا بلکہ دھمکی آمیز رویہ بھی اختیار کیا۔ اس میں غصہ، استہزاء اور تہدید شامل ہے۔ قرآن پاک کے مختلف مقامات پر ان کے یہ بیانات مذکور ہیں۔ ذیل میں ہم ترتیب کے ساتھ انہیں نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا. قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ (۴۳)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے اس سے کہا: اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔

شعیبؑ نے جواب دیا کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا۔ خواہ ہم راضی نہ ہوں؟

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۴۴)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے آپس میں کہا: اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کر لی تو برباد ہو جاؤ گے۔

سید مودودیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس چھوٹے سے فقرے پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائیے۔ یہ ٹھہر کر بہت سوچنے کا مقام ہے۔ مدین کے سردار اور لیڈر دراصل یہ کہہ رہے تھے اور اس بات کا اپنی قوم کو یقین بھی دلا رہے تھے کہ شعیبؑ جس ایمانداری اور راست بازی کی دعوت دے رہا ہے اور اخلاق و دیانت کے جن مستقل اصولوں کی پابندی کرانا چاہتا ہے اگر ان کو مان لیا جائے تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ہماری تجارت کیسے چل سکتی ہے اگر ہم بالکل سچائی کے پابند ہو جائیں اور کھرے کھرے سودے کرنے لگیں اور ہم جو دنیا کی سب سے بڑی

Marfat.com

تجارتی شاہراہ کے چوراہے پر بستے ہیں، اور مصر وعراق کی عظیم الشان متمدن سلطنتوں کی سرحد پر آباد ہیں، اگر ہم قافلوں کو چھیڑنا بند کر دیں اور بے ضرر اور پُرامن لوگ ہی بن کر رہ جائیں تو جو معاشی اور سیاسی فوائد ہمیں اپنی موجودہ جغرافیائی پوزیشن سے حاصل ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور آس پاس کی قوموں پر جو ہماری دھونس قائم ہے وہ باقی نہ رہے گی۔ یہ بات صرف قوم شعیب کے سرداروں تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہر زمانے میں بگڑے ہوئے لوگوں نے حق اور راستی اور دیانت داری کی روش میں ایسے ہی خطرات محسوس کئے ہیں۔ ہر دور کے مفسدین بداخلاقی کے بغیر نہیں چل سکتے ہر جگہ دعوت حق کے مقابلے میں جو زبردست عذرات پیش کیے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی رہا ہے کہ اگر دنیا کی چلتی ہوئی راہوں سے ہٹ کر اس دعوت کی پیروی کی جائے تو قوم تباہ ہو جائے گی۔ (۳۵)

سورہ ھود میں ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا. اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (۳۶)

انہوں نے جواب دیا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے۔

یہ دعوت اسلامی کے مخالفین کا ایک اور اہم اعتراض ہے اس کی وضاحت ہم سید مودودیؒ سے ہی نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

" یہ اسلام کے مقابلہ میں جاہلیت کے نظریہ کی پوری ترجمانی ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے اور اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے کیونکہ دوسرے کسی طریقے کے لئے عقل، علم اور کتب آسمانی میں کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ کہ اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے میں ہی نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے۔ اس لئے دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کا ہے اور انسان کسی چیز پر اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختارانہ تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلے میں جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ بھی چلا آ رہا ہو انسان کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے اور اس کی پیروی کے لئے اس دلیل کے سوا کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔

نیز یہ دین و مذہب کا تعلق صرف پوجا پاٹ سے ہے، رہے ہماری زندگی کے عام دینوی معاملات تو ان میں ہم کو پوری آزادی ہونی چاہیے کہ جس طرح چاہیں کام کریں۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کو مذہبی

Marfat.com

اور دنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں ہے بلکہ آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیبؑ کی قوم کو بھی اس تقسیم پر ایسا ہی اصرار تھا جیسا آج اہلِ مغرب اور ان کے مشرقی شاگردوں کو ہے۔ فی الحقیقت کوئی نئی روشنی نہیں ہے جو انسان کو آج ذہنی ارتقاء کی بدولت نصیب ہوگئی ہو بلکہ یہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے جو ہزار ہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان سے پائی جاتی تھی اور اس کے خلاف اسلام کی کشمکش بھی آج کی نہیں ہے بہت قدیم ہے۔ (۳۷)

سورہ ھود ہی میں اس قوم کا دھمکی آمیز جواب ان الفاظ میں مذکور ہے:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا. وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ. وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ (۳۸)

انہوں نے جواب دیا: اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے۔ تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے تیرا بل بوتا اتنا تو نہیں ہے۔

حضرت شعیبؑ کی قوم ایک طرف تو اپنی ہٹ دھرمی کے باعث ان کی دعوت پر کان ہی نہیں دھرنا چاہتی دوسری طرف سنگسار کرنے کی دھمکی بھی دیتی ہے اور ایسا عملاً کر گزرتی اگر شعیبؑ کے قبیلہ کے ردِعمل کا اندیشہ نہ ہوتا۔ بگڑی ہوئی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے مادی طاقت اور دنیوی وسائل کے حوالے کا ہی شعور ہوتا ہے اور اسی کی بات کرتی ہیں اور بالآخر اسی الٰہی قدرت کا نشانہ بنتی ہیں جس کا وہ مسلسل انکار کرتی ہیں۔

سورہ شعراء میں ایک اور پیرایہ اظہار ہے:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۳۹)

انہوں نے کہا: تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب

دعوت کا عمل ایک مسلسل مکالمہ (Continuous dialogue) ہے اور ہمہ پہلو اور ہمہ وقتی سرگرمی ہے۔ یہ اعتراضات و جوابات اور عمل و ردِعمل کا ایک سلسلہ ہے جو سدا جاری رہتا ہے۔ انبیاء کے طریق دعوت میں نمایاں بات یہ ہے کہ وہ کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ کسی نہ کسی بہانے لوگوں کو اپنے خالق کی موجودگی کا احساس دلاتے اور گناہوں کے انجام سے ڈراتے رہے۔ قوم شعیب نے دعوت کے جواب میں تین باتیں کہی تھیں۔

Marfat.com

۱۔ بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں اپنے مذہب پر لے آئیں گے۔

۲۔ تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو تمہیں سنگسار کر دیتے۔

۳۔ تم ایک سحر زدہ شخص ہو اگر سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔

حضرت شعیبؑ نے ہدایت ربانی کے مطابق ان تینوں باتوں کے جواب دیئے اور وہ مسکت جواب تھے۔ چونکہ ان سے اب یہ توقع باقی نہ تھی کہ وہ دعوت حق کو قبول کریں گے لہٰذا اللہ کے فیصلے کی دعا بھی اس جواب میں شامل ہے۔

پہلی بات کا جواب

قَدِافْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا. وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا. وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا. عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا. رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (۴۰)

شعیبؑ نے جواب دیا: کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا خواہ ہم راضی نہ ہوں؟ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر تمہاری ملت میں پلٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے ہمارے لئے تو اس کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں الا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اسی پر ہم نے اعتماد کر لیا۔ اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اس آیت میں پہلی بات کے ساتھ تیسری بات کا بھی جواب آ گیا ہے کہ وہ عذاب چاہتے ہیں تو اس کا فیصلہ بھی اللہ کر دے گا۔

دوسری بات کا جواب

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ. وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا. اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ٥ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ. سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ. مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ. وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ (۴۱)

شعیبؑ نے کہا: بھائیو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے برادری کا تو خوف کیا اور اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے اے میری قوم کے لوگو، تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کام کرتا رہوں گا۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں۔

Marfat.com

حضرت شعیبؑ انہیں بتاتے ہیں کہ تمہارے نزدیک قبیلہ کا مرتبہ اللہ سے زیادہ ہے جو تمہاری نا سمجھی ہے اور وقت آنے پر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کون بڑا ہے۔ رب یا قبیلہ یا تم جس عذاب کی بات کرتے ہو اس کا انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں وقت بتادے گا کہ کون مبنی برحق بات کرتا تھا اور کون غلطی پر تھا۔

تیسری بات کا جواب

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا. وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ. اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ. وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ. عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ (۴۲)

شعیبؑ نے کہا: بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریک حال کیسے ہوسکتا ہوں) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اس پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

یہ آیت اس طعنے کا جواب ہے جو ان لوگوں نے حضرت شعیبؑ کو دیا تھا کہ بس تم ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گئے ہو۔ اس ترش حملے کا یہ ٹھنڈا جواب دیا گیا کہ بھائیو! اگر میرے رب نے مجھے حق شناس اور بصیرت بھی دی ہو اور رزق حلال بھی عطا کیا ہو تو آخر تمہارے طعنوں سے یہ فضل غیر فضل کیسے ہوجائے گا۔ آخر میرے لئے یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ جب خدا نے مجھ پر فضل کیا ہے تو میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں کو حق اور حلال کہہ کر ناشکری کروں (۴۳)

قوم شعیب کا انجام

نبی جب قوم سے مایوس ہوتا ہے تو وہ ان کے دلائل کا جواب دینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے فیصلے کی دعا کرتا ہے اور خدا کا فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے۔ شعیبؑ نے بھی اتمام حجت کردی ان کے اعتراضات اور ان کے طعنوں کا ٹھنڈے دل سے جواب دیا اور رب تعالیٰ کے بھروسے پر اس کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ سنت اللہ کے مطابق قوم شعیب اللہ کے عذاب کی گرفت میں آئی اور اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والے لوگ بچ گئے کہ ان کا بچنا مشیت ایزدی کے عین مطابق تھا۔ قرآن نے اس قوم کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

Marfat.com

فِيهَا. اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ (۴۴)

مگر یہ ہوا کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ شعیبؑ کے جھٹلانے والے ہی آخر کار برباد ہو کر رہے۔

سورہ ہود میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ٥ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا. اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (۴۵)

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیبؑ اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔ سنو! مدین والے بھی دور پھینک دیئے گئے جس طرح ثمود پھینک دیئے گئے تھے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ. اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ٥ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً. وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۴۶)

انہوں نے اسے جھٹلایا، آخر کار چھتری والے دن کا عذاب ان پر آگیا اور وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (۴۷)

مگر انہوں نے اسے جھٹلا دیا آخر کار ایک سخت زلزلے نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھر میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

عذاب کی نوعیت

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم شعیب کو دو قسم کے عذاب نے آگھیرا تھا۔ اصحاب مدین کے بارے میں قرآن واضح کرتا ہے کہ ان پر عذاب ایک دھماکے اور زلزلے کی شکل میں آیا۔ ان کے بارے میں "الرجفة" اور "الصیحة" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن کے معنی زلزلہ اور دھماکہ کے ہیں۔ لیکن اصحاب الایکہ کے سلسلے میں "عذاب یوم الظلة" کا جملہ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے کچھ تشریحات بیان کی ہیں لیکن آنحضور ﷺ سے کوئی صحیح تفسیر منقول نہیں۔ ابن جریر نے اس سلسلے میں کئی اقوال نقل کئے ہیں جن میں حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن عباسؓ کا مندرجہ ذیل قول بھی شامل ہے جو بہت واضح ہے۔

من حدثک من العلماء ما عذاب یوم الظلة فکذبه (۴۸)

علماء میں سے جو کوئی تم سے بیان کرے کہ یوم الظلة کا عذاب کیا تھا اس کو درست مت سمجھو۔

سید مودودیؒ کے بقول اس عذاب کی کوئی تفصیل قرآن مجید میں یا کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے چونکہ آسمانی عذاب مانگا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیج دیا اور وہ چھتری کی طرح ان پر اس وقت تک چھایا رہا جب تک باران عذاب نے ان کو بالکل تباہ نہ کر دیا۔ (۴۹)

جہاں تک مدین کی تباہی کا تعلق ہے تو یہ مدتہائے دراز تک آس پاس کی قوموں میں ضرب المثل رہی ہے۔ زبور داؤد میں ایک جگہ آتا ہے کہ اے خدا فلاں فلاں قوموں نے تیرے خلاف عہد باندھ لیا ہے لہذا تو ان کے ساتھ وہی کر جو تو نے مدیان کے ساتھ کیا۔ (۸۳/۵۔۹) اور یسعیاہ نبی ایک جگہ بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آشور والوں سے نہ ڈرو اگرچہ وہ تمہارے لئے مصریوں کی طرح ظالم بنے جا رہے ہیں لیکن کچھ دیر نہ گزرے گی کہ رب الافواج ان پر اپنا کوڑا برسائے گا اور ان کا وہی حشر ہوگا جو مدیان کا ہوا۔ (یسعیاہ، ۱۰/۲۱۔۲۲) (۵۰)

شعیبؑ کی تکذیب نے ان قوموں کو عذاب الٰہی سے دوچار کر دیا۔ قرآن نے حضرت شعیبؑ کا تبصرہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ. فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (۵۱)

اور شعیب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ اے برادران قوم! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اب میں اس قوم پر کیوں افسوس کروں جو حق کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔

حضرت شعیبؑ کی دعوت کا تعلق خصوصی طور پر معاملات کی پاکیزگی سے ہے۔ محدود مذہبی تصور میں عبادات پر زور ہوتا ہے جبکہ معاملات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کی دعوت نے واضح کیا کہ معاملات کا بگاڑ تباہی پر منتج ہوتا ہے اور یہ بگاڑ دراصل اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور اس کے احکام کی درست معرفت کے فقدان سے پیدا ہوتا ہے۔ یوں تو تمام انبیاء کی دعوت ہر زمانے میں حوالہ کے طور پر قائم رہے گی لیکن شعیبؑ کی دعوت تو خصوصی طور پر ہر دور کے مترفین کے رویوں کو چیلنج کرتی رہے گی۔ اللہ کا قانون مکافات عمل اپنا کام کرتا ہے اور زمین پر فساد کرنے والے اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہتے ہیں انہیں اللہ کے قانون جزا و سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

Marfat.com

حواشی

۱۔ پیدائش (Genesis) ۱/۲۵، بائبل کے مطابق مدیان کے اور بھائی بھی تھے اور یہ سب بنی قطورا کہلائے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی ہی میں انہیں مشرقی ممالک میں بھیج دیا تھا۔
۲۔ تفہیم القرآن، ۲/۵۴
۳۔ قصص القرآن، ۱/۳۴۴
۴۔ یاقوت کہتے ہیں کہ ایکہ تبوک ہے اور اہل تبوک کہتے ہیں کہ شعیبؑ اہل تبوک کی طرف بھیجے گئے تھے لیکن میں نے بھی تفسیر میں یہ قول نہیں دیکھا اور اس سے مراد اہل مدین ہیں اور مدین و تبوک پاس پاس ہیں: معجم البلدان، ۳/۲۹۱
۵۔ الحجر/۷۸
۶۔ قصص القرآن، ۱/۳۴۴
۷۔ تفہیم القرآن، ۲/۵۱۴
۸۔ لسان العرب، ۱۰/۳۹۴، ابن جریر نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں، تفسیر ابن جریر، ۱۹/۱۰۷
۹۔ ایضاً
۱۰۔ تفسیر ابن جریر ۱۹/۱۰۷
۱۱۔ الحجر/۷۹
۱۲۔ ابن کثیر، ۲/۵۳۶
۱۳۔ قصص القرآن، ۱/۳۴۵
۱۴۔ ابن کثیر، ۲/۵۳۶
۱۵۔ تفسیر ابن جریر، ۱۹/۱۰۷
۱۶۔ قصص القرآن، ۱/۳۴۵
۱۷۔ تفہیم القرآن، ۳/۵۳۲
۱۸۔ الحجر/۷۹
۱۹۔ قصص القرآن، ۱/۳۴۴
۲۰۔ الاعراف/۸۵
۲۱۔ تفہیم القرآن، ۲/۳۸
۲۲۔ ھود/۸۴۔۸۶
۲۳۔ الشعراء/۱۷۶۔۱۸۴
۲۴۔ العنکبوت/۳۶
۲۵۔ الاعراف/۸۶
۲۶۔ قصص القرآن، ۱/۳۴۸
۲۷۔ الشعراء/۱۸۰
۲۸۔ ھود/۸۶
۲۹۔ ھود/۸۸
۳۰۔ الاعراف/۸۶
۳۱۔ ھود/۸۸۔۹۰
۳۲۔ الشعراء/۱۸۳۔۱۸۴
۳۳۔ الاعراف/۸۸
۳۴۔ الاعراف/۹۰
۳۵۔ تفہیم القرآن، ۲/۵۷۔۵۸
۳۶۔ ھود/۸۷
۳۷۔ تفہیم القرآن، ۲/۳۶۱
۳۸۔ ھود/۹۱
۳۹۔ الشعراء/۱۸۵۔۱۸۷
۴۰۔ الاعراف/۸۹
۴۱۔ ھود/۹۲۔۹۳
۴۲۔ ایضاً/۸۸
۴۳۔ تفہیم القرآن ۲/۳۶۲
۴۴۔ الاعراف/۹۱۔۹۲
۴۵۔ ھود/۹۴۔۹۵
۴۶۔ الشعراء/۱۸۹۔۱۹۰
۴۷۔ العنکبوت/۳۷
۴۸۔ تفسیر ابن جریر، ۱۹/۱۱۰
۴۹۔ تفہیم القرآن، ۳/۵۴۴
۵۰۔ ایضاً، ۲/۵۸
۵۱۔ الاعراف/۹۳

Marfat.com

حضرت ایوب علیہ السلام

قرآن مجید نے حضرت ایوبؑ کا ذکر ایک خاص اخلاقی وصف کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ وصف صبر ہے۔ ان کی ذاتی زندگی میں اس صفت کا اظہار اتنا کامل ہے کہ اسلامی زندگی میں ان کا نام ایک حوالہ بن گیا ہے۔ انسان کو زندگی میں جن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان بھی ہوتا ہے۔ یہ امتحان صرف اللہ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے جو ان کی خطاؤں کی معافی اور درجات کی بلندی کا باعث ہوتا ہے۔ دعوت کے کارکن کے لئے ایوبؑ کی شخصیت کا مطالعہ بے حد اہم ہے کیونکہ اس کارِ دعوت میں مشکلات بھی پیش آئیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا بھی امکان ہے۔ ایک داعی کے لئے ناگزیر ہے کہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کے حالات میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ عمل کے ضیاع اور عاقبت کی خرابی سے محفوظ رہے۔ قرآن پاک میں ایوبؑ کا ذکر چار سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ نساء اور سورۃ انعام میں ان کا ذکر صرف انبیاء کی فہرست میں آیا ہے جبکہ سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں مختصر تذکرہ ہے۔ انبیاء کی فہرست دیتے ہوئے قرآن نے کہا:

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهٖ. وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسٰى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهٰرُونَ وَسُلَيْمٰنَ. وَآتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُورًا (۱)

اے نبیؐ! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔

سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے اس ہدایت کی بات کی جو ان کی اولاد کو دی اور ان انبیاء کو عطا فرمائی جو نوحؑ کے بعد تشریف لائے۔ ان میں ایوبؑ کا بھی تذکرہ ہے ہم صرف وہی حصہ نقل کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ. وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۲)

(وہی راہ راست جو) اس سے پہلے نوحؑ کو دکھائی تھی۔ اور اسی کی نسل سے ہم نے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت بخشی اور اس طرح ہم نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔

ایوبؑ کی شخصیت

قرآن مجید میں ایوبؑ کا تذکرہ صرف آزمائش، صبر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوالے سے ہے۔ ان کی دعوتی سرگرمیاں، ان کے خطابات یا مخالفین کے ساتھ مکالمے اور مباحثے (۳) کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن بلاشبہ انہیں نبی قرار دیتا ہے کیونکہ انبیاء کی فہرست میں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے وحی اور ہدایت کی اصطلاحیں استعمال کرتا ہے جو انبیاء کے ساتھ مختص ہیں لیکن ان کے بارے میں کوئی تفصیلات مہیا نہیں کرتا۔ ان کے حالات کے بارے میں جو کچھ کتب، تفسیر میں ہے، وہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔ بائبل میں Book of Job کے نام سے ایک صحیفہ ہے جو سفر ایوب یا صحیفہ ایوب کے نام سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ یہ صحیفہ بہت سی معلومات کا ذریعہ ہے۔ قدیم مفسرین سے لے کر سید مودودیؒ اور مولانا امین اصلاحیؒ تک اس کے حوالے دیتے ہیں۔ اگرچہ سید مودودیؒ اس صحیفہ کے بارے میں کسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کرتے۔ (۴) ان کی شخصیت، قومیت اور ان کے زمانے کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

" اولاً محققین توراۃ میں سے اکثر اسی طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے۔ عرب میں ظاہر ہوئے تھے اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔ سفر ایوب میں ہے کہ وہ عوض کے ملک میں رہتے تھے۔ (۵) اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ (۶) ان دونوں تصریحات سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں عوض کو آرام بن سام بن نوح کا بیٹا کہا گیا ہے اور آرامی بالاتفاق عرب عادیہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔ (۷)

سید سلیمان ندویؒ انہیں ادومی مانتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

یہ مسئلہ کہ حضرت ایوب ایک ادومی عرب تھے خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔ عوض کی سرزمین میں ایک مرد صالح، راست گو، خدا سے ڈرنے والا اور بدی سے دور تھا (۱/۱)۔ عوض۔ تورات میں دو آدمیوں کا نام ہے ایک تو نہایت قدیم، عوض بن ارم بن سام بن نوح (تکوین، ۳۶/۳۹) باتفاق اہل کتاب اس عوض ثانی مراد ہے۔ عوض کے نبی ادوم ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں رفقائے ایوب کے جو مسکن بتائے ہیں وہ تیمن، لحمان اور شوحان ہیں (۱۱/۲)۔ اول کے متعلق تو اچھی طرح

Marfat.com

معلوم ہے کہ وہ مملکت ادوم کا ایک مشہور شہر تھا (تکوین، ۳۶/۳۴) ۔۔۔زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اس لئے آسان ہے کہ کلدان (سفر ایوب، ۱/۱۷) اور سبا (سفر ایوب، ۱/۵) کا اس پر ذکر معاصرت ہے۔ سبا کا عروج ۱۰۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک ہے اس لئے ان دونوں زمانوں کے درمیان کہیں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہیئے۔ (۸)

مولانا حفظ الرحمٰن حضرت ایوبؑ کے ادومی ہونے کے سلسلے میں تو سید سلیمان ندویؒ کی تائید کرتے ہیں لیکن زمانے کے تعین کے بارے میں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ ایوبؑ کا زمانہ اسحاقؑ اور موسیٰؑ کے زمانہ کے درمیان ہے اور یہ تقریباً ۱۵۰۰ ق م اور ۱۳۰۰ ق م کے حدود میں تلاش کرنا چاہیئے۔ (۹) انہوں نے اپنی تحقیق کے حق میں دلائل بھی دیئے ہیں۔ (۱۰)

سید مودودیؒ ایوبؑ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت ایوبؑ کی شخصیت، زمانہ، قومیت، ہر چیز کے بارے میں اختلاف ہے۔ جدید زمانے کے محققین میں سے کوئی ان کو اسرائیلی قرار دیتا ہے کوئی مصری اور کوئی عرب کسی کے نزدیک ان کا زمانہ موسیٰ سے پہلے کا ہے کوئی انہیں داؤد اور سلیمان کے زمانے کا آخری آدمی قرار دیتا ہے اور کوئی ان سے بھی متاخر لیکن سب کے قیاسات کی بنیاد سفر ایوب یا صحیفہ ایوب پر ہے۔ جو بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں شامل ہے۔ اسی کی زبان، انداز بیان اور کلام کو دیکھ کر یہ مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں نہ کہ کسی اور تاریخی شہادت پر۔ اور اس سفر ایوب کا حال یہ ہے کہ اس کے اپنے مضامین میں بھی تضاد ہے اور اس کا بیان قرآن مجید کے بیان سے بھی اتنا مختلف ہے کہ دونوں کو بیک وقت نہیں مانا جا سکتا۔ لہذا ہم اس پر قطعاً اعتماد نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد شہادت اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ سعیاہ نبی اور حزقی ایل نبی کے صحیفوں میں ان کا ذکر آیا ہے اور یہ صحیفے تاریخی حیثیت سے زیادہ مستند ہیں۔ سعیاہ نبی آٹھویں صدی اور حزقی ایل نبی چھٹی صدی قبل مسیح میں گزرے ہیں۔ اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ حضرت ایوبؑ نویں صدی یا اس سے پہلے کے بزرگ ہیں۔ (۱۱) رہی ان کی قومیت تو سورہ نساء آیت ۱۶۳ اور سورہ انعام آیت ۸۴ میں جس طرح ان کا ذکر آیا ہے اس سے گمان تو یہی ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے تھے مگر وھب بن منبہ کا یہ بیان بھی کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ حضرت اسحاق کے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے۔ (۱۲)

وھب بن منبہ کے بیان کی تائید بائبل کے بیان سے ہوتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادوم اسحاقؑ کے بڑے بیٹے عیسو (Esau) کا لقب ہے۔ بائبل کے الفاظ ہیں:

Jhus Dwelt ESAU in Mount seir: ESAU is Edom (۱۳)

Marfat.com

بائبل کے مطابق جب ان کی والدہ نے تدبیر کر کے چھوٹے بیٹے یعقوبؑ کے لئے اسحاق سے برکت حاصل کر لی اور اسے اپنے بھائی کے پاس بھیج دیا تو عیسو اپنے چچا اسماعیل کے پاس آ گئے اور ان کی بیٹی محلات (Mahalat) سے شادی [۱۴] کر کے کوہ ساعیر کے قریب بس گئے جو عرب کی آخری حد ہے۔ عمان سے حضر موت کا وسیع علاقہ عیسو کی اولاد کے زیر نگین رہا۔ موسیٰ جب بنی اسرائیل کو مصر سے واپس لائے تو اس وقت بھی بنی ادوم شعیر (ساعیر) پر حکمران تھے۔ [۱۵]

امتحان اور آزمائش

سفر ایوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عوض میں ایوب نامی ایک نہایت کامل اور راستباز انسان رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا خاندان اور بہت دولت دے رکھی تھی۔ ان کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو سوار برداری کے گدھے ان کے پاس تھے۔ ان کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے۔ اہل مشرق میں اس درجہ کا مالدار اور کوئی نہ تھا۔ لیکن یہ تمام خدم وحشم رکھنے کے باوجود وہ خدا کے نہایت شکر گزار اور فرمانبردار بندے تھے کبھی برائی سے وہ آلودہ نہ ہوئے۔ وہ اور ان کا خاندان عبادت گذاری اور قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا۔ [۱۶] ان کی اس نیکی پر شیطان کو حسد ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کی خدا پرستی اور راست بازی اس لئے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی خوش حالی دے رکھی ہے اگر یہ ان سے محروم ہو جائے تو پھر کبھی خدا کا شکر گزار نہ ہو۔ بائبل کے مطابق شیطان نے کہا:

But put forth thy hand now, and touch all that he hath. and he will cause thee on thy face, [۱۷]

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اختیار دیا کہ وہ اس کے مال اولاد میں تصرف کر سکے۔ سو ایوبؑ کے لئے آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کے مویشی لوٹ لئے گئے، نوکر چاکر قتل ہو گئے، اولاد مر گئی، دولت وحشمت سب غائب ہو گئی۔ ان حالات میں بھی حضرت ایوبؑ کی فرمانبرداری میں کوئی فرق نہ آیا۔ سفر ایوب کے مطابق:

" وہ سجدے میں گر پڑا اور کہا کہ میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا۔ خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے لے لیا۔ اسی کے نام سے ساری پاکیاں اور مبارکیاں ہیں۔ [۱۸]

رب نے شیطان کو مخاطب کر کے کہا:

Has thou considred my servant job, that there is none like him in earth, a perfect and upright man. one that feareth God and escheweth evil? and still he holdeth fast his integrity although thou movesdst me against him to destroy him with out cause.[۱۹]

شیطان نے اس کے جواب میں اپنے رب سے کہا:

Skin for Skin yea, all taht a man hath will he give for his life but

Marfat.com

put forth their hand now, and touch his bone and his flesh and he will Curse thee thy face. [۲۰]

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کے وجود پر تصرف کی اجازت دی اور شیطان نے ان کو بیماری میں مبتلا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ:

ایوبؑ کے تلوے سے لے کر سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے اور وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا۔ [۲۱]

اس کی بیوی نے اس سے کہا: کیا تو اب بھی اپنی راستی پر قائم رہے گا؟ خدا کی تکفیر کر اور مرجا۔" اس نے جواب دیا تو نادان عورتوں کی سی باتیں کرتی ہے کیا ہم خدا کے ہاتھ سے سکھ پائیں اور دکھ نہ پائیں۔ [۲۲] اس ساری صورت حال میں ایوبؑ اپنی زبان پر حرف شکایت نہ لائے۔ [۲۳]

حضرت ایوبؑ طویل مدت تک اس مرض میں مبتلا رہے۔ وھب بن منبہ کے مطابق تین سال اور حسن سے سات سال منقول ہیں۔ [۲۴] ابن کثیر نے انسؓ سے اٹھارہ سال نقل کئے ہیں۔ [۲۵] اس سارے عرصے میں ان کی کیفیت کیا رہی اس کی تفصیلات نہ تو قرآن میں ہیں اور نہ صحیح احادیث میں۔ کتب تفسیر میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان کا ماخذ سفر ایوب ہے اور اس میں جو کچھ منقول ہے وہ قابل توجہ نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اگر کوئی روایت صحت کو پہنچ سکی ہے تو وہ حضرت انسؓ کا اثر ہے جس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریج نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ایوبؑ تیرہ سال تک مصائب کے امتحان میں مبتلا رہے حتیٰ کہ ان کے تمام عزیز و اقارب اور قریب و بعید کے متعارف سب ہی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ البتہ اعزہ میں سے ان کے دو عزیز ضرور صبح و شام ان کے پاس آتے رہے۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ایوبؑ نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے تب ہی تو وہ اس کی پاداش میں ایسی سخت مصیبت کے اندر مبتلا ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا ان پر مہربان ہو جاتا اور ان کو شفا ہو جاتی؟ یہ بات دوسرے نے ایوبؑ سے کہہ سنائی۔ ایوبؑ یہ سن کر بہت بے چین اور مضطرب ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سربسجود ہو کر دعا گو ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد ہی رفع حاجت کے لئے اٹھے۔ ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کے لے گئیں۔ جب فارغ ہو گئے تو وہاں سے علیحدہ ہوئے تو خدا کی وحی نازل ہوئی کہ زمین پر پاؤں سے ٹھوکر مارو اور جب انہوں نے ٹھوکر ماری تو پانی کا چشمہ اُبل پڑا اور انہوں نے غسل صحت کیا اور پہلے سے زیادہ صحیح اور تندرست نظر آنے لگے۔ یہاں بیوی انتظار کر رہی تھی کہ ایوبؑ تازگی اور شگفتگی کے ساتھ نظر آئے وہ قطعاً پہچان نہ سکیں اور ایوبؑ کے متعلق ان ہی سے دریافت کرنے لگیں تب آپ نے فرمایا: میں ہی ایوب ہوں اور خدا کے فضل و کرم کا واقعہ سنایا۔ روزمرہ کے کھانے کے لئے حضرت ایوبؑ کے پاس

Marfat.com

ایک گٹھری گیہوں کی اور ایک جو کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے گیہوں کو سونے اور جو کو چاندی سے بدل دیا۔ (۲۶)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

بینما ایوب یغسل عریانا خر علیه رجل جراد من ذهب فجعل یحثی فی ثوبه فنادی ربه یاایوب الم اکن اغنیتک عما تری ؟ قال بلی یا رب ولکن لا غنی لی عن بركتك (۲۷)

حضرت ایوبؑ غسل فرما رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں برسیں۔ وہ انہیں اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ایوبؑ کو پکارا اور کہا دولت پا کر تم ہم سے بے نیاز نہیں ہو گئے؟ ایوبؑ نے عرض کیا پروردگار! یہ صحیح ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پروا ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر کے بقول امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق ایوبؑ کے واقعہ سے متعلق اس کے سوا کوئی روایت ثابت نہیں ہو سکی اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا۔ (۲۸) حافظ ابن حجر والی روایت کا ماخذ بھی سفر ایوب ہی لگتا ہے لیکن سفر ایوب کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے اس کے تضادات ابھر کے سامنے آتے ہیں۔ پہلے دو ابواب بلاشبہ ایک اچھی تصویر پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بعد کے ابواب ایک دلچسپ کہانی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی حیثیت پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے عمدہ تبصرہ کیا ہے ہم اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

" حیرت کی بات ہے کہ اس کتاب کا ابتدائی حصہ کچھ کہہ رہا ہے بیچ کا کچھ اور آخر میں نتیجہ کچھ اور نکل آتا ہے۔ تینوں حصوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ابتدائی حصہ کہتا ہے کہ ایوبؑ ایک نہایت راست باز، خدا ترس اور نیک شخص تھا --------- پہلے اور دوسرے باب کا خلاصہ ------- لیکن اس کے بعد تیسرے باب سے ایک دوسرا ہی مضمون شروع ہوتا ہے جو بیالیسویں باب تک ایوبؑ کی بے صبری اور خدا کے خلاف شکایات و الزامات کی ایک مسلسل داستان ہے اور اس سے پوری طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ایوبؑ کے بارے میں خدا کا اندازہ غلط اور شیطان کا اندازہ صحیح تھا۔ پھر بیالیسویں باب میں خاتمہ اس بات پر ہوتا ہے کہ اللہ میاں سے خوب دو بدو بحث کر لینے کے بعد صبر و شکر اور توکل کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ میاں کی ڈانٹ کھا کر ایوبؑ ان سے معافی مانگ لیتا ہے اور وہ اسے قبول کر کے اس کی تکلیفیں دور کر دیتے ہیں اور جتنا کچھ پہلے اس کے پاس تھا اس سے دو چند دے دیتے ہیں۔ اس آخری حصے کو پڑھتے وقت آدمی کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایوبؑ اور اللہ میاں دونوں شیطان کے چیلنج کے مقابلے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں اور پھر محض اپنی بات رکھنے کے لئے اللہ میاں نے ڈانٹ ڈپٹ کر اسے معافی مانگنے پر مجبور کیا ہے اور اس کے معافی مانگتے ہی اسے قبول کر لیا ہے تاکہ شیطان کے سامنے ان کی ہیٹی نہ ہو۔

Marfat.com

یہ کتاب خود اپنے منہ سے بول رہی ہے کہ یہ نہ خدا کا کلام ہے نہ خود حضرت ایوبؑ کا۔ بلکہ یہ حضرت ایوبؑ کے زمانے کا بھی نہیں ہے۔ ان کے صدیوں بعد کسی شخص نے قصہ ایوب کو بنیاد بنا کر "یوسف زلیخا" کی طرح کی ایک داستان لکھی ہے اور اس میں ایوب، الیفز، تیمانی، سوخی بلاو، نعماتی ضوفر، براکیل بوزی کا بیٹا الیہو چند کیریکٹر ہیں جن کی زبان سے نظام کائنات کے متعلق دراصل وہ خود اپنا فلسفہ بیان کرتا ہے۔ اس کی شاعری اور اس کے زور بیان کی جس قدر جی چاہے داد دے لیجئے، مگر کتب مقدسہ کے مجموعہ میں ایک صحیفہ آسمانی کی حیثیت سے اس کو جگہ دینے کے کوئی معنی نہیں۔ ایوبؑ کی سیرت سے اس کا بس اتنا ہی تعلق ہے جتنا "یوسف زلیخا" کا سیرت یوسفی سے ہے بلکہ شاید اتنا بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کے ابتدائی اور آخری حصے میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں صحیح تاریخ کا ایک عنصر پایا جاتا ہے۔ اور وہ شاعر نے یا تو زبانی روایات سے لیا ہوگا جو اس کے زمانے میں مشہور ہوں گی یا پھر کسی صحیفے سے اخذ کیا ہوگا جو اب ناپید ہے۔ (۲۹)

قرآن مجید نے ایجاز و اعجاز کے ساتھ اپنے حکیمانہ اسلوب میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ o فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ (۳۰)

اور ایوب پر بھی ہم نے رحمت کی جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مبتلائے آزار ہوں اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کی تکلیف دور کردی اور اس کو اس کے اہل وعیال بھی دیئے اور ان کے مانند ان کے ساتھ اور بھی خاص اپنے فضل سے اور عبادت گزاروں کی یاددہانی کے لئے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ o اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ o وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ o وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ. اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا. نِعْمَ الْعَبْدُ. اِنَّهٗٓ اَوَّاب (۳۱)

اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے (ہم نے اسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لئے اور پینے کے لئے۔ ہم نے اسے اس کے اہل وعیال واپس دیئے اور ان کے ساتھ اتنے ہی، اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، اور عقل وفکر رکھنے والوں کے لئے درس کے طور پر (اور ہم نے اس سے کہا) تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے ماردے، اپنی قسم نہ توڑ ہم نے اسے صابر پایا، بہترین بندہ، اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

Marfat.com

رجوع الی اللہ

قرآن پاک کے اس مختصر اور جامع بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایوبؑ انبیاء ورسل کی جماعت کے ایک فرد تھے اور دولت وثروت اور کثرت اہل وعیال کے لحاظ سے بھی خوش بخت وفیروز مند تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش وامتحان میں آ گئے۔ مال ومتاع، اہل وعیال اور جسم وجان سب مصیبت کے گھیرے میں آئے۔ انتہائی تکلیف دہ حالات میں بھی یہ نہیں کہا کہ پروردگار! تو نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا۔ نیاز مندی اور ادب نے ایسا کہنے سے روکا۔ کہا تو یہ کہا کہ:" شیطان نے مجھ کو تکلیف وعذاب کے ساتھ چھوڑ دیا" اور جب دعا والتجا کی تو بھی لطیف وبلیغ پیرایہ بیان اختیار کیا۔ عرض کی:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (۳۲)

میں مبتلائے آزار ہوں اور تو مہربانوں میں سب سے بڑا مہربان ہے

اس سارے عرصے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستحکم تعلق ہی ان کا اثاثہ ہے اور بالآخر اللہ کی طرف رجوع کر کے اس سے مدد مانگتے ہیں۔

اجابت دعا

اللہ پاک نے اس پکار کو سنا اور قبول کیا۔ جو مال ومتاع برباد ہوا اور جو اہل وعیال ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف وہ واپس کر دیے بلکہ چند در چند اور زیادہ بخش دیے اور صحت وتندرستی کے لئے چشمہ جاری کر دیا کہ غسل کر کے صحت مند ہو جائے۔ یہ سب کچھ اس کی رحمت کے باعث ہوا۔ ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایوب اپنی جگہ سے اٹھو اور زمین پر ٹھوکر مارو۔ ایوبؑ نے ارشاد باری کی تعمیل کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک چشمہ جاری کر دیا۔ جس میں انہوں نے غسل کیا اور جسم کا ظاہری روگ سب جاتا رہا۔ اس کے بعد انہوں نے پھر ٹھوکر ماری اور دوسرا چشمہ اُبل پڑا اور انہوں نے اس کا پانی پیا اور اس سے جسم کے باطنی حصہ میں مرض کا جو اثر تھا اس کا بھی قلع قمع ہو گیا اور اس طرح وہ چنگے ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے (۳۳) قرآن میں ہے:

فَکَشَفْنَا مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَمِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ (۳۴)

تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کی تکلیف دور کر دی اور اس کو اس کے اہل وعیال بھی دیے اور ان کے مانند اور بھی۔

سفر ایوب میں ہے:

اور خداوند نے ایوبؑ کی حالت بدل دی۔ اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت کی۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا۔ اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی وہ ایک سو چالیس برس تک

Marfat.com

جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ (۳۵)

قرآن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصائب و مشکلات کے ہجوم میں بھی حضرت ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیے رہے اور اسی سے رحم طلب کرتے رہے اور اسی کو پکارتے رہے جبکہ سفر ایوب ان کی بے صبری اور اللہ سے بدگمانی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس کے مطابق ایوبؑ کہتے ہیں: نابود ہو وہ دن جس میں پیدا ہوا تھا۔ (۳۶)

.........میں رحم ہی میں کیوں نہ مر گیا۔ میں نے پیٹ سے نکلتے ہی کیوں نہ جان دے دی (۳۷)......

قادر مطلق کے تیر میرے اندر لگے ہوئے ہیں اور میری روح انہی کے زہر کو پی رہی ہے۔ اور خدا کے قہر میرے خلاف صف باندھے ہوئے ہیں۔ (۳۸)

قرآن کے مطابق ان کی دعا قبول ہوتی ہے وہ آزمائش میں پورا اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے مستحق قرار پاتے ہیں جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور روایات میں بھی تفصیلات آئی ہیں۔

اللہ کی خصوصی عنایت

حضرت ایوبؑ نے بیماری کی حالت میں ناراض ہو کر کسی کو مارنے کی قسم کھائی تھی (روایات یہ ہیں کہ بیوی کو مارنے کی قسم کھائی تھی) اسی قسم میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تجھے اتنے کوڑے ماروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمادی اور حالت مرض کا وہ غصہ دور ہو گیا جس میں یہ قسم کھائی تھی تو ان کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ قسم پوری کرتا ہوں تو خواہ مخواہ ایک بے گناہ کو مارنا پڑے گا اور قسم توڑتا ہوں تو یہ بھی ایک گناہ کا ارتکاب ہے۔ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح نکالا کہ انہیں حکم دیا، ایک جھاڑو لو جس میں اتنے ہی تنکے ہوں جتنے کوڑے تم نے مارنے کی قسم کھائی تھی، اور اس جھاڑو سے اس شخص کو بس ایک ضرب لگا دو تا کہ تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے اور اسے ناروا تکلیف بھی نہ پہنچے (۳۹) یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی کہ ایوبؑ کے لئے سہولت پیدا کی اور انہیں اس پریشانی سے نکالا جو قسم کے پورا کرنے کے سلسلے میں انہیں لاحق تھی۔ قرآن نے اس تدبیر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ. اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا. نِعْمَ الْعَبْدُ. اِنَّهٗ اَوَّاب (۴۰)

اپنے ہاتھوں میں تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے مار دے اپنی قسم نہ توڑ۔ ہم نے اسے صابر پایا۔ بہترین بندہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

نصائح

قرآن مجید نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے چند سبق حاصل ہوتے ہیں جو دینی زندگی کے لئے بے حد اہم ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ انہیں بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

ابتلاء

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک اہم حقیقت آزمائش وابتلاء ہے۔ابتلاء بظاہر ایک تکلیف دہ صورت حال ہوتی ہے جو ایک سزا معلوم ہوتی ہے اور بظاہر ابتلاء وسزا میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن مقصد اور نتیجہ کے لحاظ سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔سزا لازماً کسی گناہ وجرم کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہے جبکہ آزمائش کے لئے گناہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں۔ابتلاء تعلق باللہ اور اعتماد علی اللہ کی پختگی کو جانچنے کے لئے ہوتا ہے اور اس میں بھی توفیق الٰہی اور تائید ایزدی شامل ہوتی ہے۔وہ اپنے بندے کو آزماتا ہے اور اسی آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق اور ہمت بھی عطا کرتا ہے۔یہ ابتلاء اس بندے کی شخصیت کو نکھارنے کا باعث ہوتی ہے اور اس سے بندہ اپنے رب سے تعلق کو اور زیادہ مضبوط کر لیتا ہے۔مزید براں اس کی شخصیت کو استحکام ملتا ہے اور دعوت الی اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے کی صلاحیت کو نشوونما دیتا ہے۔نتیجہ کے اعتبار سے بھی ابتلاء سزا سے مختلف ہے۔سزا میں شخصیت فنا ہوتی ہے جبکہ ابتلا میں شخصیت سنورتی اور نکھرتی ہے اور اللہ کے ہاں اجر وثواب کے ساتھ درجات کی بلندی ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے آزمائش کی حقیقت کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے ہم یہاں صرف دو حوالے درج کرتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ٥ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (۴۱)

اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان ومال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔انہیں خوشخبری دے دو۔ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

الٓمّٓ ٥ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ٥ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (۴۲)

الف لام میم۔کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

آزمائش دینی زندگی کی ایک حقیقت ہے جس کے پیش آنے سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہیے اور رب کریم سے

Marfat.com

فضل ورحمت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ حضور اکرمؐ کے ارشادات میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔

عن معصب بن سعد عن ابیه قال قلت یا رسول الله ! ای الناس اشد بلاء قال: الانبیاء ثم الامثل فالا مثل فیبتلی الرجل علی حسب دینه فان کان دینه صلبا اشتد بلاء ہ و ان کان فی دینه رقة ابتلی علی حسب دینه فما یبرح البلاء بالعبد حتی یتر که یمشی علی الارض ما علیه خطیئة (۴۳)

معصب بن سعد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کن لوگوں کی سب سے زیادہ آزمائش ہوتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے اس کے بعد حسب مراتب و درجات۔ ایک آدمی اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے اگر اس کے دین میں مضبوطی ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوگی۔ بندے کے ساتھ آزمائش کا یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک وہ زمین پر بے خطا ہو کر نہ چلنے لگے۔

امام ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ مزید یہ کہا ہے کہ اس سلسلے میں ابو ہریرہؓ اور خذیفہ بن الیمان سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ سے پوچھا گیا ای الناس اشد بلاء تو آپؐ نے فرمایا: الانبیاء ثم الامثل فالامثل (۴۴) یعنی انبیاء اور پھر ان کے قریب تر درجہ کے لوگ۔ یہی مضمون حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی منقول ہے۔ (۴۵)

صبر

حضرت ایوبؑ کے واقعہ سے اصل سبق صبر کی صفت کا ثبوت اور صبر کے رویہ کا اظہار ہے۔ قرآن نے انہیں صابر کے لقب سے نوازا ہے۔ صبر ایک جامع اصطلاح ہے جو اپنے اندر کئی مفاہیم کو سمیٹے ہوئے ہے لیکن اس میں غالب پہلو یہ ہے کہ انسان مشکلات کو خاطر میں نہ لائے اور کسی قسم کی بے قراری کا اظہار نہ کرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی صورت میں اس رویہ کا اظہار بنیادی اخلاقی صفت ہے جس سے اس کے خاص بندے متصف ہوتے ہیں۔ قرآن نے جہاں حضرت ایوبؑ کو صابر کہا ہے وہیں دوسرے انبیاء کی صفت صبر کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً یعقوبؑ کے ساتھ ان کے بیٹے جو فریب کاریاں کرتے ہیں اس پر قرآن ان کے رویے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (۴۶)

کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے تو میں بجۃ صبر کرتا ہوں اور اللہ سے اس پر مدد چاہی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

حضرت اسماعیلؑ اپنے شفیق باپ سے قربانی کا ذکر سن کر کہتے ہیں:

يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (۴۷)

Marfat.com

ابا جان! آپ سے جو کہا گیا ہے وہ کر گزریں اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔
صبر صرف شدائد کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہی کا نام نہیں ہے استقامت اور ثابت قدمی کا مظہر بھی ہے۔
حضور اکرمؐ کو حکم ہوتا ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (۴۸)

اے پیغمبرؐ! آپ بھی اس طرح ثابت قدم رہیں جیسے پختہ ارادے والے پیغمبر ثابت قدم رہے، اور ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کریں۔

ذاتی زندگی کی تنظیم ہو یا کار دعوت صبر ایک بنیادی وصف ہے۔ اس کے بغیر کوئی کام بھی اچھے انجام کو نہیں پہنچتا۔
حضرت ایوبؑ کی استقامت نے بالآخر انہیں کھوئی ہوئی مال و دولت اور اہل و عیال بھی دلا دیے اور اللہ کی رضا و خوشنودی بھی حاصل ہوگئی۔

رجوع الی اللہ

اس سارے واقعہ کی اصل حقیقت رجوع الی اللہ ہے۔ یہ شاہ کلید ہے۔ صبر، استقامت اور شکر میں سے کوئی شے بھی حاصل نہیں ہو سکتی اگر انسان کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور اس پر اعتماد و توکل، اس کی قضا پر رضا اور اس کی نصرت کی آرزو کے بغیر کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا۔ بس اس کی ذات سے وابستگی ہی تمام مسائل کا حل اور تمام مشکلات کا جواب ہے۔ آزمائش و ابتلاء میں بھی انسان کا اپنے رب سے تعلق قائم رکھنا استقامت کا باعث ہوتا ہے اور یوں انسان جلد بازی میں کوئی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتا اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے ادبی و بے اعتمادی کا گمان ہو اور اس طرح انسان عبدیت کی اعلیٰ منازل طے کرتا جاتا ہے اور قرب الٰہی کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا اسوہ کار دعوت میں تعمیر شخصیت کے لئے شاندار نمونہ ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ النساء/۱۶۳

۲۔ الانعام/۸۴

۳۔ سفر ایوب میں ان کے جن مکالموں کا ذکر ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ پیغمبر کے شایان شان نہیں۔

۴۔ تفہیم القرآن، ۳/۱۷۸

5- There was a man in the land of UZ whose name was job Book of job, III.

6- Book of Job 1/15.

۷۔ ترجمان القرآن، ۲/۴۸۶: مورخ ابن عساکر کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ انہیں لوطؑ کا معاصر اور دین ابراہیمی کا پیرو مانتے ہیں۔ فتح الباری، ۶/۳۲۶

۸۔ ارض القرآن، ۲/۴۴

۹۔ قصص القرآن، ۳/۱۸۰

۱۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے قصص القرآن، ۳/۱۸۰۔۱۸۱

۱۱۔ سید مودودیؒ کی رائے سید سلیمان ندویؒ کی رائے کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔

۱۲۔ تفہیم القرآن، ۳/۱۷۸

۱۳۔ پیدائش، ۳۶/۸

۱۴۔ ایضاً، ۲۸/۹

۱۵۔ قصص القرآن، ۲/۱۷۶

۱۶۔ سفر ایوب، ۱/۱۔۶

۱۷۔ ایضاً، ۱/۹۔۱۱

۱۸۔ ایضاً، ۱/۲۲

۱۹۔ ایضاً، ۲/۳

۲۰۔ ایضاً، ۲/۴۔۵

۲۱۔ ایضاً، ۲/۸

۲۲۔ سفر ایوب، ۱۲

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ابن کثیر، ۳/۱۸۸

۲۵۔ ایضاً ابن کثیر کے ابن جریر کے حوالے سے وہ پوری روایت نقل کی ہے جسے ہم ابن حجر سے تفسیر سورہ ص میں نقل کر رہے ہیں۔

۲۶۔ فتح الباری، ۶/۳۲۶

۲۷۔ بخاری کتاب بدء الخلق، باب قول اللہ تعالیٰ وایوب اذ نادی ربہ، ۴/۱۲۴

۲۸۔ فتح الباری، ۶/۳۲۶

۲۹۔ تفہیم القرآن، ۳/۱۸۰۔۱۸۱

۳۰۔ الانبیاء/۸۳۔۸۴

۳۱۔ ص ۴۱/۴۴

۳۲۔ الانبیاء/۸۳

۳۳۔ مختصر ابن کثیر، سورہ ص، ۳/۲۰۵

۳۴۔ الانبیاء/۸۴

۳۵۔ سفر ایوب، ۴۲/۱۰، ۱۶

۳۶۔ ایضاً، ۳/۳

۳۷۔ ایضاً، ۳/۱۱

۳۸۔ ایضاً، ۶/۴

۳۹۔ تفہیم القرآن، ۴/۳۴۱

۴۰۔ ص/۴۴

۴۱۔ البقرہ/۱۵۵۔۱۵۷

۴۲۔ العنکبوت/۱۔۳

۴۳۔ ترمذی، کتاب الزھد، باب الصبر علی البلاء، ۴/۶۰۱۔۶۰۲

Marfat.com

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ مسند، ۱/۱۷۳، ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۵، دارمی، کتاب الرقائق، باب فی اشد الناس بلاء ۲/۳۲۰، امام بخاری نے کتاب المرضی میں ایک باب کا عنوان باندھا ہے اشد الناس بلا الانبیاء ثم الامثل فالامثل، ۷/۳

۴۶۔ یوسف/۱۸

۴۷۔ الصافات/۱۰۲

۴۸۔ الاحقاف/۳۵

☆☆☆☆

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام

قرآن نے جن انبیاء کو اولوالعزم کہا ہے ان میں موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت نمایاں ہے۔ قرآن کی چھتیس سورتوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ موسیٰؑ کی شخصیت ایک معجزانہ شخصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ لاڈلا پیغمبر قدم قدم پر تائید الٰہی سے بہرہ ور ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ چونکہ ان کی دعوتی ذمہ داریاں منفرد نوعیت کی تھیں اس لیے تائید ایزدی کے تجربے بھی اسی نوعیت کے تھے۔ یوں تو تمام انبیاء کار دعوت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز رہے ہیں لیکن حضرت موسیٰؑ کو اس توجہ کا کچھ زیادہ ہی حصہ نصیب ہوا۔ ان کی ذاتی زندگی اور ان کے کار دعوت میں نصیحت و ہدایت کا بڑا سامان موجود ہے۔

تاریخی پس منظر

حضرت موسیٰؑ کی شخصیت اور ان کے کام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھا جائے جس میں وہ پروان چڑھے اور اپنا کام شروع کیا۔ موسیٰؑ کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک خاندان سے تھا اور ہم نے یوسفؑ کے ضمن میں پڑھا ہے کہ ان کا پورا کنبہ مصر میں آباد ہوا تھا۔ قرآن نے اشارۃً صرف اتنا کہا ہے کہ یوسفؑ نے اپنے والد اور خاندان کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا:

ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (۱)

چلو اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے۔

لیکن بائبل نے زیادہ تفصیلات دی ہیں:

> تب فرعون نے یوسف سے کہا کہ تیرا باپ اور تیرے بھائی تمہارے پاس آئے ہیں۔ مصر کی زمین تیرے آگے ہے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو اس سرزمین کے ایک مقام پر جو سب سے بہتر ہے، بسا، جشن کی زمین میں ان کو رہنے دے اور اگر تو جانتا ہے کہ ان میں سے کچھ فعال ہیں تو ان کو میرے مواشی پر مختار بنا دے۔ (۲)

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا کہ حضرت نے فرعون سے کہا کہ میرے خاندان کے لوگ اپنا سب اثاثہ لے کر جشن کے علاقہ میں پہنچ گئے ہیں اور خاندان کے پانچ افراد کو اس کے سامنے پیش کیا۔ فرعون سے سوال و جواب کے

Marfat.com

سلسلے میں انہوں نے ایسی سرزمین میں آباد ہونے کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں فرعون نے حضرت یوسفؑ کو اجازت دی تھی۔ (۳)

بائبل ہمیں مزید بتاتی ہے کہ:

اور یوسف نے اپنے باپ اور بھائیوں کو مصر کی بہترین زمین میں جو رعمیسس کی زمین ہے، جیسا کہ فرعون نے حکم دیا تھا، آباد کیا اور انہیں اس کا مالک بنایا۔ اور یوسف اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور اپنے باپ کے پورے گھرانے کی، ان کے افراد کے مطابق روٹی سے پرورش کی۔ (۴)

اور اسرائیل نے مصر کی زمین میں جشن کے علاقے میں سکونت اختیار کی اور وہ وہاں ملکیتیں رکھتے تھے اور وہ بڑھے اور بہت زیادہ ہوئے اور یعقوب مصر کی سرزمین میں سترہ برس جیے۔ سو یعقوب کی کل عمر ایک سو سنتالیس برس کی ہوئی۔ (۵)

حضرت یعقوبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو اکٹھا کیا اور سب کے لئے دعا کی (۶) اور یوسفؑ کے دونوں بیٹوں کو پیار کیا، ان کے لیے دعا کی اور چھوٹے بیٹے افرائیم کے لئے خصوصی دعا کی۔ (۷)

قرآن کا بیان ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ. قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰـهَ اٰبَـآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (۸)

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟" سب نے جواب دیا: ہم اس ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق نے خدا مانا ہے۔ ہم اسی کے تابعدار ہیں۔

یعقوبؑ کی وفات کے بعد بھی ان کی اولاد یوسفؑ کی سرپرستی میں سرزمین مصر میں مقیم رہی۔ بائبل حضرت یوسفؑ کی وفات کا ذکر کرتی ہے اور ان کی عمر اور ان کی نسل کے بارے میں بھی معلومات مہیا کرتی ہے:

اور یوسفؑ اور اس کے باپ کے گھرانے نے مصر میں سکونت اختیار کی اور یوسفؑ ایک سو دس برس جئے۔ اور یوسف نے افرائیم کے لڑکے جو تیسری پشت میں تھے دیکھے اور منسی کے بیٹے کمیر کے بیٹے بھی یوسف کے گھٹنوں پر پالے گئے۔ اور یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا میں مرتا ہوں اور خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا اور تم کو اس زمین سے باہر اس زمین میں جس کی بابت اس نے ابراہام اور اسحاق اور یعقوب سے قسم کی ہے لے جائے گا۔ اور یوسفؑ نے بنی اسرائیل سے قسم لے کر کہا خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا اور تم میری ہڈیوں کو یہاں سے لے جائیو۔ سو یوسفؑ ایک سو دس

Marfat.com

برس کے بوڑھے ہو کر فوت ہوئے۔ اور انہوں نے اس میں خوشبو بھری اور اسے مصر میں صندوق میں رکھا۔ (۹)
حضرت یوسفؑ کی وصیت کے مطابق ان کی اولاد نے ان کے جسم کو حنوط کر کے تابوت میں محفوظ کر دیا اور جب حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر سے ہجرت کر کے چلے تو یوسفؑ کی وصیت پورا کرنے کے لئے ان کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور انبیاء کی سرزمین میں لا کر دفن کر دیا۔

بائبل میں ہے:

اور موسیٰؑ نے یوسفؑ کی ہڈیاں ساتھ لیں کیونکہ اس نے بنی اسرائیل کو تاکیداً قسم دے کر کہا تھا کہ خدا یقیناً تمہاری خبر گیری کرے گا۔ تم یہاں سے میری ہڈیاں ساتھ لے جاؤ۔ (۱۰)

بہرکیف بنی اسرائیل حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر آئے تھے اور حضرت موسیٰؑ کے عہد تک وہاں مقیم رہے۔ اس دوران ان پر اچھے اور بُرے وقت آئے۔ بائبل کے مطابق حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل پھلے پھولے لیکن کچھ عرصہ بعد حالات تبدیل ہوئے اور بنی اسرائیل کے لئے مشکلات پیدا ہوئیں۔ بائبل کہتی ہے:

اور بنی اسرائیل بارآور تھے لہٰذا ان کی تعداد بہت بڑھی اور وہ کئی گنا ہو گئے اور طاقتور بن گئے اور سرزمین ان سے بھر گئی۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اسرائیل ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔ اس لئے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے جو ان سے سخت کام لے کر انہیں ستاتے سو انہوں نے فرعون کے لئے ذخیرے کے شہر پتوم اور رعمسیس بنائے۔ لیکن وہ انہیں جتنا ستاتے اتنا ہی ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا اور وہ کئی گنا بڑھتے اور مصری اسرائیلیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے پریشان تھے اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر تشدد کر کے ان سے کام کرایا اور انہوں نے ان سے سخت محنت سے گارا اور اینٹ بنوا بنوا کر اور کھیت میں ہر قسم کی خدمت لے کر ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی سب خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے تشدد کی تھیں۔ تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے بات کی جن میں سے ایک کا نام شفراہ اور دوسری کا پواہ تھا۔ اس نے کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور ان کو پتھر کی بیٹھکوں پر بیٹھا دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے۔ (۱۱)

بائبل ہمیں مزید بتاتی ہے کہ دائیوں نے خدا کے خوف کی وجہ سے بادشاہ کا حکم نہ مانا اور اسرائیلی بچوں کی جان بچائی۔ بادشاہ نے انہیں بلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اسرائیلی عورتیں طاقت ور اور فعال ہیں اور ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی بچوں کو جنم دے کر فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح خدا نے دائیوں کی رہنمائی کی اور اسرائیلی آبادی بڑھی

Marfat.com

اور وہ لوگ مضبوط ہوئے۔ (۱۲) کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ فرعون نے حکم دیا:

پیدا ہونے والے ہر بچے کو دریا میں ڈال دو اور ہر بچی کو زندہ رکھو۔ (۱۳)

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی اس مصیبت اور ذلت و خواری کا تذکرہ مختلف مقامات پر کیا ہے۔ مثلاً:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (۱۴)

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

سورہ بقرہ میں ہے:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۔ (۱۵)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم کو آل فرعون کے قبضہ سے چھڑایا۔ وہ تمہیں برے عذاب چکھاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی۔

موسیٰؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد کراتے ہوئے اس مصیبت سے نجات دلانے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۔ (۱۶)

اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا" اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اس نے تم کو فرعون والوں سے چھڑایا جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

لڑکوں کے قتل کی یہ مہم کس بنا پر تھی اس کی وضاحت میں دو طرح کے اقوال ہیں۔ ایک جسے ہمارے مفسرین نے اسرائیلی روایات اور خصوصاً تلمود سے نقل کردہ قول کہ فرعون نے کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا یا کسی نجومی نے اسے بتایا تھا کہ اسرائیلیوں میں سے ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعونی اقتدار کا خاتمہ ہوگا لہٰذا اس خطرے کے سدباب کے لئے اس نے اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی

Marfat.com

آبادی اسے خطرناک لگی لہٰذا آبادی کی منصوبہ بندی کا ایک طریقہ نکالا گیا۔ جیسا کہ بائبل میں ہے اسے ڈر تھا کہ بڑی تعداد کے لوگ اگر حملہ آور سے مل گئے تو اس کے اقتدار کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ نوٹ نقل کر دیا جائے جو سید مودودیؒ سورہ قصص کی آیت نمبر ۴ کی وضاحت میں کتاب خروج سے اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا دور گزر جانے کے بعد مصر میں ایک قوم پرستانہ انقلاب ہوا تھا اور قبطیوں کے ہاتھ میں جب دوبارہ اقتدار آیا تو نئی قوم پرست حکومت نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں صرف اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا گیا کہ اسرائیلیوں کو ذلیل وخوار کیا جاتا اور انہیں ادنیٰ درجے کی خدمات کے لئے مخصوص کر لیا جاتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹائی جائے اور ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تاکہ رفتہ رفتہ ان کی عورتیں قبطیوں کے تصرف میں آتی جائیں اور ان سے اسرائیل کے بجائے قبطیوں کی نسل پیدا ہو۔"

تلمود اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کی وفات پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر جانے کے بعد یہ انقلاب ہوا تھا۔ وہ بتاتی ہے کہ نئی قوم پرست حکومت نے پہلے تو بنی اسرائیل کو ان کی زرخیز زمینوں اور ان کے مکانات اور جائیدادوں سے محروم کیا۔ پھر انہیں حکومت کے تمام مناصب سے بے دخل کیا۔ اس کے بعد بھی جب قبطی حکمرانوں نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل اور ان کے ہم مذہب مصری کافی طاقتور ہیں تو انہوں نے اسرائیلیوں کو ذلیل وخوار کرنا شروع کیا اور ان سے سخت محنت کے کام قلیل معاوضوں پر یا بلا معاوضہ لینے لگے۔ یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی کہ مصر کی آبادی کے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا اور سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ آل فرعون بنی اسرائیل کو سخت عذاب دیتے تھے (یسو مونکم سوء العذاب)

مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں کہ فرعون سے کسی نجومی نے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعونی اقتدار کا تختہ الٹ جائے گا اور اسی خطرے کو روکنے کے لیے فرعون نے اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یا فرعون نے کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر یہ دی گئی تھی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں ایسا اور ایسا پیدا ہونے والا ہے۔ یہ افسانہ تلمود اور دوسری اسرائیلی روایات سے ہمارے مفسرین نے نقل کیا ہے۔ (۱۷)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فرعونیوں کے اس عمل کی وجہ سے بنی اسرائیل میں مردوں کی شدید کمی واقع ہو رہی تھی اس لئے قبطیوں کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ انہیں وہ سب کام کرنے پڑیں گے جو اب تک بنی اسرائیل کے مرد کر رہے ہیں، فرعون کو مشورہ دیا گیا کہ اس پروگرام میں کچھ تخفیف کی جائے لہٰذا اس نے یہ حکم دیا کہ ایک سال قتل ابناء کے منصوبے

Marfat.com

پر عمل کیا جائے اور دوسرے سال عملدرآمد روک دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ہارونؑ کی پیدائش اسی سال ہوئی جب عمل درآمد رکا ہوا تھا اور حضرت موسیٰؑ کی پیدائش عمل درآمد کے سال میں ہوئی تھی۔ (۱۸) بنی اسرائیل کی اس ناگفتہ بہ حالت پر اللہ تعالیٰ کو رحم آیا اور اس نے ان کی نجات کی تدبیر کی۔

تدبیرِ الٰہی

قرآن مجید نے اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ذکر کیا ہے جس کا مرکزی کردار موسیٰؑ تھے۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کے ذکر سے پہلے مشیت الٰہی کا خصوصی ذکر کیا ہے جس کا تعلق بنی اسرائیل کی نجات سے ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ o وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ. (۱۹)

اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں اپنا پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

مولانا اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ فرعون اور اس کے اعیان تو یہ ظلم وستم ڈھائے ہوئے تھے اور ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں لیکن ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ہم مظلوموں پر احسان کریں، ان کو پیشوائی کا منصب بخشیں اور ظالموں کو مٹا کر مظلوموں کو وراثت و خلافت عطا کریں۔ "نجعلهم ائمة" سے اشارہ اس دینی پیشوائی کی طرف ہے جو حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی اور "نجعلهم الوارثين" سے خلافت وحکومت مراد ہے جو ان کو ارض فلسطین میں ملی اور حضرت سلیمانؑ کے عہد میں جس کے حدود نہایت وسیع ہو گئے۔ یہاں تک کہ مصر کی حکومت ان کی باجگزار ریاست بن گئی۔ (۲۰)

وہ مزید لکھتے ہیں:

"ماكانوا يحذرون" سے اشارہ فرعون اور اس کے اعیان کے اسی اندیشہ کی طرف ہے...... کہ وہ بنی اسرائیل کی تعداد میں روز افزوں اضافہ سے بہت خائف تھے کہ اگر یہ قوت پکڑ گئے تو یا تو وہ خود ملک پر قابض ہو جائیں گے یا باہر کے دشمنوں سے مل کر یہاں کے قبطیوں کو بے دخل کر دیں گے۔ اس خطرے کے سدباب کے لئے ان احمقوں نے بنی اسرائیل کے ذکور کے قتل کی اسکیم بنائی تھی...... لیکن اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

اسکیم کے مقابلے میں ان کی ساری اسکیمیں اور پیش بندیاں بالکل بے کار ثابت ہوئیں۔ ارادہ الٰہی مظلوموں کے حق میں پورا ہو کے رہا اور ان کے دشمن تمام زور و سطوت اور تمام تدبیر و تدبر کے باوجود پامال ہوئے۔ (۲۱)

حضرت موسیٰؑ کی پیدائش

مشیت الٰہی کی اسکیم میں حضرت موسیٰؑ کی شخصیت کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس نے اسی سال جو اسرائیلی بچوں کے قتل کا سال تھا حضرت موسیٰؑ کی پیدائش کا انتظام کیا۔ ان کی حفاظت کی اور اپنی نگرانی میں انہیں ان لوگوں کے پاس پہنچایا جو قتل کی منصوبہ بندی کرنے والے تھے اور انہیں سے پرورش کا انتظام کرایا۔ بائبل اور قرآن دونوں میں پیدائش اور پرورش کے یکساں واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ قرآن نے بعض تصحیحات کے ساتھ اہم اشارے بھی کئے ہیں جو بائبل میں مفقود ہیں۔ ہم سب سے پہلے بائبل کا بیان نقل کرتے ہیں اس کے بعد قرآن کا۔

بائبل میں موسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر کچھ اس طرح ہے:

"اور لاوی کے گھرانے کے ایک شخص نے جا کر لاوی کی نسل کی ایک عورت سے بیاہ کیا۔ وہ عورت حاملہ ہوئی اور اس کے بیٹا ہوا۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ بچہ خوبصورت ہے تین مہینے تک اسے چھپا کر رکھا۔ اور جب اسے اور زیادہ چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا لیا اور اس پر چکنی مٹی اور رال لگا کر لڑکے کو اس میں رکھا اور اسے دریا کے کنارے جھاؤ میں چھوڑ آئی۔ اور اس کی بہن دور کھڑی رہی تاکہ دیکھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے اور فرعون کی بیٹی دریا پر غسل کرنے آئی اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے کنارے ٹہلنے لگیں۔ تب اس نے جھاؤ میں وہ ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے۔ جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا ۔ وہ بچہ رو رہا تھا۔ اسے اس پر رحم آیا اور کہنے لگی یہ کسی عبرانی کا بچہ ہے۔ تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی سے کہا کیا میں جا کر عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تیرے پاس بلا لاؤں جو تیرے لیے اس بچے کو دودھ پلایا کرے؟ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا تو اس بچے کو لے جا کر میرے لیے دودھ پلا۔ میں تجھے تیری اجرت دیا کروں گی۔ وہ عورت اس بچے کو دودھ پلانے لگی۔ جب بچہ کچھ بڑا ہوا تو وہ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لے گئی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ یہ کہہ کر رکھا کہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔ (۲۲)

قرآن پاک نے موسیٰؑ کے پیدائش کے سلسلے میں ابتدائی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ تلمود میں موسیٰؑ کے والد کا نام عمرام بتایا گیا ہے۔ قرآن اسی کا تلفظ عمران کرتا ہے۔ موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ان کے ہاں دو بچے ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی مریم (Miriam) نامی تھی جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون تھے۔

Marfat.com

غالباً یہ فیصلہ کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بیٹا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے، حضرت ہارون کی پیدائش کے زمانے میں نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ بچ گئے۔ پھر یہ قانون جاری ہوا اور اسی خوفناک زمانے میں تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی۔ (۲۳)
قرآن اپنے بیان کا آغاز ام موسیٰؑ کی طرف وحی الٰہی سے کرتا ہے کہ جب بچے کے بارے میں خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا۔ یعنی پیدا ہوتے ہی دریا میں ڈال دینے کا حکم نہ تھا بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ جب تک خطرہ نہ ہو بچے کو دودھ پلاتی رہو جب راز فاش ہوتا نظر آئے اور اندیشہ ہو کہ بچے کی آواز سن کر یا اور کسی طرح دشمنوں کو اس کی پیدائش کا علم ہو جائے گا، یا خود بنی اسرائیل ہی میں سے کوئی کمینہ آدمی مخبری کر بیٹھے گا، تو بے خوف وخطرہ اسے ایک تابوت میں رکھ کر ڈال دینا۔ بائبل ہی میں ہے کہ پیدائش کے بعد تین مہینے تک حضرت موسیٰؑ کی والدہ ان کو چھپائے رہیں۔ (۲۴) تلمود اس پر اضافہ کرتی ہے کہ فرعون کی حکومت نے اس زمانے میں جاسوس عورتیں چھوڑ رکھی تھیں جو اسرائیلی گھروں میں اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے لے جاتی تھیں اور وہاں کسی نہ کسی طرح ان بچوں کو رلا دیتی تھیں تاکہ اگر کسی اسرائیلی نے اپنے ہاں کوئی بچہ چھپا رکھا ہو تو وہ دوسرے بچے کی آواز سن کر رونے لگے۔ اس نئے طرزِ جاسوسی سے حضرت موسیٰؑ کی والدہ پریشان ہو گئیں اور انہوں نے اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے پیدائش کے تین مہینے بعد اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس حد تک دونوں کتابوں کا بیان قرآن کے مطابق ہے اور دریا میں ڈالنے کی کیفیت بھی انہوں نے وہی بتائی ہے جو قرآن میں بتائی گئی۔ سورہ طہٰ میں ارشاد ہوا ہے اقذفیہ فی التابوت فاقذفیہ الیم (بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دے)۔ اس کی تائید بائبل اور تالمود بھی کرتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑی بات جو قرآن میں بیان کی گئی ہے اس کا کوئی ذکر اسرائیلی روایات میں نہیں ہے یعنی یہ کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے اشارے پر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ اس طریقے پر عمل کرنے میں نہ صرف یہ کہ تمہارے بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ ہم بچے کو تمہارے پاس ہی پلٹا لائیں گے اور یہ کہ تمہارا یہ بچہ آگے چل کر ہمارا رسول ہونے والا ہے۔ (۲۵) اس ساری صورت حال کو قرآن کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ. فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِ فَاَلْقِیْہِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ٥ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَکُوْنَ لَھُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اِنَّ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا کَانُوْا خٰطِئِیْنَ ٥ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ لَا تَقْتُلُوْہُ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ٥ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا. اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِھَا لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ٥ وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰٓی اَھْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَهٗ لَکُمْ وَھُمْ لَهٗ

Marfat.com

نٰصِحُوْنَ ٥ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ٥ (۲۶)

"ہم نے موسیٰؑ کی ماں کواشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا، پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔ آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے دریا سے نکال لیا تا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے سبب رنج بنے۔ واقعی فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر (اپنی تدبیر میں) بڑے غلط کار تھے۔ فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا، یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو کیا عجب کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں۔ اور وہ (انجام) سے بے خبر تھے۔ ادھر موسیٰؑ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والے میں سے ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا:" اس کے پیچھے پیچھے جا چنانچہ وہ الگ سے اس کو دیکھتی رہی کہ (دشمنوں کو) اس کا پتہ نہ چلا اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں (یہ حالت دیکھ کر) اس لڑکی نے ان سے کہا" میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟ اس طرح ہم موسیٰؑ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو اپنے احسانات یاد کراتے ہوئے پیدائش کا واقعہ بیان کیا اور اس میں بعض اشارے سورہ قصص کے بیان سے زیادہ ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ٥ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰىٓ ٥ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْٓ ٥ اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى. (۲۷)

" ہم نے پھر ایک مرتبہ تجھ پر احسان کیا۔ (۲۸) یاد کر وہ جبکہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا، ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعہ ہی سے کیا جاتا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے، اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے...... دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے میرا اور اس بچے کا دشمن اٹھا لے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کردی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کر جبکہ تیری بہن

Marfat.com

چل رہی تھی، پھر جا کر کہتی ہے" میں تمہیں اس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے؟"

اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔

قرآن کے بیان میں دو باتوں کا خصوصی ذکر ہے۔ ایک حضرت موسیٰؑ کی شخصیت کی جاذبیت اور دوسرے ربانی نگرانی کا اظہار۔ مولانا اصلاحی نے ان نکات کی وضاحت بہت عمدہ کی ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ فرعون کے ہاں موسیٰؑ کے بھیجے جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" پھر یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور حضرت موسیٰؑ دونوں کے دشمن سے حضرت موسیٰؑ کی پرورش کرائی بلکہ اس کی تدبیر و حکمت کا یہ بھی ایک کرشمہ ہے کہ اس نے فرعون سے اس کے اور اس کی قوم کے سب سے بڑے دشمن کی پرورش کرائی۔ اور فرعون کے خود اپنے ہی ہاتھوں اس خطرے کا سامان کیا جس سے بچنے کے لئے اس نے نہ جانے کیا کیا جتن کیے۔

والقیت علیک محبة منی۔ یہ وہ خدائی تدبیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے اور ان کے، دونوں کے دشمن کی نگاہوں میں محبوب بنا دینے کے لیے فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تم پر اپنی محبت کا ایک پرتو ڈال دیا۔ بچہ تو یوں ہی موہنا ہوتا ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر اس کو دیکھ کر شفقت پیدا ہوتی ہے اور حضرت موسیٰؑ تو، تورات کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نہایت خوبصورت بھی تھے۔ (۲۹) پھر مزید لطف خداوندی یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایک پرتو ڈال دیا۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس بچے کے موہنے پن کا کہ جس پر محبت الٰہی کا پرتو ہو! ایک ایسا موہنا بچہ جب وہ سرکنڈوں کی ایک ٹوکری میں، دریا کی موجوں کا پھینکا ہوا، یکہ و تنہا، معصومیت و دل آویزی کی مورت بنا ہوا پڑا ہو تو آخر کس کا دل اس کو دیکھ کر تڑپ نہیں جائے گا! فرعون آخر فرعون ہی تھا کوئی پتھر تو نہیں تھا! چنانچہ یوں ہوا کہ فرعون اور اس کی بیوی نیل کے کنارے سیر کو نکلے، ان کی نظر ٹوکرے پر پڑ گئی۔ اس میں انہوں نے ایک چاند سے بچے کو دیکھا۔ سمجھ گئے کہ یہ کسی اسرائیلی کا بچہ ہے جس کو غالباً اس کے ماں باپ نے، اس کے قتل کے اندیشہ سے، تن بہ تقدیر، دریا کی موجوں کے حوالہ کر دیا ہے کہ شاید اسی راہ سے اس کے بچاؤ کی کوئی شکل پیدا ہو جائے۔ بچہ کو دیکھ کر ان کے دل میں رحم پیدا ہو گیا۔ اس رحم میں بھی زیادہ دخل فرعون کی بیوی کا تھا۔ (۳۰) عورتیں یوں بھی فطرتاً بچوں کے معاملے میں بڑی رحم دل ہوتی ہیں اور فرعون کی یہ بیوی تو، جیسا کہ سورہ تحریم کی آیت ۱۱ سے ثابت ہے کہ نہایت خدا ترس اور رحم دل بی بی تھیں۔ بہر حال اس خدائی تدبیر سے دریائے نیل میں پھینکے ہوئے حضرت موسیٰؑ اسی فرعون کے محل میں پرورش کے لیے پہنچ گئے جس کے ڈر سے ان کی ماں نے اپنے آغوش سے جدا کر کے ان کو دریا کی آغوش میں دیا تھا۔

ولتصنع علی عینی یہاں حرف عطف بربنائے قرینہ دلیل ہے کہ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے...... اس کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی کہ ہم نے تم پر اپنی محبت کا پرتو اس لیے ڈالا کہ تم سے تمہارے دشمن محبت کریں

Marfat.com

اور تمہاری پرورش خاص ہماری نگرانی میں، ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی محبت کا یہ پرتو ہی تھا جو حضرت موسیٰؑ کا محافظ بنا اور اس محافظ نے اس طرح ان کو محفوظ کر دیا کہ ان کو نہ صرف کہ کہ اپنے جانی دشمن سے کوئی خطرہ نہیں رہا بلکہ وہ دشمن ان کا گرویدہ بن گیا۔ اس محافظ محبت کو اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی آنکھ سے تعبیر فرمایا ہے گویا اپنی محبت کا پرتو ڈال کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اپنی حفاظت کا پہرہ بٹھا دیا۔(۳۱)

فرعون کی بیوی کا کردار

قرآن نے تابوت کے پکڑے جانے کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ بائبل کے مطابق فرعون کی بیٹی کو اس کی سہیلیوں نے تابوت نکال کر دیا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ فرعون اور اس کی بیوی سیر کر رہے ہوں اور انہوں نے اس ٹوکرے کو دیکھا ہو اور نکلوایا ہو یا محل کے عملے نے دریا سے نکال کر پیش کیا ہو اور قتل کا بھی مشورہ دیا ہو۔ یہ سب محض امکانات ہیں، یقینی بات اتنی ہے کہ فرعون کی بیوی کو بچے کو دیکھنے کے بعد اس کی موہنی صورت کی وجہ سے بے اختیار پیار آیا۔ اس لیے اس سے نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ لے کر پال لو۔ یہ جب ہمارے ہاں پرورش پائے گا اور ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے تو اسے کیا خبر ہو گی کہ میں اسرائیلی ہوں۔ یہ اپنے آپ کو آل فرعون کا ایک فرد سمجھے گا اور اس کی قابلیتیں بنی اسرائیل کی بجائے ہمارے کام آئیں گی۔ بائبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ کو پالنے اور بیٹا بنانے کے لئے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن صاف الفاظ میں اسے " امراۃ فرعون" (فرعون کی بیوی) کہتا ہے اور ظاہر ہے کہ صدیوں بعد مرتب کی ہوئی زبانی روایت کے مقابلہ میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسرائیلی روایات سے خواہ مخواہ مطابقت پیدا کرنے کی خاطر عربی محاورہ کے خلاف "امراۃ فرعون" کے معنی" فرعون کے خاندان کی عورت" کیے جائیں۔(۳۲)

مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی کا خیال ہے کہ مورخین اس اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ پانی میں بہتے ہوئے صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اٹھایا ہو اور بیٹا بنانے کی آرزو اور فرعون سے اس بچہ کو قتل نہ کرنے اور خود پالنے کی خواہش کا اظہار اور فرعون سے سفارش فرعون کی بیوی (آسیہ) نے کی ہو۔(۳۳)

مولانا سیوہاروی نے قرآن کے انداز بیان کو اس رائے کے حق میں بطور استدلال بیان کیا ہے کیونکہ قرآن نے صندوق اٹھانے والوں کے لئے " آل فرعون" اور قتل نہ کرنے کی سفارش کرنے والے کے لئے "امراۃ فرعون" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔(۳۴) لیکن بائبل کا پورا بیان پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہاں فرعون کی بیوی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے آخر میں ہے کہ ام موسیٰ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لائی اور وہ اسی کا بیٹا قرار پایا۔(۳۵)

سید مودودیؒ کی رائے زیادہ صائب ہے کہ براہ راست وحی الٰہی کا بیان زبانی روایات پر مبنی بیان سے زیادہ قابل اعتبار ہے اس لیے فرعون کی بیوی ہی کے مثبت رویہ کے باعث نبی موسیٰؑ کی جان بچی اور شاہی محل میں پرورش پانے کے مستحق بنے۔ مشیت الٰہی کی تدبیر میں فرعون کی بیوی کا کردار طے شدہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ تحریم میں اس کا

Marfat.com

ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. (۳۶)

اور اللہ ایمان والوں کے لئے مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی۔ جب کہ اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو نجات دے فرعون سے اور اس کے عمل سے اور مجھے نجات دے ظالموں کی قوم سے۔

بچے کا اپنی ماں کے پاس لوٹنا

مشیت الٰہی کی تدبیر میں صرف حضرت موسیٰؑ کو بچانا ہی نہ تھا بلکہ اسے ماں کے پاس لوٹانا بھی تھا کیونکہ اس کے بغیر مقاصد الٰہیہ کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ اس عمر کے بچے کا ماں سے چھن جانا ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے اور اگر ارادہ الٰہیہ کا فعال تصرف نہ ہوتا تو سارا منصوبہ الٹ سکتا تھا۔ ام موسیٰؑ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ایماء خداوندی سے دریا میں تو ڈال دیا لیکن غم سے کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ ان کا دل صبر و قرار سے بالکل خالی ہو گیا قریب تھا کہ بے صبری میں ان سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جس سے راز فاش ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا تا کہ جس دولت ایمان سے وہ بہرہ مند تھیں اس پر اس آزمائش میں بھی وہ ثابت قدم رہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (۳۷)

اور موسیٰ کی ماں کا دل بالکل بے چین ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو نہ سنبھالتے کہ وہ اہل ایمان میں سے بنی رہے۔

اس کے لیے دو تدابیر کی گئیں ایک تو ام موسیٰؑ نے اپنی بیٹی کو اس تابوت کی نگرانی پر مامور کیا اور دوسرے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر تمام عورتوں کا دودھ ممنوع کر دیا۔ یہی دو تدابیر بچے کو اپنی ماں کے پاس لانے کا باعث بنیں۔ پہلی تدبیر کے بارے میں قرآن کا بیان ہے:

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ. (۳۸)

اور اس نے اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔ تو وہ اس کو دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو اس کی خبر نہ ہونے پائی۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی بہن لوگوں کی نظریں بچا کر ان کو دیکھتی رہی۔ بالآخر ان کو معلوم ہو گیا کہ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچا اور وہاں دریا نے اس کو کنارے پر ڈال دیا اور فرعون اور اس کی بیوی نے بچے کو اٹھا لیا۔

دوسری تدبیر کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

Marfat.com

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ. (۳۹)

اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں۔

حضرت موسیٰؑ کی بہن جو نگرانی کر رہی تھیں وہ فرعون کے محل میں پہنچیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ بچے کو کسی دایہ کا دودھ پلانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن بچہ مچلا ہوا ہے، وہ کسی کے چھاتی سے منہ ہی نہیں لگاتا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے فرعون کی بیوی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر آپ لوگ کہیں تو میں ایک ایسے گھر والوں کا پتہ دے سکتی ہوں جو اس بچے کی نہایت اچھی دیکھ بھال کریں گے اور بچے کو مانوس کر لیں گے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے دودھ نہ پینے کے سبب فرعون اور اس کے گھر والوں کو نہایت پریشانی تھی اس وجہ سے یہ تجویز مان لی گئی اور اس طرح حضرت موسیٰؑ پھر اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئے۔ (۴۰) بائبل میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی سے کہا کہ کہیے تو میں جا کر عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تمہارے پاس لے آؤں تا کہ وہ تمہارے لیے اس لڑکے کو دودھ پلائے۔ فرعون کی بیٹی نے اس سے کہا کہ جا، وہ لڑکی گئی اور لڑکے کی ماں کو بلایا۔ فرعون کی بیٹی نے اس سے کہا کہ اس لڑکے کو لے اور اسے میرے لیے دودھ پلا، میں تجھے اجرت دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو دودھ پلایا۔ (۴۱)

حضرت موسیٰؑ کی بہن نے نہ صرف اس تابوت پر نظر رکھی بلکہ مناسب موقع پر ایسی تجویز دی جو موسیٰؑ کی واپسی کا باعث بنی۔ ہمارے پاس تفصیلات موجود نہیں جس سے اندازہ کیا جا سکے کہ اس نے یہ تجویز کب اور کس وقت دی۔ سید مودودیؒ سورہ قصص کی آیت ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے محل میں بھائی کے پہنچ جانے کے بعد بہن گھر نہیں بیٹھ گئی بلکہ وہ اپنی اسی ہوشیاری کے ساتھ محل کے آس پاس چکر لگاتی رہی۔ پھر جب اسے پتہ چلا کہ بچہ کسی کا دودھ نہیں پی رہا اور ملکہ عالیہ پریشان ہیں کہ کوئی ایسی انا ملے جو بچے کو پسند آئے تو وہ ذہین لڑکی سیدھی محل میں پہنچ گئی اور جا کر کہا کہ میں ایک اچھی انا کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کو بڑے شفقت سے پالے گی۔ اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قدیم زمانے میں ان ممالک کے بڑے خاندانی لوگ بچوں کو اپنے ہاں پالنے کے بجائے عموماً اناؤں کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ اپنے ہاں ان کی پرورش کرتی تھیں...... یہی طریقہ مصر میں بھی تھا اسی بنا پر حضرت موسیٰؑ کی بہن نے یہ نہیں کہا کہ میں ایک اچھی انا لا کر دیتی ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں گے اور اسے خیر خواہی کے ساتھ پالیں گے۔" (۴۲)

مولانا اصلاحی نے سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۰ کی تفسیر میں جو نکتہ بیان کیا ہے وہ اس کی عمدہ وضاحت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہاں "اذ تمشی اختک فتقول" میں صیغے مضارع کے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بہن کو بار بار فرعون کی بیوی کو مطمئن کرنے کے لئے ان کے پاس آنا جانا پڑا تب وہ اپنی تجویز پر ان کو راضی کرنے میں کامیاب ہوئیں اس طرح حضرت موسیٰؑ دوبارہ

Marfat.com

اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ماں کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ (۴۳)

ابتدائی زندگی

اس کے بعد کے حالات کے بارے میں کوئی تفصیلات مہیا نہیں۔ بائبل اتنا بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب کچھ بڑے ہوئے تو ام موسیٰؑ انہیں فرعون کی بیٹی کے سپرد کر گئیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور چونکہ انہیں پانی سے نکالا گیا تھا اس لیے اس کا نام موسیٰ رکھا گیا (۴۴) قرآن نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش اور فرعون کے ہاں واپسی کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔ البتہ یہ واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی پرورش شاہی خاندان میں ہوئی اور ظاہر ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت میں وہ تمام طریقے اختیار کئے گئے ہوں گے جو شاہزادوں کی تعلیم و تربیت میں اختیار کئے جاتے ہیں۔ عہد نامہ جدید کی کتاب "اعمال" میں ہے کہ: موسیٰؑ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کام اور کلام میں قوت والا تھا۔" (۴۵) تلمود کا بیان ہے کہ موسیٰؑ فرعون کے گھر میں ایک خوبصورت جوان بن کر اٹھے۔ شاہزادوں کا لباس پہنتے، شاہزادوں کی طرح رہتے اور لوگ ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ وہ اکثر جشن کے علاقے میں جاتے جہاں اسرائیلیوں کی بستیاں تھیں اور ان تمام سختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے جو ان کی قوم کے ساتھ قبطی حکومت کے ملازمین کرتے تھے۔ ان ہی کی کوششوں سے فرعون نے اسرائیلیوں کے لیے ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی مقرر کی۔ انہوں نے فرعون سے کہا کہ دائما مسلسل کام کرنے کی وجہ سے یہ لوگ کمزور ہو جائیں گے اور حکومت ہی کا نقصان ہوگا۔ ان کی قوت بحال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہفتے میں ایک دن آرام کا دیا جائے۔ اسی طرح اپنی دانائی سے انہوں نے اور بہت سے ایسے کام کیے جن کی وجہ سے تمام ملک مصر میں ان کی شہرت ہوگئی۔ (۴۶) قرآن صرف ان کی عمر کی پختگی اور خدائی عطیہ علم و حکمت کی بات کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ. (۴۷)

اور جب موسیٰؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے اور ان کا نشو و نما مکمل ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔ ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

قرآن یہاں ان کے ذہنی نشو و نما کی تکمیل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حکم سے مراد حکمت، دانائی، فہم و فراست اور قوت فیصلہ ہے اور علم سے مراد دینی اور دنیوی دونوں علوم ہیں۔ کیونکہ والدین کے ساتھ ربط ضبط قائم رہنے کی وجہ سے ان کو اپنے باپ دادا، (حضرت یوسفؑ، یعقوبؑ، اسحاقؑ اور ابراہیمؑ) کی تعلیمات سے بھی واقفیت حاصل ہوگئی تھی اور بادشاہ وقت کے ہاں شاہزادے کی حیثیت سے پرورش پانے کے باعث ان کو وہ تمام دنیوی علوم بھی حاصل ہوئے جو اس زمانے کے اہل مصر میں متداول تھے۔ اس حکم اور علم کے عطیہ سے مراد نبوت کا عطیہ نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰؑ کو نبوت تو اس کے کئی سال بعد عطا فرمائی گئی جیسا کہ آگے آرہا ہے اور اس سے پہلے سورہ شعراء میں بھی

Marfat.com

بیان ہو چکا ہے۔ (۴۸)

مولانا اصلاحی کے بقول جب حضرت موسیٰؑ جسمانی اعتبار سے جوانی کو اور عقلی و مزاجی اعتبار سے اعتدال و توازن کی عمر کو پہنچے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جوانی بجائے خود کوئی بڑی وقیع چیز نہیں ہے، اگر اس کے ساتھ عقلی و مزاجی اعتدال کا جمال نہ ہو...... فرمایا جب حضرت موسیٰؑ جوانی کو پہنچے اور ان کی عقل اور ان کے مزاج میں اعتدال و توازن آ گیا تو ہم نے ان کو حکمت و معرفت سے نوازا۔ وکذلک نجزی المحسنین جو لوگ خوب کار ہوتے ہیں ہم ان کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔ محسنین سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ان کے صحیح مصرف میں صحیح طریقہ پر استعمال کرتے ہیں۔ (۴۹)

قرآن نے پوری جوانی اور نشوونما کی تکمیل یا مزاج کے اعتدال و توازن کا ذکر کیا ہے لیکن عمر کا تعین نہیں کیا۔ یہودی روایات میں ان کی عمر ۱۸ سال بیان کی گئی ہے۔ کسی نے ۲۰ سال لکھی ہے اور عہد نامہ جدید میں ۴۰ سال بیان کی گئی ہے۔ (۵۰) ان کی زندگی کا یہی مرحلہ ہے جہاں ایک خاص واقعہ پیش آتا ہے اور زندگی نیا موڑ مڑتی ہے۔

قبطی کا قتل اور حضرت موسیٰؑ کا مصر سے خروج

بائبل اور قرآن مجید دونوں نے اس واقعہ کو اپنے اپنے انداز سے بیان کیا ہے۔ ہم پہلے بائبل کا بیان نقل کرتے ہیں:

> جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔ پھر دوسرے دن وہ باہر گیا اور دیکھا کہ دو عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں۔ تب اس نے اسے جس کا قصور تھا کہا کہ تو اپنے ساتھی کو مارتا ہے۔ اس نے کہا تجھے کس نے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا؟ کیا جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تب موسیٰ یہ سوچ کر ڈرا کہ بلاشک یہ بھید فاش ہو گیا۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰؑ کو قتل کرے پر موسیٰؑ فرعون کے حضور سے بھاگ کر ملک مدیان میں جا بسا۔ وہاں وہ ایک کنوئیں کے نزدیک بیٹھا تھا۔ اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں۔ وہ آئیں اور پانی بھر بھر کر گھڑوں میں ڈالنے لگیں تا کہ اپنے باپ کی بھیڑ بکریوں کو پلائیں۔ اور گڈریے آ کر ان کو بھگانے لگے لیکن موسیٰ کھڑا ہو گیا اور اس نے ان کی مدد کی اور ان کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلایا۔ اور جب وہ اپنے باپ رعوایل کے پاس لوٹیں تو اس نے پوچھا کہ آج تم اس قدر جلد کیسے آ گئیں؟ انہوں نے کہا کہ ایک مصری نے ہم کو گڈریوں کے ہاتھ سے بچایا اور ہمارے بدلے پانی بھر بھر کر بھیڑ بکریوں کو پلایا۔ اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ آدمی کہاں ہے؟ تم اسے کیوں چھوڑ آئیں؟ اسے بلا لاؤ کہ روٹی کھائے

Marfat.com

اور موسیٰ اس شخص کے ساتھ رہنے کو راضی ہو گیا۔ تب اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو بیاہ دی اور اس کے ایک بیٹا ہوا اور موسیٰ نے اس کا نام جیرسوم یہ کہہ کر رکھا کہ میں اجنبی ملک میں مسافر ہوں۔ (۵۱)

اس واقعہ کو قرآن مجید نے سورہ قصص میں مفصل اور سورہ طٰہ میں اشارۃً بیان کیا ہے۔ سورہ طٰہ میں اسلوب بیان مختلف ہے کیونکہ وہاں اللہ کے انعامات کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حضرت موسیٰ کو یاد کرایا جا رہا ہے کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگرانی اور اس کی رحمتوں کے سائے میں پلے بڑھے ہیں۔ فرمایا:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى. (۵۲)

اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تم کو غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب خوب پرکھا۔ پھر کئی سال اہل مدین میں رہے۔ پھر خاص اندازہ کیے ہوئے وقت پر تم یہاں پہنچے۔

سورہ قصص میں واقعہ کا تفصیلی بیان کچھ یوں ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًام بِالْاَمْسِ. اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ

Marfat.com

الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ o قَالَ اِنِّیٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ. فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o قَالَ ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ o (۵۳)

(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوا جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اسے مدد کے لیے پکارا۔ موسیٰؑ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰؑ نے کہا "یہ شیطان کی کارفرمائی ہے وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے" پھر وہ کہنے لگا" اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا، میری مغفرت فرما دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی وہ غفور رحیم ہے۔ موسیٰؑ نے عہد کیا کہ "اے میرے رب یہ احسان تو نے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد میں اب کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ دوسرے روز وہ صبح سویرے ڈرتا اور ہر طرف سے خطرہ بھانپتا ہوا شہر میں جا رہا تھا کہ یکا یک کیا دیکھتا ہے کہ وہ شخص جس نے کل اسے مدد کے لئے پکارا تھا آج پھر اسے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔ پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے اس آدمی پر حملہ کرے تو وہ پکار اٹھا" کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے، تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔" اس کے بعد ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا "موسیٰ سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا خیر خواہ ہوں۔" یہ خبر سنتے ہی موسیٰ ڈرتا اور سہمتا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی کہ" اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا" (مصر سے نکل کر) جب موسیٰؑ نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا" امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا، اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰؑ نے ان عورتوں سے پوچھا" تمہیں کیا پریشانی ہے"؟ انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔ یہ سن کر موسیٰؑ نے ان جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھا اور بولا "پروردگار، جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے میں اس کا محتاج ہوں۔" (کچھ دیر نہ گزری تھی) کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی" میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے

Marfat.com

ہمارے لیے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے اس کا اجر آپ کو دیں۔ موسیٰؑ جب اس کے پاس پہنچا اور اپنا سارا قصہ اسے سنایا تو اس نے کہا" کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو۔" ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا" ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔ اس کے باپ نے موسیٰؑ سے کہا" میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔ اور اگر دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم ان شاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔ موسیٰؑ نے جواب دیا" یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کروں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول وقرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔

قرآن مجید کا بیان واضح اور پیغمبر کے شایان شان اور مشیت الٰہی کی اسکیم کے عین مطابق ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو اگلے مرحلے کے لیے راستہ مہیا کیا جارہا ہے۔ تاہم قرآن مجید کی بعض آیات اور واقعہ میں بیان کردہ بعض مقامات کی توضیح کتب تفسیر میں موجود ہے۔ ہم یہاں بعض مقامات کی وضاحت تدبر قرآن اور تفہیم القرآن کی تشریحات سے کرنا چاہیں گے۔ اس طرح حضرت موسیٰؑ کی حیات مبارکہ کا یہ حصہ اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔ قرآنی بیان کی ابتداء میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ لوگوں کی بے خبری میں شہر میں داخل ہوئے۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مدینہ سے مراد اصل شہر ہے جو شرفاء و اعیان کا مرکز اور حکومت کا مستقر تھا۔ بنی اسرائیل کی حیثیت چونکہ غلاموں اور خدمت گاروں کی تھی اسی وجہ سے ان کی بستی اصل شہر سے الگ بسائی گئی تھی۔ وہ صرف مزدوروں اور خدمت گاروں کی طرح کام کے اوقات میں شہر جایا کرتے تھے۔ موسیٰؑ جب جوان ہوئے ......تو وہ وقتاً فوقتاً شہر میں اپنے مظلوم بھائیوں کا حال دیکھنے کے لیے جانے لگے۔ (۵۴) جب موسیٰؑ شہر گئے تو ہو سکتا ہے وہ صبح سویرے کا وقت ہو یا گرمی میں دوپہر کا، یا سردیوں میں رات کا بہرحال مراد یہ ہے کہ جب سڑکیں سنسان تھیں اور شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ (۵۵) قرآن کے مطابق موسیٰؑ نے غیر ارادی قتل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور پروردگار نے معاف فرمایا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے معافی مانگنے پر یہ نہیں فرمایا کہ تم بے قصور ہو، قبطی ظالم آدمی تھا، بلکہ ان کو غلطی کا مرتکب قرار دیتے ہوئے معافی دی تو اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ معلوم ہوتا ہے میں نے مظلوم کی حمایت کرنی چاہی لیکن معاملہ تحقیق نہ کرنے کے سبب سے مجھ سے ظالم کی حمایت صادر ہوگئی اس وجہ سے آئندہ کے لیے آپ نے یہ عہد فرمایا کہ اب میں بلا تحقیق کسی کی حمایت نہ کروں گا۔ بلکہ صرف اس کی حمایت کروں گا جس کا مظلوم ہونا معلوم

Marfat.com

ہو۔ (۵۶)

حضرت موسیٰؑ کا یہ عہد کہ " اس کے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔" ایک اہم بیان ہے جس کی تفسیر میں قدیم وجدید مفسرین نے توجہ کی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس پر ایک جامع نوٹ لکھا ہے جس سے نہ صرف حضرت موسیٰؑ کے مزاج کا پتہ چلتا ہے بلکہ دعوت کے کارکن کے لیے ایک رہنما اصول بھی مستنبط ہوتا ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

" حضرت موسیٰؑ کا یہ عہد بہت وسیع الفاظ میں ہے۔ اس سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ میں کسی مجرم فرد کا مددگار نہیں بنوں گا، بلکہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ میری امداد واعانت کبھی ان لوگوں کے ساتھ نہ ہوگی جو دنیا میں ظلم وستم کرتے ہیں۔ ابن جریر اور متعدد دوسرے مفسرین نے اس کا یہ مطلب بالکل ٹھیک لیا ہے کہ اس روز حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا، کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اس نے خدا کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کسی ایماندار آدمی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ایک ظالم سلطنت کا کل پرزہ بن کر رہے اور اس کی حشمت وطاقت میں اضافے کا موجب بنے۔

علماء نے بالعموم حضرت موسیٰؑ کے اس عہد سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مومن کو ظالم کی اعانت سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، خواہ وہ ظالم فرد ہو، یا گروہ، یا حکومت وسلطنت، مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنی امیہ کی حکومت میں کوفے کے گورنر کا کاتب (سیکرٹری) ہے۔ معاملات کے فیصلے کرنا اس کا کام نہیں ہے البتہ جو فیصلے کیے جاتے ہیں وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں۔ یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے۔ حضرت عطاء نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا: تیرے بھائی کو چاہیے کہ اپنا قلم پھینک دے، رزق دینے والا اللہ ہے۔

ایک اور کاتب نے عامر شعبی سے پوچھا: اے ابوعمرو، میں بس احکام لکھ کر جاری کرنے کا ذمہ دار ہوں فیصلے کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ کیا یہ رزق میرے لیے جائز ہے؟ انہوں نے کہا " ہوسکتا ہے کہ کسی بے گناہ کے قتل کا فیصلہ کیا جائے اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کا مال ناحق ضبط کیا جائے یا کسی کا گھر گرانے کا حکم دیا جائے اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہو۔ پھر امام موصوف نے یہ آیت پڑھی جسے سنتے ہی کاتب نے کہا: آج کے بعد میرا قلم بنی امیہ کے احکام جاری کرنے میں استعمال نہ ہوگا۔" امام نے کہا:" پھر اللہ بھی تمہیں رزق سے محروم نہ فرمائے گا۔ ضحاک کو تو عبدالرحمن بن مسلم نے صرف اس خدمت پر بھیجنا چاہا تھا کہ وہ بخارا کے لوگوں کی تنخواہیں جا کر بانٹ آئیں مگر انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ ان کے دوستوں نے کہا آخر اس میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے کہا میں ظالموں کے کسی کام میں مددگار نہیں بننا چاہتا (روح المعانی، ۲۰/۴۹)

Marfat.com

امام ابوحنیفہؒ کا یہ واقعہ ان کے تمام مستند سوانح نگاروں، الموفق المکی، ابن البراز الکروری، ملا علی قاری وغیرھم نے لکھا ہے کہ انہی کی تلقین پر منصور کے کمانڈر انچیف حسن بن قحطبہ نے یہ کہہ کر اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا تھا کہ آج تک میں نے آپ کی سلطنت کی حمایت کے لیے جو کچھ کیا ہے یہ اگر خدا کی راہ میں تھا تو میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے لیکن اگر یہ ظلم کی راہ میں تھا تو میں اپنے نامہ اعمال میں مزید جرائم کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ (۵۷)

حضرت موسیٰؑ نے دوسرے دن اس اسرائیلی کو قبطی سے لڑتے ہوئے دیکھا اور اس نے مدد کے لیے پکارا تو انہوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا کہ تو بہکا ہوا آدمی ہے۔ تاہم قبطی کو پکڑنے کی کوشش کی تو اسرائیلی نے گھبراہٹ کے عالم میں شور مچایا اور گزشتہ روز کے قتل کا راز فاش کر دیا۔ بائبل کا بیان یہاں قرآن کے بیان سے مختلف ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ دوسرے دن جھگڑا دو اسرائیلیوں کے درمیان تھا لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ جھگڑا بھی اسرائیلی اور مصری کے درمیان ہی تھا۔ قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے دن کے قتل کا راز فاش ہونے کی جو صورت آگے بیان ہو رہی ہے وہ اسی طرح رونما ہو سکتی تھی کہ مصری قوم کے ایک شخص کو اس واقعہ کی خبر ہو جاتی۔ ایک اسرائیلی کے علم میں اس کے آجانے سے یہ امکان کم تھا کہ اپنی قوم کے پشتی بان شہزادے کے اتنے بڑے قصور کی اطلاع پاتے ہی وہ جا کر فرعونی حکومت میں اس کی مخبری کر دیتا۔ (۵۸)

راز افشا ہونے کے بعد فرعونیوں کی آتش غضب پوری طرح ان کے خلاف بھڑک اٹھی اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے تو ایک خاص شخص کو اس کا علم ہوا اور وہ بھاگا ہوا حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا اور انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے نکل جانے میں ہی خیر ہے۔ اس شخص سے متعلق یہاں تفصیل نہیں ہے لیکن سورہ مومن میں ایک مومن آل فرعون کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ یہ ابتداء ہی سے حضرت موسیٰؑ کے خیر خواہوں میں سے تھے...... انہوں نے اعیان حکومت کے سامنے حضرت موسیٰؑ کی بڑی پُر زور حمایت کی۔ ان وجوہ سے ظن غالب یہ ہے کہ یہ اشارہ بھی انہی کی طرف ہے۔ (۵۹) حضرت موسیٰؑ وہاں سے مدین کی طرف جاتے ہیں۔ قرآن کے اسلوب کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جس وقت مصر سے نکلے ہیں اس وقت انہوں نے اپنے سفر کی منزل متعین نہیں کی تھی۔ یہ فیصلہ انہوں نے بعد میں کیا کہ انہیں مدین کی طرف جانا چاہیے اور مدین کے معاملے میں بھی یہ بات ان کے ذہن میں واضح نہیں تھی کہ انہیں کس کے پاس اور کس مقام پر جانا چاہیے بلکہ بغیر کسی تعین کے مدین کی سمت کو اس امید کے ساتھ چل کھڑے ہوئے کہ رب کریم و کارساز سیدھی راہ کی طرف راہنمائی فرمائے گا اور کسی مستقر پر پہنچائے گا۔ (۶۰)

بائبل کا بیان اس امر میں قرآن سے متفق ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے مصر سے نکل کر مدین کا رخ کیا تھا لیکن تلمود یہ بے سروپا قصہ بیان کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ مصر سے بھاگ کر حبش چلے گئے اور وہاں بادشاہ کے مقرب ہو گئے اور پھر اس کے مرنے پر لوگوں نے ان کو اپنا وارث بنا لیا اور اس کی بیوہ سے ان کی شادی کر دی۔ ۴۰ سال گزر جانے

Marfat.com

کے بعد اس عورت نے حبش کے باشندوں سے شکایت کی کہ اس شخص نے آج تک نہ تو مجھ سے زن وشو کا تعلق رکھا ہے اور نہ کبھی حبش کے دیوتاؤں کی پرستش کی ہے اس پر امرائے سلطنت نے انہیں معزول کر کے اور بہت سامال دے کر ملک سے بااحترام رخصت کر دیا۔ تب وہ حبش سے مدین پہنچے اور وہ واقعات پیش آئے جو آگے بیان ہو رہے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال تھی۔ اس قصے کے بے سروپا ہونے کی ایک کھلی دلیل یہ ہے کہ اس قصے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس زمانے میں اسیریا (شمالی عراق) پر حبش کی حکومت تھی، اور اسیریا والوں کی بغاوتیں کچلنے کے لیے حضرت موسیٰؑ نے بھی اور ان کے پیش رو بادشاہ نے بھی فوجی چڑھائیاں کی تھیں۔ اب جو شخص بھی تاریخ جغرافیہ سے کوئی واقفیت رکھتا ہو وہ نقشے پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھ سکتا ہے کہ اسیریا پر حبش کا تسلط اور حبش فوج کا حملہ یا تو اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ مصر اور فلسطین وشام پر اس کا قبضہ ہوتا یا پورا ملک عرب اس کے زیر نگیں ہوتا، یا حبش کا بیڑا ایسا زبردست ہوتا کہ وہ بحر ہند اور خلیج فارس کو عبور کر کے عراق فتح کر لیتا۔ تاریخ اس ذکر سے خالی ہے کہ کبھی حبشیوں کو ان ممالک پر تسلط حاصل ہوا ہو۔ یا ان کی بحری طاقت اتنی زبردست رہی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا علم خود اپنی تاریخ کے بارے میں کتنا ناقص تھا اور قرآن ان کی غلطیوں کی تصیح کر کے صحیح واقعات کیسی منقح صورت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن عیسائی یہودی مستشرقین کو یہ کہتے ذرا شرم نہیں آتی کہ قرآن نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔ (۶۱)

واضح رہے کہ اس زمانہ میں مدین فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔ مصر کی حکومت پورے جزیرہ نمائے سینا پر نہ تھی بلکہ صرف اس کے مغربی اور جنوبی علاقے تک محدود تھی۔ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی سواحل جن پر بنی مدیان آباد تھے، مصری اثر واقتدار سے بالکل آزاد تھے۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰؑ نے مصر سے نکلتے ہی مدین کا رخ کیا تھا کیونکہ قریب ترین آزاد اور آباد علاقہ وہی تھا۔ لیکن وہاں جانے کے لیے انہیں گزرنا بہرحال مصر کے مقبوضہ علاقوں ہی سے تھا اور مصر کی پولیس اور فوجی چوکیوں سے بچ کر نکلنا تھا۔ اسی لیے انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے ایسے راستے پر ڈال دے جس سے میں صحیح وسلامت پہنچ جاؤں۔ (۶۲)

مدین میں ورود

حضرت موسیٰؑ مدین پہنچے تو اس کے کنویں یا چشمے پر بیٹھ گئے۔ یہ مقام جہاں حضرت موسیٰؑ پہنچے تھے عربی روایات کے مطابق خلیج عقبہ کے غربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا۔ سید مودودیؒ کے بقول "آج کل اسے البدع کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے میں نے دسمبر ۱۹۵۹ء میں تبوک سے عقبہ جاتے ہوئے اس جگہ کو دیکھا ہے۔ مقامی باشندوں نے مجھے بتایا کہ ہم باپ دادا سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ مدین اسی جگہ واقع تھا۔" (۶۳) وہاں انہوں نے دیکھا کہ چرواہوں کی ایک بھیڑ اپنے اپنے گلوں کو پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں اپنے گلے روکے ہوئے ان سے پرے کھڑی ہیں۔ لفظ "تـــذودان" سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان کا گلہ تو

Marfat.com

گھاٹ پر پہنچ کر پانی پینے کی خاطر آگے بڑھنے کے لیے زور لگا رہا ہے لیکن ان بے چاریوں کو زبردستی اس کو پیچھے ہٹانا پڑ رہا ہے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے سامنے کیا مشکل ہے؟ یہاں آ کر تم اپنے گلے کو کیوں روکے کھڑی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ گلے کی دیکھ بھال ہمیں کرنی پڑ رہی ہے اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس بھیڑ کے اندر گھس کر اپنے گلے کو پانی پلا سکیں اس وجہ سے ہمیں چرواہوں کے واپس ہونے تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جب تک وہ اپنے گلے ہٹا نہ لیں ہم اپنے گلے کو پانی نہیں پلا سکتے۔ ان شریف زادیوں کی یہ بات سن کر حضرت موسیٰؑ کا جذبہ حمایت ضعیف بھڑک اٹھا۔ وہ اٹھے اور ان کی بکریوں کو انہوں نے پانی پلایا۔ اور پانی پلا کر پھر اسی سایہ میں آ کر بیٹھ گئے جس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور دعا فرمائی: (۶۴)

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔ (۶۵)

اے رب جو چیز بھی تو میرے لیے نازل فرمائے اس کا محتاج ہوں۔

بائبل کا بیان مختلف ہے اس کے مطابق بیبیوں نے حوض کو پانی سے بھر لیا تھا مگر دوسرے لوگوں نے زبردستی ان کو ہٹا کر اپنے جانوروں کو پانی پلانا شروع کر دیا، یہ دیکھ کر موسیٰؑ کو غصہ آیا۔ اسی طرح بائبل میں ہے کہ شیخ مدین کی سات بیٹیاں تھیں۔ (۶۶)

شیخ مدین کے ہاں حاضری

جیسا کہ بائبل میں ہے اس روز صاحبزادیاں چونکہ معمول کے خلاف وقت سے پہلے فارغ ہو کر گھر پہنچ گئیں اس لیے والد نے ان سے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے چلی آئیں؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ آج ایک مصری نے ہم پر احسان کیا کہ اس نے ہماری بکریوں کو خود بھر کر پانی پلا دیا۔ والد نے ان سے فرمایا تم نے ان کو چھوڑ کیوں دیا؟ جا کر ان کو بلا لاؤ کہ ہمارے ہاں روٹی کھائیں۔ (۶۷) حضرت موسیٰؑ ابھی سایہ میں بیٹھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک صاحبزادی لجاتی شرماتی ہوئی آئیں اور بولیں آپ کو ہمارے والد ماجد بلاتے ہیں کہ آپ نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا آپ کو صلہ دیں۔ حضرت موسیٰؑ اس وقت اس طرح کی کسی مدد کے نہایت محتاج تھے۔ اس کو انہوں نے تائید غیبی سمجھا اور فوراً اس کے ساتھ ہو لیے۔ (۶۸) قرآن نے اس بی بی کے آنے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ (۶۹)

یعنی ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

وہ حضرت موسیٰؑ کو بلانے آئیں تو شرماتی ہوئی آئیں یعنی یہ نہیں کیا کہ آ کر بے دھڑک حضرت موسیٰؑ کے سامنے کھڑی ہو جائیں بلکہ سمٹی سمٹائی، کپڑوں کو سنبھالے اور اپنی احتیاط کی جگہوں کو محفوظ کیے ہوئے آئیں۔ (۷۰) حضرت عمرؓ نے اس فقرے کی یہ تشریح کی ہے:

جاءت تمشی علی استحیاء قائلة بثوبها علی وجهها لیست بسلفع من النساء

Marfat.com

دلاجة ولاجة خراجة

وہ شرم وحیاء کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا منہ گھونگھٹ سے چھپائے ہوئے آئی۔ ان بے باک عورتوں کی طرح مردانہ وار نہیں چلی آئی جو ہر طرف نکل جاتی اور ہر جگہ جا گھستی ہیں۔

اس مضمون کے متعدد روایات سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے معتبر سندوں کے ساتھ حضرت عمرؓ سے نقل کی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے عہد میں حیاداری کا اسلامی تصور جو قرآن اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت سے ان بزرگوں نے سمجھا تھا، چہرے کو اجنبیوں کے سامنے کھولے پھرنے اور گھر سے باہر بے باکانہ چلت پھرت دکھانے کے قطعاً خلاف تھا۔ (۷۱) مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب سوال یہ ہے کہ واقعہ کی یہ جزئیات قرآن نے اس جزرسی کے ساتھ کیوں بیان فرمائی ہیں؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ قرآن ہر قدم پر یہ نمایاں کرنا چاہتا ہے کہ شریفانہ زندگی کے عادات واطوار کیا ہیں اور شریف بی بی کو مردوں کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہی شریفانہ عادات واطوار ہیں جن کو قرآن نے ایک ضابطہ کی صورت میں سورہ نور اور سورہ احزاب میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ (۷۲) حضرت موسیٰؑ شیخ مدین کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو اپنی ساری داستان سنائی۔ انہوں نے سارا ماجرا سن کر فرمایا:

لا تخف نجوت من القوم الظالمين

اب تم کوئی خوف نہ کرو خدا نے تمہیں ظالموں سے نجات دی۔

یہ بشارت حضرت موسیٰؑ کی دعا کا جواب تھی جو انہوں نے بدیں الفاظ مانگی تھی:

رب نجني من القوم الظالمين

پروردگار مجھے ان ظالموں کے شر سے نجات دے۔

شیخ سے رشتہ مصاہرت

مولانا اصلاحی نے احدهما کے اعادے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شیخ کی دوسری صاحبزادی نے والد سے سفارش کی کہ انہیں ملازم رکھ لیا جائے۔ اور ملازم کی صفات بیان کرتے ہوئے القوى الامين کے الفاظ استعمال کیے۔ صاحبزادی نے حضرت موسیٰؑ کی مروت، بے نیازی اور پاکیزہ نگاہی کا تجربہ تو خود ہی کر لیا تھا پھر ان کی فتوت کی وہ سرگزشت جو حضرت موسیٰؑ نے سنائی تھی اس سے ان پر یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ اس عزم وہمت کے آدمی کے اندر اگر امانت ودیانت نہ ہوگی تو بھلا کس میں ہوگی۔ (۷۳)

مولانا سیوہاروی کے مطابق شیخ مدین اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ بیٹی نے سفارش

Marfat.com

کی۔ (۷۴) جبکہ سید مودودیؒ کے بقول: "ضروری نہیں کہ یہ بات لڑکی نے اپنے باپ سے حضرت موسیٰؑ کی پہلی ملاقات کے وقت ہی کہہ دی ہو۔ اغلب یہ ہے کہ اس کے والد نے اجنبی مسافر کو ایک دو روز اپنے پاس ٹھہرا لیا ہوگا اور اس دوران میں کسی وقت بیٹی نے باپ کو یہ مشورہ دیا ہوگا۔ اس مشورے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کی کبرسنی کے باعث مجبوراً ہم لڑکیوں کا کام کے لئے نکلنا پڑتا ہے۔ ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے کہ باہر کے کام کو سنبھالے۔ آپ اس شخص کو ملازم رکھ لیں۔ مضبوط آدمی ہے ہر طرح کی مشقت کر لے گا بھروسے کے قابل آدمی ہے محض اپنی شرافت کی بنا پر اس نے ہم عورتوں کو بے بس کھڑا دیکھ کر ہماری مدد کی اور کبھی ہماری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ بیٹی کی بات سنتے ہی باپ نے فوراً حضرت موسیٰؑ سے یہ بات کہہ دی ہو۔ قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے بیٹی کے مشورے پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہوگی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان، تندرست و توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ جب یہ شریف، تعلیم یافتہ، مہذب اور خاندانی آدمی ہے (جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کا قصہ سن کر انہیں معلوم ہو چکا ہوگا) تو کیوں نہ اسے داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے۔ اس رائے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰؑ سے بات کہی ہوگی۔ (۷۵)

شیخ نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح اس شرط کے ساتھ تمہارے ساتھ کر دوں کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو اور اگر تم نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میں اس معاملے میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ ویسے انشاء اللہ تم مجھے بھلے آدمیوں میں سے پاؤ گے۔ یہ پیش کش اشارہ غیبی پر فرمائی گئی ہوگی اور ان کا یہ ارشاد کہ ما ارید ان اشق علیک حضرت موسیٰؑ کو معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کرنے کے لیے ایک مہلت تھی کہ وہ اس شرط پر اچھی طرح غور کر کے فیصلہ کریں، ان کے دباؤ میں آ کر مجبوراً کوئی فیصلہ نہ کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ پیش کش اور یہ شرط دونوں منظور کر لیں۔ فرمایا کہ ان دونوں مدتوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کر سکا مجھے اس کا اختیار حاصل رہے گا۔ اور اس وقت ہم جو قول و قرار کر رہے ہیں اس پر ہم اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔ (۷۶)

یہاں پھر بنی اسرائیل کی ایک کرم فرمائی ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنے جلیل القدر نبی، اپنے سب سے بڑے محسن اور قومی ہیرو پر کی ہے۔ تلمود میں کہا گیا ہے کہ موسیٰؑ رعویل کے ہاں رہنے لگے، اور وہ اپنے میزبان کی بیٹی صفوریہ پر نظر عنایت رکھتے تھے، یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے اس سے بیاہ کر لیا۔" ایک اور یہودی روایت جو جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں نقل کی گئی ہے، یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب یترو کو اپنا سارا ماجرا سنایا تو اس نے سمجھ لیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت تباہ ہونے کی پیشن گوئیاں کی گئی تھیں اس لیے اس نے فوراً حضرت موسیٰؑ کو قید کر لیا تاکہ انہیں فرعون کے حوالہ کر کے انعام حاصل کرے۔ سات یا دس سال تک وہ اس کی قید میں رہے ۔ ایک تاریک تہہ خانہ تھا جس میں وہ بند تھے مگر یترو کی بیٹی زفورا (یا صفورا) جس سے کنویں پر ان کی پہلی ملاقات

Marfat.com

ہوئی تھی، چپکے چپکے ان سے قید خانہ میں ملتی رہی اور انہیں کھانا پانی بھی پہنچاتی رہی۔ ان دونوں میں شادی کی خفیہ قرارداد ہو چکی تھی۔ سات یا دس سال کے بعد زفورا نے اپنے باپ سے کہا کہ اتنی مدت ہوئی آپ نے ایک شخص کو قید میں ڈال دیا تھا اور پھر اس کی خبر تک نہ لی۔ اب تک اسے مرجانا چاہیئے تھا لیکن اگر وہ اب بھی زندہ ہو تو ضرور کوئی خدارسیدہ آدمی ہے۔ یتھرو اس کی یہ بات سن کر جب قید خانے میں گیا تو حضرت موسیٰؑ کو زندہ دیکھ کر اسے یقین آ گیا کہ وہ معجزے سے زندہ ہیں۔ تب اس نے زفورا سے اس کی شادی کر دی۔ جو مستشرقین قرآنی قصوں کے مآخذ ڈھونڈتے پھرتے ہیں انہیں کہیں یہ کھلا فرق بھی نظر آتا ہے جو قرآن کے بیان اور اسرائیلی روایات میں پایا جاتا ہے۔ (۷۷)

شیخ مدین کا تعین

مفسرین نے شیخ مدین کے تعین کے سلسلے میں کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ مولانا سیوہاروی نے ابن کثیر سے پانچ اقوال نقل کیے ہیں۔ (۷۸) زیادہ مشہور یہ ہے کہ وہ شعیبؑ ہی ہیں۔ یہی حسن بصری سے منقول ہے۔ مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں شعیب ہی کا نام استعمال کیا ہے۔ مولانا سیوہاروی لکھتے ہیں:

" ان پانچ اقوال کی نقل کے بعد ہمارے نزدیک راجح اور صحیح مسلک وہی معلوم ہوتا ہے جو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر محدثین ومفسرین نے اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نام کی تصریح کے بارے میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی اور جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ قابل احتجاج نہیں ہیں، اس لیے جس طرح تصریح کیے بغیر قرآن عزیز نے ان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ہم بھی ان کے نام کی تصریح کو خدا کے حوالہ کر دیں۔ ابن کثیر کی عبارت یہ ہے:

قال ابوجعفر وهذا مما لا يدرك علمه ، الا بخبر و لا خبر بذلك تجب حجة فلا قول في ذلك اولى بالصواب مما قاله الله جل شانه . (۷۹)

ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ نام کی تصریح کا یہ معاملہ خبر اور اطلاع کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ اور اس سلسلے میں کوئی خبر (روایت) ایسی موجود نہیں جو حجت اور دلیل بن سکے۔ پس سب سے بہتر قول اس سلسلے میں وہی ہے جو قرآن میں اللہ جل شانہ نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی نام کی تصریح نہیں کی۔ معاصر مفسرین میں سے سید مودودیؒ نے اس پر مفصل نوٹ لکھا ہے۔ ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے:

"ان خواتین کے والد کے متعلق ہمارے ہاں کی روایات میں یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے لیکن قرآن مجید میں اشارۃً وکنایۃً بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ وہ حضرت شعیب ہی تھے حالانکہ شعیبؑ کی شخصیت قرآن میں ایک معروف شخصیت ہے۔ اگر ان خواتین کے والد وہی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ یہاں اس کی تصریح نہ کر دی جاتی۔ بلاشبہ بعض احادیث میں ان

Marfat.com

کے نام کی تصریح ملتی ہے لیکن علامہ ابن جریر اور ابن کثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے ابن عباس، حسن بصری، ابوعبیدہ اور سعید بن جبیر جیسے اکابر مفسرین نے بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کر کے ان بزرگ کے وہی نام بتائے ہیں جو تلمود وغیرہ میں آئے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر نبیؐ سے اسم شعیب کی تصریح منقول ہوتی تو یہ حضرات کوئی دوسرا نام نہ لے سکتے تھے۔ بائبل میں ایک جگہ ان بزرگ کا نام رعوایل اور دوسری جگہ یترو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مدین کے کاہن تھے۔ (خروج ۲/۱۶-۱۸، ۳/۱، ۱۸/۵) تلمودی لٹریچر میں رعوایل، یترو اور حوباب تین مختلف نام بتائے گئے ہیں۔ موجودہ زمانے کے علمائے یہود کا خیال ہے کہ یترو ہزایکسی لنسی کا ہم معنی لقب تھا اور اصل نام رعوایل یا حوباب تھا۔ اسی طرح لفظ کاہن (Kohen Midious) کی تشریح میں بھی علماء یہود کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو پروہت (Priest) کا ہم معنی بتاتے ہیں اور بعض رئیس یا امیر (Prince) کا۔(۸۰)

ایفاءِ مدت

حضرت موسیٰؑ اپنے خسر کے ہاں مدت اجارہ پوری کرنے کے لیے مقیم رہے۔ مفسرین نے متعدد روایات کی بنا پر کہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے دس سال پورے کیے۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق حضور اکرمؐ نے فرمایا: قضی اکثر ھما واطیبھما (۸۱) یعنی وہ مدت پوری کی جو زیادہ تھی اور ان کے لیے بہت خوشگوار تھی۔ گویا حضرت موسیٰؑ نے دس سال کی مدت پوری کی اور اپنے عہد کو بطریق احسن نبھایا۔ حسن بن علیؓ سے بھی منقول ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے آٹھ سال کے بجائے دس سال پورے کیے۔ بائبل کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے یہ عرصہ شیخ مدین کی خدمت میں گزارا۔ شیخ کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی اور اس سے ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام جرشوم رکھا کیونکہ وہ ایک اجنبی ملک میں مسافر تھے۔ (۸۲) اس دوران مصر میں بنی اسرائیل کے حالات کیسے تھے؟ اس کے بارے میں بائبل کا بیان ہے:

> اور ایک مدت بعد یوں ہوا کہ مصر کا بادشاہ مر گیا اور بنی اسرائیل اپنی غلامی کے سبب سے آہ بھرنے لگے اور روئے اور ان کا رونا جو ان کی غلامی کے باعث تھا خدا تک پہنچا۔ اور خدا نے ان کا کراہنا سنا اور خدا نے اپنے عہد کو جو ابراہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ تھا یاد کیا۔ اور خدا نے بنی اسرائیل پر نظر کی اور ان کے حال کو معلوم کیا۔ (۸۳)

قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ مصر کے لئے روانہ ہوئے جبکہ بائبل کا بیان ہے کہ نبوت ملنے کے بعد وہ مصر کے لئے روانہ ہوئے۔ بائبل کے الفاظ میں:

> تب موسیٰؑ روانہ ہوا اور اپنے سسر یترو کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں کہ مجھے

Marfat.com

رخصت دے کہ اپنے بھائیوں کے پاس جو مصر میں ہیں جاؤں اور دیکھوں کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں؟
اور یتھرو نے موسیٰؑ سے کہا کہ امن وسلامتی سے جاؤ۔ (۸۴)

مولانا سیوہاروی کی رائے میں قرآن سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ مدت ختم ہوتے ہی چل نکلے۔ "معالم التنزیل" کی یہ بات کہ مدت ختم ہونے کے فوراً بعد ہی حضرت موسیٰؑ مصر کو روانہ ہو گئے اور ان کے خسر نے روانگی کے سال میں بکریوں نے جس قدر بچے دیئے تھے ان کے حوالے کر دیئے اور وہ اپنی بیوی اور اس ریوڑ کو لے کر چل پڑے۔ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: شاید ان کا یہ قول اس آیت کے پیش نظر ہو:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔ (۸۵)

پس موسیٰؑ نے جب مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر چل دیا تو طور کی جانب آگ کو محسوس کیا۔

ان حضرات نے مدت کے ایفاء اور روانگی کے بیان میں جو قربت ہے اس سے یہ اندازہ کر لیا کہ وہ فوراً ہی روانہ ہو گئے حالانکہ جب تک خاص قرینہ موجود نہ ہو اس وقت تک واؤ نہ تعقیب پر دلالت کرتی ہے اور نہ ترتیب پر اور" معالم التنزیل" میں ہے کہ "حضرت موسیٰؑ وفاء مدت کے بعد دس سال مزید اپنے خسر کے یہاں مقیم رہے۔"(۸۶) تورات اس قول کی تائید کرتی ہے کہ موسیٰؑ مدت ختم ہونے پر فوراً ہی مصر روانہ نہیں ہو گئے تھے بلکہ بکریاں چراتے ہوئے بھولے بھٹکے جب "وادی مقدس" میں پہنچ کر خدا کا حکم ملا کہ بنی اسرائیل کو غلامی سے رہا کراؤ اور مصر جا کر فرعون کے ظلم سے ان کو نجات دلاؤ تب وہ مصر روانہ ہوئے۔ (۸۷)

بہتر یہی ہے کہ حقیقت حال کو علم الٰہی کے ہی سپرد کر دیا جائے۔" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" تاہم قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ضرور رہنمائی کرتا ہے کہ عام کتب تفسیر میں جو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی یہ روانگی جو طٰہٰ اور قصص میں مذکور ہے فلما قضی موسی الا جل و سار باھلہ مصر کے لیے تھی، غالباً صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر موسیٰؑ گھر کے ارادہ سے چلے تھے تو جب وادی مقدس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان سے کہا گیا کہ ظالم فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو سمجھاؤ تو حضرت موسیٰؑ جواب میں یہ نہ فرماتے:

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ۔ (۸۸)

موسیٰؑ نے کہا اے پروردگار میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ۔ (۸۹)

اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے اس لیے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

یہ جواب خود بول رہا ہے کہ اس گفتگو کے وقت قتل والے معاملے کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کو مصر جانے کا حوصلہ نہیں تھا، البتہ جب خدائے تعالیٰ کی عطاء بخشش نے ان کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور اس وقت مصر جانے کا حکم ملا تو حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے اپنا اطمینان حاصل کر کے یہیں سے مصر روانہ ہو گئے اور حکم الٰہی کے

Marfat.com

سامنے خسر کے پاس جا کر اجازت لینے کی بھی پروانہ کی۔ (۹۰)

اس کے برعکس مولانا اصلاحی اور سید مودودی اسے مصر کا سفر ہی قرار دیتے ہیں۔ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مصر کے لیے روانہ ہوئے۔ اس بات کی تصریح قرآن یا تورات میں نہیں ہے کہ انہوں نے آٹھ سال کی مدت پوری کی یا وہاں دس سال گزارے البتہ تورات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ بیوی کے سوا آپ کے دو بچے بھی تھے۔ (۹۱)

سید مودودیؒ زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں اور اس میں مولانا سیوہاروی کے خوف والے اعتراض کا جواب ایک طرح سے آ گیا ہے:

"اس سفر کا رخ طور کی جانب ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر ہی جانا چاہتے ہوں گے۔ اس لیے کہ طور اس راستے پر ہے جو مدین سے مصر کی طرف جاتا ہے۔ (۹۲) غالباً حضرت موسیٰؑ نے خیال کیا ہوگا کہ دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ فرعون بھی مر چکا ہے جس کی حکومت کے زمانے میں وہ مصر سے نکلے تھے۔ اب اگر خاموشی کے ساتھ وہاں چلا جاؤں اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ پڑوں تو شاید کسی کو میرا پتہ بھی نہ چلے۔ بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے خسر کی بکریاں چراتے ہوئے بیاباں کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ" خواب کے نزدیک" آ نکلے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور انہیں رسالت کے منصب پر مامور کر کے مصر جانے کا حکم دیا پھر وہ اپنے خسر کے پاس واپس آ گئے اور ان سے اجازت لے کر اپنے بال بچوں کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ (خروج، ۳/۱۔۴، ۴/۱۸) اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی مخاطبت اور منصب نبوت پر تقرر کا معاملہ پیش آیا۔ بائبل اور تالمود دونوں کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ قیام مدین میں وہ فرعون مر چکا تھا جس کے ہاں انہوں نے پرورش پائی تھی اور اب ایک دوسرا فرعون مصر کا فرمانروا تھا۔ (۹۳)

مولانا سیوہاروی کے استدلال میں وزنی بات حضرت موسیٰؑ کے اس خوف کی ہے کہ کہیں وہ لوگ انہیں قبطی کے قتل کی وجہ سے مار نہ دیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کا تعلق نمایاں طرز زندگی (High Profile) سے تھا۔ چونکہ موسیٰؑ کو یہ حکم مل رہا تھا کہ فرعون کے خدائی اختیار کو چیلنج کرو اس لیے انہیں ڈر تھا کہ ان کے خلاف ہر خفیہ و علانیہ تدبیر اختیار کی جائے گی۔ جہاں تک ایک عام شہری کی حیثیت سے "Low Profile" میں رہنے کا تعلق ہے تو شاید اس میں اتنا خطرہ نہ تھا اس لیے انہوں نے مدت پوری کرنے کے بعد ایک عام آدمی کی حیثیت سے جانے کا

Marfat.com

ارادہ کیا ہوگا۔

بعثت

حضرت موسیٰؑ کی شخصیت چونکہ مشیت ایزدی کی اسکیم کا بنیادی کردار ہے۔اس لیے ان کی زندگی کے ہر مرحلے کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔وہ اپنے طور پر ایک اقدام کرتے ہیں لیکن قدرت اسے ایک نیا رخ دیتی ہے جو ان کے اگلے مرحلے کی تیاری سے متعلق ہوتا ہے۔قرآن کے مطابق وہ موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد واپس مصر جارہے ہوتے ہیں اور بائبل کے مطابق وہ بکریاں چرانے گئے ہوتے ہیں کہ انہیں رات ہوجاتی ہے اور اندھیرے میں رستہ کا پتہ نہیں چلا۔اسی دوران انہیں آگ دکھائی دیتی ہے۔وہ قریب جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے شرف مخاطبت حاصل ہوتا ہے۔ذیل میں ہم سب سے پہلے بائبل اور پھر قرآن کا بیان دیں گے۔

> اب موسیٰؑ اپنے خسر یترو کی جو مدیان کا کاہن تھا، بھیڑ بکریاں چراتا تھا، ان بھیڑ بکریوں کو ہنکاتا ہوا بیاباں کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک لے آیا۔اور خداوند کا فرشتہ ایک جھاڑی میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا۔اس نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے پر وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوتی۔تب موسیٰؑ نے کہا میں اب ذرا ادھر کترا کر اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ جھاڑی کیوں نہیں جل جاتی۔جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو کترا کر آرہا ہے تو خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا اے موسیٰؑ! اے موسیٰ! اس نے کہا میں حاضر ہوں۔تب اس نے کہا ادھر پاس مت آ۔اپنے جوتے اتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے۔پھر اس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابراہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔موسیٰؑ نے اپنا منہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا۔اور خداوند نے کہا میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں، خوب دیکھی اور ان کی فریاد جو بیگار لینے والوں کے سبب سے ہے سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔اور میں اترا ہوں کہ ان کو مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس ملک سے نکال کر ان کو ایک اچھے اور وسیع ملک میں جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے یعنی کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں پہنچاؤں۔دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک پہنچی ہے اور میں نے وہ ظلم بھی جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔سو اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔موسیٰؑ نے خدا سے کہا میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔؟ اس نے کہا میں ضرور تیرے ساتھ رہوں گا اور اس بات کا کہ میں نے تجھے بھیجا ہے تیرے لیے یہ نشان ہوگا کہ جب تو ان لوگوں کو مصر سے نکال لائے گا تو تم اس پہاڑ پر خدا کی عبادت کروگے۔تب موسیٰؑ نے خدا سے کہا جب میں بنی اسرائیل کے پاس جاکر ان کو کہوں کہ تمہارے

Marfat.com

باپ دادا کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور وہ مجھے کہیں کہ اس کا نام کیا ہے؟ تو میں ان کو کیا بتاؤں؟۔ خدا نے موسیٰ سے کہا میں جو ہوں سو میں ہوں۔ سو تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ میں نے، جو بھی میں ہوں تمہیں ان کے پاس بھیجا ہے۔ پھر خدا نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابراہام کے خدا اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ابد تک میرا یہی نام ہے اور سب نسلوں میں اسی سے میرا ذکر ہوگا۔ جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا نے مجھے دکھائی دے کر یہ کہا ہے کہ میں نے تم کو بھی اور جو کچھ برتاؤ تمہارے ساتھ مصر میں کیا جا رہا ہے اسے بھی خوب دیکھا ہے۔ اور میں نے کہا ہے کہ میں تم کو مصر کے دکھ میں سے نکال کر کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں لے چلوں گا جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے۔ اور وہ تیری بات مانیں گے اور تو اسرائیلی بزرگوں کو ساتھ لے کر مصر کے بادشاہ کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا کی ہم سے ملاقات ہوئی۔ اب تو ہم کو تین دن کی منزل تک بیاباں میں جانے دے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں۔ اور میں جانتا ہوں کہ مصر کا بادشاہ تم کو نہ یوں جانے دے گا نہ بڑے زور سے۔ سو میں اپنا ہاتھ بڑھاؤں گا اور مصر کو ان سب عجائب سے جو میں اس میں کروں گا مصیبت میں ڈال دوں گا۔ اس کے بعد وہ تم کو جانے دے گا۔ اور میں ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشوں گا اور یوں ہوگا کہ جب تم نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے۔ بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی۔ ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹ لو گے۔

تب موسیٰ نے جواب دیا لیکن وہ تو میرا یقین ہی نہیں کریں گے، نہ میری بات سنیں گے۔ وہ کہیں گے خداوند تجھے دکھائی نہیں دیا۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا لاٹھی۔ پھر اس نے کہا اسے زمین پر ڈال دے۔ اس نے اسے زمین پر ڈالا اور وہ سانپ بن گئی اور موسیٰ اس کے سامنے سے بھاگا۔ تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ہاتھ بڑھا کر اس کی دم پکڑ لے (اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں لاٹھی بن گیا) تاکہ وہ یقین کریں کہ خداوند ان کے باپ دادا کا خدا ابرہام کا خدا، اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا تجھ کو دکھائی دیا۔ پھر خداوند نے اسے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اس نے اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔ اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ پھر اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے (اس نے پھر اسے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لیا۔ جب اس نے اسے سینہ پر سے باہر نکال

Marfat.com

کردیکھا تو وہ پھر اس کے باقی جسم کی مانند ہو گیا۔) اور یوں ہوگا کہ اگر وہ تیرا یقین نہ کریں اور پہلے معجزہ کو بھی نہ مانیں تو وہ دوسرے معجزہ کے سبب سے یقین کریں گے اور اگر وہ ان دونوں معجزوں کے سبب سے بھی یقین نہ کریں اور تیری بات نہ سنیں تو تو دریا کا پانی لے کر خشک زمین پر چھڑک دینا اور وہ پانی جو تو دریا سے لے گا خشک زمین پر خون ہو جائے گا۔ تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند! میں فصیح نہیں۔ نہ تو پہلے ہی تھا اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا بلکہ رک رک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے۔ تب خداوند نے اسے کہا کہ آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا۔ سو اب تو جا اور میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے سکھاتا رہوں گا کہ تو کیا کیا کہے۔ تب اس نے کہا کہ اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔ تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا اور اس نے کہا کیا لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائی نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے اور وہ تیری ملاقات کو بھی آرہا ہے اور تجھے دیکھ کر دل خوش ہوگا۔ سو تو اسے سب کچھ بتانا اور یہ سب باتیں اسے سکھانا اور میں تیری اور اس کی زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تم کو سکھاتا رہوں گا کہ تم کیا کیا کرو۔ اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ تیرا منہ بنے گا اور تو اس کے لیے گویا خدا ہوگا اور تو اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیے جا اور اسی سے ان معجزوں کو دکھانا۔ تب موسیٰ لوٹ کر اپنے خسر یتھرو کے پاس گیا اور اسے کہا کہ مجھے ذرا اجازت دے کہ اپنے بھائیوں کے پاس جو مصر میں ہیں جاؤں اور دیکھوں کہ وہ اب تک جیتے ہیں یا نہیں۔ یتھرو نے موسیٰ سے کہا سلامت جا۔

اور خداوند نے مدیان میں موسیٰ سے کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وہ سب جو تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے۔ تب موسیٰ اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں کو لے کر اور ان کو ایک گدھے پر چڑھا کر مصر کو لوٹا اور موسیٰ نے خدا کی لاٹھی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ جب تو مصر میں پہنچے تو دیکھ وہ سب کرامات جو میں نے تیرے ہاتھ میں رکھی ہیں۔ فرعون کے آگے دکھانا لیکن میں اس کے دل کو سخت کروں گا اور وہ ان لوگوں کو جانے نہیں دے گا۔ اور تو فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے۔ اور میں تجھے کہہ چکا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کرے اور تو نے اب تک اسے جانے دینے سے انکار کیا ہے۔ سو دیکھ میں تیرے بیٹے کو بلکہ تیرے پہلوٹھے کو مار ڈالوں گا۔ اور راستہ میں منزل پر خداوند اسے ملا اور چاہا کہ اسے مار ڈالے۔ تب صفورہ نے چقماق کا ایک پتھر لے کر اپنے بیٹے کی کھلڑی کاٹ ڈالی اور اسے موسیٰ کے پاؤں پر پھینک کر کہا تو بے شک میرے لیے خونی دلہا ٹھہرا۔ تب اس نے اسے چھوڑ دیا۔ پس اس نے کہا کہ ختنہ کے سبب سے تو

Marfat.com

خونی دلہا ہے۔

اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ بیاباں میں جا کر موسیٰؑ سے ملاقات کرو۔ وہ گیا اور خدا کے پہاڑ پر اس سے ملا اور اسے بوسہ دیا۔ اور موسیٰؑ نے ہارون کو بتایا کہ خدا نے کیا کیا باتیں کہہ کر اسے بھیجا اور کون کون سے معجزے دکھانے کا اسے حکم دیا ہے۔ تب موسیٰؑ اور ہارون نے جا کر بنی اسرائیل کے سب بزرگوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور ہارون نے سب باتیں جو خداوند نے موسیٰؑ سے کہی تھیں ان کو بتائیں اور لوگوں کے سامنے معجزے پیش کیے۔ تب لوگوں نے ان کا یقین کیا اور یہ سن کر کہ خداوند نے بنی اسرائیل کی خبر لی اور ان کے دکھوں پر نظر کی انہوں نے اپنے سر جھکا کر سجدہ کیا۔

قرآن مجید نے بعثت وعطاء نبوت کے تجربے کو اپنے معجزانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ چونکہ موسیٰؑ کا واقعہ کئی مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام کا اسلوب سیاق وسباق سے متعلق ہوتا ہے اس لیے انداز بیان کے تھوڑے سے اختلاف کے باوجود نفس مضمون میں کوئی اختلاف نہیں۔ مدین سے واپسی پر جب وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ وادی طور کے پاس پہنچے تو شب کا وقت تھا۔ راستہ کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور معلوم ہوتا ہے سردی بھی سخت تھی۔ اتنے میں ایک سمت سے ایک شعلہ سا نظر آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو، مجھے ایک شعلہ سا دکھائی دیا ہے، میں وہاں جاتا ہوں یا تو وہاں سے تمہارے تاپنے کے لیے، جیسا کہ سورہ قصص میں تصریح ہے، کوئی انگارہ لاؤں گا یا وہاں کچھ لوگ ہوئے تو ان سے راستہ معلوم کرلوں گا اور ہمارا سفر جاری رہ سکے گا۔ جب حضرت موسیٰؑ اس مقام پر پہنچے جہاں ان کو شعلہ نظر آیا تو ان کو آواز آئی کہ اے موسیٰؑ یہ تو میں تمہارا رب ہوں۔ تم جوتے اتار دو (۹۶) کہ تم اس وقت طویٰ کے مقدس وادی میں ہو۔ تمہارے منصب نبوت ورسالت کے لیے منتخب کیا ہے اور تم پر جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اس کو غور سے سنو۔ (۹۷) اس کے بعد دعوت کے بنیادی اصول عطا کیے گئے۔

قرآن مجید نے اس تجربے کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ نفس مضمون یکساں ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو وادی مبارک کے کنارے سے، جو مبارک خطہ میں تھی، ایک خاص درخت سے جو آواز آئی اور جہاں انہیں آگ نظر آئی اس کے بارے میں قرآن عزیز میں ہے:

وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ (۹۸)

Marfat.com

اور تمہیں کچھ موسیٰؑ کی خبر بھی پہنچی ہے؟ جب کہ اس نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ " ذرا ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید کہ تمہارے لیے ایک آدھ انگارا لے آؤں، یا اس آگ پر مجھے راستے کے متعلق کوئی رہنمائی مل جائے، وہاں پہنچا تو پکارا گیا" اے موسیٰ" میں ہی تیرا رب ہوں، جوتیاں اتار دے۔ (۹۹) تو وادی مقدس طویٰ میں ہے اور میں نے تجھ کو چُن لیا ہے، سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِھَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَo فَلَمَّا جَآءَ ھَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا. وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (۱۰۰)

(انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ) جب موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے، میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارہ چن لاتا ہوں تا کہ تم لوگ گرم ہو سکو۔ وہاں جو پہنچا تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ، سب جہانوں والوں کا پروردگار۔ اے موسیٰ یہ میں ہوں اللہ زبردست اور دانا۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَھْلِہٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَۃٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَo فَلَمَّآ اَتٰھَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَۃِ الْمُبٰرَکَۃِ مِنَ الشَّجَرَۃِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۰۱)

جب موسیٰؑ نے مدت پوری کر دی اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر چلا تو طور کی جانب سے اس کو ایک آگ نظر آئی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا۔ ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اس آگ سے کوئی انگارہ ہی اٹھا لاؤں جس سے تم تاپ سکو، وہاں پہنچا تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطے میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰؑ میں ہی اللہ ہوں، سارے جہان والوں کا مالک۔

دعوت کا موضوع

مشیت ایزدی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس مقصد کے لیے تیار کیا تھا اب انہیں اس کے حصول کی راہ پر

Marfat.com

ڈالا جارہا ہے۔انہیں آزمائش کے (۱۰۲) مختلف مراحل سے گزار کر براہ راست خطاب سے نواز کر نبوت و رسالت کے منصب پر سرفراز فرمایا۔ہم دیگر انبیاء کے سلسلے میں دیکھ چکے ہیں کہ ان کی دعوت دو نوعیتوں کی ہوتی ہے ایک عمومی اور دوسرا خصوصی۔عمومی دعوت میں وہ تمام اصول ہوتے ہیں جو تمام انبیاء کی دعوت کا مشترکہ اثاثہ ہیں اور خصوصی دعوت میں اس مشن کی تکمیل یا اصلاح کا خصوصی پہلو پایا جاتا ہے جس کا تعلق اس قوم یا اس وقت کے حالات سے ہوتا ہے۔حضرت موسیٰؑ کی عمومی دعوت میں توحید، آخرت اور عبادت کا تذکرہ ہے جبکہ خصوصی دعوت میں فرعون اور قوم کی اصلاح اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا ہے۔قرآن مجید کے بیان میں دعوت کے عمومی وخصوصی موضوعات باہم دگر اس طرح متعلق اور مربوط ہیں کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے اور وہ ہے بندگی رب، جو ہر نبی کی دعوت کا بنیادی نکتہ ہے۔

دعوتِ عمومی

توحید الٰہی:

دعوت عمومی میں توحید الٰہی کی حیثیت بنیادی ہے۔چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو ربانی آواز میں جو پہلی بات سنائی دی وہ توحید الٰہی کی صدا تھی۔ارشاد باری ہے:

اِنِّیۤ اَنَا رَبُّکَ .... وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی. (۱۰۳)

میں تمہارا رب ہوں.......... میں نے تم کو برگزیدہ کیا تو جو وحی کی جارہی ہے اسے غور سے سنو۔

حضرت موسیٰؑ کو یہ سمجھایا جارہا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں اپنے کار خاص، فریضہ نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا ہے۔حضرت موسیٰؑ کو اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے رب کا تصور تو تھا لیکن رب تعالیٰ کے براہ راست مخاطب ہونے کا تجربہ نیا تھا۔نیز منصب رسالت پر فائز ہونے کا حکم بھی انوکھا تجربہ تھا۔نبوت و رسالت ملنے پر پہلی وحی کو غور سے سننے کا حکم ہوا۔پہلی وحی کے الفاظ ہیں:

اِنَّنِیۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِی (۱۰۴)

بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو۔

یٰمُوْسٰۤی اِنَّہٗۤ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (۱۰۵)

اے موسیٰؑ یہ میں ہوں اللہ زبردست اور دانا۔

یٰمُوْسٰۤی اِنِّیۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۰۶)

اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہان والوں کا مالک۔

سب سے پہلے عقیدہ توحید کی بات کی اس لیے کہ یہ مرکز دین ہے۔جہاں تک خدا کے ماننے کا تعلق ہے دنیا

Marfat.com

نے ہمیشہ خدا کو مانا ہے۔ انکار خدا کی حماقت موجودہ زمانے کی پیداوار ہے البتہ شرک کی ضلالت کسی نہ کسی شکل میں انسان پر حملہ آور ہوتی رہی ہے چنانچہ ہر نبی کو سب سے پہلے توحید ہی کی تعلیم دی گئی اور ہر نبی نے سب سے پہلے شرک ہی کے خلاف جہاد کیا۔ (۱۰۷)

عبادتِ رب

دوسری چیز جس کی حضرت موسیٰؑ کو ہدایت ہوئی وہ خدا کی عبادت ہے۔ یہ عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ حق بلاشرکت غیرے ہے۔ جب وہ معبود ہے تو لازم ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور جب اس کا کوئی شریک نہیں تو یہ بھی لازم ہے کہ یہ عبادت بلاشرکت غیرے ہو۔ عبادت کی اصل روح خدا کے آگے اپنی بندگی اور غلامی کا اقرار اور اس کے ساتھ اپنے عہد اطاعت و وفاداری کی تجدید اور اس کا تذکرہ ہے۔ اس وجہ سے یہ بات خدا کی بندگی کے بالکل منافی ہے کہ تسبیح تو اس کی کی جائے اور شریعت خود تصنیف کی جائے یا کسی دوسرے کے لیے یہ حق تسلیم کیا جائے یہ شرک ہے۔ (۱۰۸)

ارشاد ہوتا ہے:

فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی (۱۰۹)

میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام رکھو۔

نماز کے لیے اقامت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اندر اہتمام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ نماز کا حکم اللہ کے ذکر کو قائم و دائم رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔ نماز انفرادی ہو یا اجتماعی خدا کے ذکر کی سب سے بڑی محافظ بھی ہے اور اس کا سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ مؤثر مظہر بھی اسی وجہ سے تمام انبیاء کو توحید کی تعلیم کے بعد سب سے پہلے اسی کی ہدایت ہوئی۔ (۱۱۰) یہاں نماز کی اصلی غرض پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آدمی خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ دنیا کے دھوکہ دینے والے مظاہر اس کو اس حقیقت سے بےفکر نہ کر دیں کہ میں کسی کا بندہ ہوں، آزاد و خود مختار نہیں ہوں۔ اس فکر کو تازہ رکھنے اور خدا سے آدمی کا تعلق جوڑے رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے۔ جو ہر روز کئی بار آدمی کو ہنگاموں سے ہٹا کر خدا کی طرف لے جاتی ہے۔ (۱۱۱)

آخرت

توحید کے بعد دوسری حقیقت ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام پر منکشف کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے، یہاں نہ صرف اس حقیقت کو بیان کیا بلکہ اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ○ فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْھَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِھَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ فَتَرْدٰی (۱۱۲)

Marfat.com

قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

یہ قیامت کی یاددہانی ہے اور اس کے لیے "آتیہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ وہ آئے گی، بلکہ یہ فاعل کا صیغہ ہے جس کے اندر زور اور تاکید ہے کہ یہ آ کے رہے گی، یہ شدنی اور اٹل ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ قیامت کے باب میں عام ذہن کبھی انکار صریح کا نہیں بلکہ تعجب اور استبعاد کا رہا ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس کے اثبات کے پہلو بہ پہلو اس کی قطعیت پر بہت زور دیا ہے۔ **لتجزی کل نفس بما تسعی** میں قیامت کا اصل مقصد بیان ہوا ہے کہ اس کا آنا لابدی ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کا، نیک ہو یا بد، بدلہ دیا جانا ناگزیر ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا ایک حکیم کی بنائی ہوئی دنیا نہیں بلکہ ایک کھلنڈرے کا کھیل بن کے رہ جاتی ہے اور یہ بات بالبداہت خلاف عقل ہے۔ **بما تسعی** کے لفظ نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے عمل ہی کا بدلہ پائے۔ اگر کسی کے اعمال تو ہوں شیطان کے لیکن وہ کسی سعی وسفارش یا اپنے حسب ونسب کے بل پر مرتبہ صالحین وابرار کا حاصل کرلے یا باز پرس سے ہی بری ہو جائے تو اس کے معنی نعوذ باللہ یہ ہوں گے کہ اللہ میاں کے ہاں بھی اصل قدر عمل وکردار کی نہیں بلکہ شفاعت وسفارش اور خاندان ونسب ہی کی ہے۔ (۱۱۳)

توحید، نماز اور آخرت کی تعلیم کوئی نئی بات نہ تھی، حضرت موسیٰؑ کو توحید کی تعلیم کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی تاکید ہوئی وہ نماز ہے اور خاص طور پر جس چیز کی یاددہانی کرائی گئی وہ آخرت ہے۔ یہی بات حضرات انبیاء کرام کی تاریخ سے ہم آہنگ بھی ہے لیکن یہود کی بدقسمتی قابل ماتم ہے کہ انہوں نے نماز بھی ضائع کردی اور آخرت کو بھی بھلا بیٹھے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ان کے صحیفوں میں قربانی کا ذکر تو ملتا ہے لیکن نماز کا ذکر بالخصوص ہیکل میں صرف ایک جگہ سفر خامس باب ۲۶ میں ملتا ہے۔ ان کے بعض فقہاء کا خیال تو یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے نماز کا سرے سے حکم دیا ہی نہیں، اگر تورات میں اس کا کہیں ذکر ہے تو وہ بعد کے مرتبوں کی ایجاد ہے۔ رہا آخرت کا معاملہ تو ان کے صدوقی تو حشر بعد الموت کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جزا اور سزا جو کچھ ہے سب اسی دنیا میں پوری ہو جاتی ہے۔ ہمارے یہاں مرجئہ نے بھی اپنا عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سے مستعار لیا ہے۔ آخر میں لفظ " **فتردی** " بطور تنبیہ ہے کہ اگر نماز اور یاد آخرت سے غفلت ہوئی تو سمجھ لو کہ بیڑا غرق ہو جائے گا۔ یہی چیزیں ساری دین کی حفاظت کرنے والی اور شیطان کے فتنوں سے امان میں رکھنے والی ہیں۔ جو ان سے غافل ہوا اس نے گویا اپنے آپ کو شیطان کے حوالہ کردیا۔ (۱۱۴)

معجزات کا عطیہ

انبیاء علیہم السلام کی قرآنی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص کو منصب نبوت

Marfat.com

ورسالت پر سرفراز کیا جاتا ہے اور اسے عمومی و خصوصی دعوت کا فریضہ سونپا جاتا ہے۔ وہ جب اپنی قوم کو بتاتا ہے کہ وہ رسول ہے اور ان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہے تو قوم کے چیلنج اور ان کے مطالبہ پر اپنی صداقت کے نشان کے طور پر معجزہ دکھاتا ہے اور عام طور پر ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قوم اپنے انجام کو پہنچنے والی ہوتی ہے لیکن حضرت موسیٰؑ کے سلسلے میں نیا قاعدہ ترتیب پاتا ہے۔ انہیں مقابلے کے وقت دیگر معجزات بھی عطا کیے مگر عام معمول سے ہٹ کر سرفرازی نبوت کے ساتھ ہی معجزات سے مسلح کیا گیا۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایسے سرکش اور جابر حکمران کی طرف رسول بنا کر بھیجے جا رہے تھے جو شخصی اور قومی دونوں اعتبار سے حضرت موسیٰ کا جانی دشمن تھا۔ ان کی بات سننا اور سمجھنا تو درکنار اندیشہ اس بات کا تھا کہ یہ علم ہوتے ہی کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیتا۔ بلکہ ان کے قتل کا حکم تو اسی وقت وہ دے چکا تھا جب قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ چھپ کر مدین چلے گئے اس وجہ سے وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ ایک ایسے منتقم و جبار کے سامنے آ کر حضرت موسیٰؑ ایک رسول کی حیثیت سے انذار کے لیے جاتے تو وہ بھلا ان کی بات سننے کا کب روادار ہوتا۔ وہ تو صرف اسی شکل میں کوئی بات سننے کے لیے تیار ہو سکتا تھا جب حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی جو اس کو مرعوب کر دیتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں ان کو دو ایسے معجزوں سے مسلح کر دیا جن کی مدد سے وہ اپنے دشمن کی ہر تعدی سے محفوظ رہے اور انہوں نے فرعون کے سامنے جاتے ہی، جیسا کہ آگے کی روایات سے واضح ہوگا، اپنے ان معجزات کا اظہار بھی کر دیا تاکہ وہ خبردار رہے کہ اگر اس نے کوئی غلط اقدام کیا تو وہ بھی خالی ہاتھ نہیں آئے ہیں بلکہ ان کے ہاتھ میں بھی وہ عصا ہے جو ہر کبر و غرور کا سر پاش پاش کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔ (۱۱۵)

قرآن مجید کے مختلف مقامات پر عطیہ معجزات کا ذکر ہے لیکن سورہ طٰہ میں جو پیرایہ اظہار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ لاڈلا پیغمبر شرف ہم کلامی سے متمتع ہوتا ہے، اپنی مشکلات اور اپنے اندیشے بیان کرتا ہے، اپنی تائید و تقویت کے لیے بھائی کی نبوت کی درخواست کرتا ہے اور اپنے مطالبوں کی تکمیل، اپنی مشکلات کے حل اور اندیشوں کے رفع ہونے کی یقین دہانی کے بعد معجزوں سے مسلح ہو کر فرض کی ادائیگی کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى o قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى o قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى o فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى o قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْاُولٰى o وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى o لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى (۱۱۶)

Marfat.com

اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، اے موسیٰؑ۔ اس نے کہا، یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے دوسرے فائدے بھی ہیں۔ فرمایا، اس کو زمین پر ڈال دو، اے موسیٰؑ۔ اس نے اس کو ڈال دیا تو دفعتہً وہ ایک رینگتا ہوا سانپ بن گئی۔ فرمایا اس کو اٹھالو اور ڈرو نہیں، ہم اس کو پھر اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے اور اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کی طرف سکیڑ لو، وہ وہاں سے ایک دوسری نشانی بن کر، چٹا سفید، بغیر کسی مرض کے، برآمد ہوگا تاکہ ہم اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض کا تمہیں مشاہدہ کرائیں۔

سورہ النمل میں ہے:

وَاَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ٥ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًام بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ. اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (۱۱۷)

اور پھینک تو ذرا اپنی لاٹھی، جونہی کہ موسیٰؑ نے دیکھا کہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے، تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰؑ ڈرو نہیں۔ میرے سامنے رسول ڈرا نہیں کرتے الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو، پھر اگر برائی کے بعد اس نے بھلائی سے (اپنے فعل کو) بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ (دو نشانیاں) نو نشانیوں میں سے ہیں۔ فرعون اور اس کی قوم کی طرف دیے جانے کے لیے، وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ٥ اُسْلُكْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ. اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۔ (۱۱۸)

اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو جب اس نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا گویا سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پھر مڑ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو نہیں، تم بالکل مامون ہو۔ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی مرض کے سفید نکلے گا اور سکیڑ لو اپنا بازو جس طرح خوف سے سکیڑ لیتے ہیں۔ پس یہ تیرے رب کی جانب سے دو نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لیے۔ بے شک وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔

Marfat.com

حضرت موسیٰؑ کے لیے یہ تجربہ انوکھا تھا۔ لاٹھی کے سانپ بننے کا منظر دیکھ کر وہ سخت دہشت زدہ ہوئے اور اس طرح پیچھے کو بھاگے کہ اس کی طرف مڑ کر دیکھنے کی جرات نہیں کی۔ اس کیفیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نہایت رافت کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ اے موسیٰ! آگے بڑھو، اس کو اٹھاؤ اس سے تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ خطرہ ہے تو تمہارے دشمنوں کے لیے ہے۔ تم ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو۔

مولانا اصلاحی نے اس تجربہ کی وضاحت میں شاندار نوٹ لکھا ہے جو قابل مطالعہ ہے وہ فرماتے ہیں:

" حضرت انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوت کے ابتدائی مشاہدات بالکل بے سان گمان پیش آتے ہیں، نہ ان کے ذہن میں پہلے سے ان کا کوئی تصور ہوتا ہے نہ ارمان، اسی وجہ سے شروع شروع میں وہ ان سے گھبراتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو بالتدریج ان سے مانوس کر دیتا ہے۔ ساحروں، کاہنوں، متنبیوں، مفتریوں کے ذہن میں تو پہلے سے ایک اسکیم ہوتی ہے اور وہ اس کے لیے بہت پاپڑ بیلتے ہیں اور جب ان کو عوام فریبی کے لیے کوئی مشغلہ ہاتھ آ جاتا ہے تو اس کو اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرات انبیاء کرام اس قسم کے وساوس سے بالکل پاک ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو کوئی معجزہ دیا جاتا ہے تو وہ ان کے لیے ایک بالکل انوکھی چیز ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے جانے والے تھے اس کے ساحروں کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنا دیتے اور اس فن کو حاصل کرنے کے لیے نہیں معلوم وہ کیا کیا ریاضتیں کرتے۔ اور جب اس میں کامیاب ہو جاتے تو سمجھتے کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی مراد حاصل ہو گئی لیکن حضرت موسیٰؑ کا حال یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی لاٹھی کو سانپ بنا دیا تو وہ اس سے خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے اس ابتدائی مشاہدہ کے اس پہلو کو خاص طور پر اس لیے نمایاں فرمایا ہے کہ آپ کے جس معجزے کو فرعونیوں نے سحر و ساحری کا کرشمہ قرار دیا اس کو دیئے جانے کے وقت حضرت موسیٰؑ پر کیا گزری۔" (۱۱۹)

قرآن مجید میں لاٹھی کے سانپ بننے کے لیے حیہ (سانپ) اور کسی جگہ جان (جو بالعموم چھوٹے سانپ کے لیے بولا جاتا ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور کسی جگہ ثعبان کہا جا رہا ہے۔ اس کی توجیہ امام رازی اس طرح کرتے ہیں کہ حیہ عربی زبان میں سانپ کی جنس کے لیے مشترک نام ہے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور ثعبان کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ جسامت کے اعتبار سے وہ اژدھے کی طرح تھا اور جان کا لفظ اس بنا پر استعمال کیا گیا کہ اس کی پھرتی اور تیزی سانپ جیسی تھی۔ (۱۲۰)

حضرت موسیٰؑ کا دوسرا معجزہ ید بیضا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰؑ جب اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالتے تو بغیر کسی مرض کے چٹا سفید نکلتا۔ ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، زمخشریؒ، رازیؒ، ابوالسعود عماديؒ، آلوسیؒ اور دوسرے بڑے بڑے مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہاں بیضا بمعنی روشن اور چمکدار ہے۔ جوں ہی کہ حضرت موسیٰؑ نے بغل سے ہاتھ نکالا یکا یک سارا

Marfat.com

ماحول جگمگا اٹھا اور یوں محسوس ہوا جیسے سورج نکل آیا ہے۔ (۱۲۱)

بائبل میں ید بیضا کی ایک اور ہی تعبیر کی گئی ہے جو وہاں سے نکل کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں رواج پا گئی۔ وہ یہ کہ حضرت موسیٰؑ نے جب بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو پورا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید تھا، پھر جب دوبارہ بغل میں رکھا تو اصلی حالت پر آ گیا۔ یہی تعبیر اس معجزے کی تلمود میں بھی بیان کی گئی ہے اور اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ فرعون کو برص کی بیماری تھی جسے وہ چھپائے ہوئے تھا۔ اس لیے اس کے سامنے یہ معجزہ پیش کیا گیا کہ دیکھ یوں آناً فاناً برص کا مرض پیدا بھی ہوتا ہے اور کافور بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اول تو ذوق سلیم اس سے ابا کرتا ہے کہ کسی نبی کو برص کا معجزہ دے کر ایک بادشاہ کے دربار میں بھیجا جائے۔ دوسرے اگر فرعون کو مخفی طور پر برص کی بیماری تھی تو ید بیضا صرف اس کی ذات کے لیے معجزہ ہو سکتا ہے، اس کے درباریوں پر اس معجزے کا کیا رعب طاری ہوتا۔ لہٰذا صحیح بات وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اس ہاتھ میں سورج کی چمک پیدا ہو جاتی تھی جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ (۱۲۲)

سورہ النمل میں ان معجزات کا ذکر کرتے ہوئے " فی تسع آیات " یعنی نو نشانیوں میں سے کے الفاظ استعمال کیے۔ سورہ اعراف میں ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ (۱۲۳) لاٹھی جو اژدھا بن جاتی تھی، ہاتھ جو بغل سے سورج کی طرح چمکتا ہوا نکلتا تھا، جادوگروں کو برسر عام شکست دینا، حضرت موسیٰؑ کی پیشگی اعلان کے مطابق سارے ملک میں قحط، طوفان، ٹڈی دل، تمام غلے کے ذخیروں میں سسریاں اور انسان و حیوان سب میں جوئیں، مینڈکوں کا طوفان اور خون، یہ وہ نو آیات ہیں جو حضرت موسیٰؑ کو عطا کی گئی تھیں۔

دعوتِ خصوصی

شرف ہمکلامی سے نوازنے، دعوت کے عمومی اصول بیان کرنے اور معجزات عطا کرنے کے بعد خصوصی ذمہ داری کی بات کی۔ وہ خصوصی ذمہ داری فرعون کی سرکشی کی اصلاح تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (۱۲۴)

تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ (۱۲۵)

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰؑ کو کہ ظالم قوم، قوم فرعون کے پاس جاؤ، کیا وہ ڈریں گے نہیں!

فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ. اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (۱۲۶)

نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ، وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔

فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملائه انهم کانوا قوما فسقین (۱۲۷)

Marfat.com

پس یہ تیرے رب کی جانب سے دو نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لیے بے شک وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔

بنی اسرائیل کی غلامی سے نجات

اس دعوت خصوصی کا اہم پہلو بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب موسیٰؑ فرعون کے پاس پہنچ گئے۔ قرآن نقل کرتا ہے:

فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ. وَلَا تُعَذِّبْهُمْ (۱۲۸)

اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھ۔

قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ (۱۲۹)

میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ (۱۳۰)

فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو، ہم کو رب العالمین نے اس لئے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

موسیٰؑ و ہارونؑ کی دعوت کے دو جزو تھے۔ ایک فرعون کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا، جو تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مقصود رہا ہے۔ دوسرے، بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالنا، جو مخصوص طور پر ان ہی دونوں انبیاء کا مشن تھا۔ قرآن مجید میں کسی جگہ صرف پہلے جزو کا ذکر کیا گیا ہے اور کسی جگہ دوسرے جزو کا۔ دوسرے جزو کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان کی جدوجہد قومی تھی اور وہ محض بنی اسرائیل کے نجات دہندہ تھے تو یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ قرآن نے ان کی دعوت کے دونوں پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ○ فَقُلْ هَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی ○ وَاَهْدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْشٰی (۱۳۱)

فرعون کے پاس جا وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہو کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تو (اس کا) خوف صرف تیرے اندر پیدا ہو۔

قرآن پاک کے مجموعی بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کی رہائی کے لیے فرعون کے پاس نہیں بھیجے گئے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ ان کی بعثت کا پہلا مقصد فرعون اور اس کی قوم کو راہ راست دکھانا تھا اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ راہ راست قبول نہ کریں تو بنی اسرائیل کو (جو اصل میں ایک مسلمان قوم

Marfat.com

تھے) اس کی غلامی سے چھڑا کر مصر سے نکال لائیں۔ یہ بات ان آیات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان میں سرے سے بنی اسرائیل کی رہائی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے سامنے صرف حق کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان مقامات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے تبلیغ اسلام بھی کی ہے اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ بھی فرمایا ہے۔ (۱۳۲)

موسیٰؑ کے عہد کا فرعون

آگے بڑھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد کا حکمران کون تھا؟۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ یوسفؑ سے لے کر موسیٰؑ تک مصر پر مختلف خاندان حکمران رہے۔ ان حکمرانوں کا شاہی لقب فرعون تھا اس لیے ہر حکمران فرعون کہلاتا۔ لفظ فرعون کے معنی ہیں "سورج دیوتا کی اولاد" قدیم اہل مصر سورج کو جوان کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھارع کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرمانروا کی حاکمیت کے لیے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی تھی کہ رع کا جسمانی مظہر اور اس کا ارضی نمائندہ ہو، اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا اور ہر فرمانروا جو تخت نشین ہوتا "فرعون" کا لقب اختیار کر کے باشندگان ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب اعلیٰ یا مہادیو میں ہوں۔ (۱۳۳)

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور بالآخر غرق ہوا۔ موجودہ زمانے کے محققین کا عام میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون "رعمیس دوم" تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۲۹۲ء سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے مفتہ یا مفتاح تھا جو اپنے باپ رعمیس دوم کی زندگی ہی میں شریک حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا مالک ہوا۔ یہ قیاس بظاہر اس لحاظ سے مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی تاریخ کے حساب سے حضرت موسیٰؑ کی تاریخ وفات ۱۲۷۲ قبل مسیح ہے۔ لیکن بہر حال یہ تاریخی قیاسات ہی ہیں اور مصری، اسرائیلی اور عیسوی جنتریوں کے تطابق سے بالکل صحیح تاریخوں کا حساب لگانا مشکل ہے۔ (۱۳۴)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے نجار کی قصص الانبیاء کے حوالے سے احمد یوسف آفندی کے مضمون سے طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کا فرعون رعمیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ ق م سے شروع ہو کر ۱۲۲۵ ق م پر ختم ہوتا ہے۔ مصری عجائب خانہ میں یہ نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن عزیز کے اس کلام بلاغت نظام کی تائید کر رہی ہے۔ (۱۳۵)

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (۱۳۶)

Marfat.com

اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تا کہ تو بعد کی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنے۔

سید مودودیؒ کے بقول "اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰؑ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔"(۱۳۷)

بعثت نبوت پر موسیٰؑ کا ردعمل

حضرت موسیٰؑ کو یکایک جس صورت حال کا سامنا تھا وہ خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ لاٹھی کے سانپ بننے پر ان کا ردِعمل فطری تھا۔ اسی طرح اچانک کلام الٰہی کے جلال اور اس کی ہیبت کا رعب بھی طاری تھا۔ جب ذرا پُرسکون ہوئے تو انہیں اس ذمہ داری کے بوجھ کا احساس ہوا۔ ہم کلامی کی لذت نے انہیں حوصلہ بھی دیا تو انہوں نے اپنے رب کے سامنے ان خطرات و مشکلات کا ذکر کیا جو کار دعوت کے سلسلے میں انہیں پیش آنے والی تھیں۔ ان میں سے ایک تو اظہار و بیان کی کمزوری تھی۔ مفسرین نے حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت کی بات کی ہے۔(۱۳۸) مولانا سیوہاروی کی بھی یہی رائے ہے۔(۱۳۹) کہ ان کی زبان میں پیدائشی لکنت تھی۔ انہوں نے نجار کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں تلمود نے لمبا چوڑا واقعہ بیان کیا ہے کہ بچپن میں جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر میں پرورش پا رہے تھے۔ ایک روز انہوں نے فرعون کے سر کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس بچے نے یہ کام بالارادہ کیا ہے یا یہ محض طفلانہ فعل ہے۔ آخر کار یہ تجویز کیا گیا کہ بچے کے سامنے سونا اور آگ دونوں ساتھ رکھے جائیں چنانچہ چیزیں لا کر سامنے رکھی گئیں اور حضرت موسیٰؑ نے آگ اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ اس طرح ان کی جان تو بچ گئی مگر زبان میں ہمیشہ کے لیے لکنت پڑ گئی۔ یہ قصہ اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر ہمارے ہاں تفسیروں میں بھی رواج پا گیا لیکن عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ اس لیے کہ اگر بچے نے آگ پر ہاتھ مارا بھی ہو تو یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ انگارے کو اٹھا کر منہ میں لے جا سکے۔ بچہ تو آگ کی جلن محسوس کرتے ہی ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ منہ میں لے جانے کی نوبت ہی کہاں آ سکتی ہے؟ قرآن کے الفاظ سے جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اندر خطابت کی صلاحیت نہ پاتے تھے اور ان کو اندیشہ لاحق تھا کہ نبوت کے فرائض ادا کرنے کے لیے اگر تقریر کی ضرورت پیش آئی (جس کا انہیں اس وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا) تو ان کی طبیعت کی جھجک مانع ہو جائے گی۔(۱۴۰) مولانا اصلاحی نے بھی لکنت والی روایت کا انکار کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ان آیات سے یہ بات تو ضرور معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کوئی زباں آور خطیب نہیں تھے لیکن یہ بات کہیں سے نہیں نکلتی کہ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ لکنت کی روایت تو صرف تورات میں ہے۔

Marfat.com

وہیں سے ہماری تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوئی اور پھر اس کو مستند کرنے کے لیے ہمارے مفسرین نے ایک عجیب وغریب واقعہ بھی گھڑ لیا۔(۱۴۱) اظہار و بیان کی اسی کمزوری کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں بیان کی طاقت عطا کی جائے اور ان کے بھائی کو جو فصیح اللسان ہے، مددگار بنایا جائے۔ فرعون نے ان کی اس کمزوری کا ایک مرتبہ طعنہ بھی دیا تھا کہ یہ شخص تو اپنی بات بھی پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ لا یکاد یبین (۱۴۲) یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہکلے یا توتلے آدمی کو اپنا رسول مقرر فرمائے۔ رسول ہمیشہ شکل وصورت، شخصیت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین لوگ ہوئے ہیں جن کے ظاہر و باطن کا ہر پہلو دلوں اور نگاہوں کو متاثر کرنے والا ہوتا تھا۔ کوئی رسول ایسے عیب کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہ ہی بھیجا جا سکتا تھا جس کی بناء پر وہ لوگوں میں مضحکہ بن جائے یا حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔(۱۴۳) قرآن مجید نے ان کی اس درخواست کو بیان کیا ہے:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ○ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ○ يَفْقَهُوا قَوْلِي ○ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ○ هَارُونَ أَخِي ○ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ○ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ○ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ○ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ○ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا (۱۴۴)

موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ میرے لیے میرے کنبے ہی سے ایک وزیر مقرر کر دے، ہارون جو میرا بھائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے، تا کہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔ تو ہمیشہ ہمارے حال پر نگراں رہا ہے۔

سورہ شعراء میں تکذیب کے اندیشہ کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ○ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ (۱۴۵)

اے میرے رب، مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ بھنچتا ہے اور میری زبان رواں نہیں ہے تو ہارون کے پاس پیغام بھیج۔

سورہ قصص میں ہارونؑ کی فصاحت کا خصوصی تذکرہ نقل کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ (۱۴۶)

اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اس کو ایک معاون کی حیثیت سے میرے ساتھ بھیجئے کہ وہ میری تائید کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی یہ درخواست قبول فرمائی اور انہیں بیان کی قدرت بھی عطا فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کا معاون بھی بنایا۔ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی یہ کمزوری دور ہوگئی تھی اور وہ خوب زوردار تقریر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ قرآن اور بائبل میں ان کے بعد کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمال فصاحت وطلاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔ (۱۴۷) قبولیت دعا کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى (۱۴۸)

فرمایا: دیا گیا جو تو نے مانگا اے موسیٰ۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ (۱۴۹)

ہم تیرے بھائی کے ذریعہ سے تیرا ہاتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو ایسی سطوت بخشیں گے کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے زور سے غلبہ تمہارا اور تمہارے پیروؤں کا ہی ہے۔

دوسری درخواست جو موسیٰؑ نے کی وہ فرعون کے انتقام سے متعلق تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے قبطی کے ظالمانہ رویہ کی وجہ سے اس کو گھونسا مارا تھا جس کے نتیجے میں وہ مر گیا تھا۔ یہ ایک نادانستہ قتل تھا جس کی معافی انہوں نے اپنے رب سے طلب کی تھی اور انہیں معاف کر دیا گیا تھا۔ لیکن انہیں خطرہ تھا کہ وہ اس کی بنا پر انتقام میں کہیں قتل نہ کیے جائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (۱۵۰)

اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے، اس لیے، میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (۱۵۱)

موسیٰؑ نے عرض کی "میرے آقا، میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں، ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس ڈر سے میں وہاں نہیں جانا چاہتا، بلکہ مطلب یہ تھا کہ حضور کی طرف سے ایسا کوئی انتظام ہونا چاہیئے کہ میرے پہنچتے ہی کسی بات چیت اور ادائے رسالت کی نوبت آنے سے پہلے وہ لوگ مجھے الزام قتل میں گرفتار نہ کرلیں کیونکہ اس صورت میں تو وہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا جس کے لیے مجھے اس مہم پر بھیجا جا رہا ہے۔ بعد کی عبارت سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی اس گزارش کا یہ مدعا ہرگز نہیں تھا کہ وہ ڈر کے مارے نبوت کا منصب قبول کرنے اور فرعون کے ہاں جانے سے انکار کرنا چاہتے تھے۔ (۱۵۲)

حضرت نے جس خدشے کا اظہار کیا تھا اس کا جواب دیا گیا اور اللہ پاک کی طرف سے یہ تسلی دی گئی کہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (۱۵۳)

Marfat.com

ہرگز نہیں، تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر، ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰیo قَالَ لَاتَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (۱۵۴)

دونوں نے عرض کیا(۱۵۵) پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا پل پڑے گا، فرمایا ڈرو مت، میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اس واقعے کو بائبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیجئے تا کہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس شان سے کرتا ہے اور بنی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر کشی کی گئی ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ جب خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ "اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے، تو حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا" میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔" پھر خدا نے حضرت موسیٰؑ کو بہت کچھ سمجھایا، ان کی ڈھارس بندھائی، معجزے عطا کیے، مگر حضرت موسیٰؑ نے پھر کہا تو یہی کہا کہ " اے خداوند، میں تیری منت کرتا ہوں کہ کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج" (خروج ۴) تلمود کی روایت اس سے بھی چند قدم آگے جاتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان سات دن تک اسی بات پر ردوکد ہوتی رہی۔ اللہ کہتا رہا کہ نبی بن، مگر موسیٰؑ کہتے رہے کہ میری زبان ہی نہیں کھلتی تو میں نبی کیسے بن جاؤں۔ آخر اللہ میاں نے کہا میری خوشی یہی ہے کہ تو ہی نبی بن۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ لوطؑ کو بچانے کے لیے آپ نے فرشتے بھیجے، ہاجرہ جب سارہ کے گھر سے نکلی تو اس کے لیے پانچ فرشتے بھیجے، اور اب اپنے خاص بچوں (بنی اسرائیل) کو مصر سے نکلوانے کے لیے آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ اس پر خدا ناراض ہو گیا اور اس نے رسالت میں ان کے ساتھ ہارون کو شریک کر دیا اور موسیٰؑ کی اولاد کو محروم کر کے کہانت کا منصب ہارون کی اولاد کو دے دیا۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لیے گئے ہیں۔ (۱۵۶) قرآن نے وضاحت کی کہ موسیٰؑ کو جو خدشات لاحق تھے ان کا ازالہ کر دیا گیا۔ اس بیان سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ قرآن کے بیان سے تو ایسا لگتا ہے کہ موسیٰؑ شرف ہم کلامی کی لذت سے اتنے سرشار تھے کہ وہ اسے زیادہ دیر جاری رکھنا چاہتے تھے۔ کجا یہ گستاخی کہ وہ منصب نبوت لینے سے انکار کریں یا ادائے فرض سے پہلوتہی کریں۔ قرآنی بیان پڑھنے والا منصف مزاج انسان یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عظمت و شائستگی کلام ربانی ہونے کا ثبوت ہے۔

اسلوب دعوت

حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور آلِ فرعون کے انداز فکر اور طرزِ عمل کا تجربہ تھا اور رب تعالیٰ کے علم میں نہ صرف

Marfat.com

ماضی وحال کے واقعات تھے بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات بھی تھے اس لیے اس نے اپنے رسول کو نہ صرف حفاظت مہیا کی بلکہ دعوت کے طریقے اور زبان کے بارے میں بھی ہدایات دیں۔ رب تعالیٰ کو حضرت موسیٰؑ کے مزاج اور انداز بیان کی تیزی کا پتہ تھا اور فرعون کے غرور اور طغیان کا بھی علم تھا اس لیے داعی کو واضح ہدایات دینی ضروری تھیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (۱۵۷)

تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دو، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

غالباً یہ ہدایات اس وقت دی گئیں جب حضرت موسیٰؑ مصر پہنچ گئے اور حضرت ہارونؑ ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان ہدایات میں دو چیزیں واضح ہیں ایک ذکر الٰہی اور دوسری نرم بات۔ تیسری بات کا تعلق مقصد دعوت یا نتیجہ دعوت سے ہے۔

ذکر الٰہی

ولا تنیا فی ذکری میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا۔ سے دوبارہ ذکر الٰہی کی اہمیت واضح کی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے اولین کلام الٰہی میں "اقم الصلوۃ لذکری" کی ہدایت موجود ہے۔ ذکر الٰہی ایک دائمی عمل ہے اور اس میں ذکر عبادت اور ذکر دعوت دونوں شامل ہیں۔ دعوت کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی سرچشمہ سے اس کو غذا اور قوت حاصل ہوتی ہے اگر اسی سرچشمہ سے تعلق کمزور ہو جائے تو دعوت بے جان اور بے روح ہو جاتی ہے اور اگر اس سرچشمہ سے تعلق بالکل ہی منقطع ہو جائے تو پھر وہ دعوت بالکل شیطانی دعوت بن کر رہ جاتی ہے اگرچہ اس میں نام خدا ہی کا لیا جائے۔ (۱۵۸)

یہ واضح ہے کہ نبی کا ہر کام ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ وہ نماز ادا کرے یا تذکیر و انداز کا کام کرے۔ نماز اگر قوت و معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو دعوت الی اللہ اسے مستحکم کرنے اور آگے منتقل کرنے کا وسیلہ۔ داعی کو ہر حال میں تعلق باللہ پر نظر رکھنی ہوتی ہے کیونکہ اسی سے اس کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہی رہنمائی کا ماخذ ہے۔

نرم گفتگو

" فقولا له قولا لينا " کے ذریعہ سے طریق دعوت کی ہدایت دی کہ دعوت بہر حال نرمی کے ساتھ دی جائے۔ اس ہدایت کی ضرورت اس پہلو سے نہیں تھی کہ اب حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے ایک بے بس اسرائیلی کی

Marfat.com

حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کی سفیر کی حیثیت سے جا رہے تھے اور ہاتھ میں عصائے موسوی بھی تھا بلکہ لینت و نرمی دعوت حق کی فطرت ہے۔ حضرات انبیاء کی بعثت تعلیم و اصلاح کے لیے ہوئی اس وجہ سے ان کی دعوت اور ان کے انذار میں ایک معلم کی شفقت اور ایک غمگسار کی دلسوزی ہمیشہ نمایاں رہی ہے کسی نبی کے متعلق بھی یہ بات علم میں نہیں آئی کہ اس نے ہیکڑی جتائی اور دھونس جمائی ہو۔ سخت سے سخت حالات میں بھی ان کا طرز خطاب اور انداز جواب نہایت ہی نرم، موثر اور ہمدردانہ رہا ہے۔ ہیکڑی جتانا اور دھونس جمانا دنیا پرست لیڈروں کی خصوصیات میں سے ہے موجودہ زمانے کے شیطانی پروپیگنڈے کی تو سمجھیے ساری بنیاد ہی اس پر ہے۔ (۱۵۹)

دعوت کا مقصد

دعوت کے مقصد کو لعلہ یتذکر او یخشی میں بیان فرمایا۔ حضرات انبیاء کی دعوت و تعلیم کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب میں تذکر اور خشیت پیدا ہو۔ جن کے اندر صرف غفلت ہوتی ہے وہ تو نبی کی تذکیر سے فوراً جاگ پڑتے ہیں وہ گویا راستہ بھولے ہوئے ہوتے ہیں، بتانے والے نے جوں ہی ان کو بتایا وہ سیدھی راہ اختیار کر لیتے ہیں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی گمراہی پختہ ہو جاتی ہے، اس طرح کے لوگوں کے اندر، اگر ان میں قبولیت حق کی کچھ صلاحیت ہوتی ہے، نبی کے انذار سے خدا اور اس کی پکڑ کا کچھ خوف پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے لگتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو وہ ہدایت کی راہ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں " یتذکر" سے پہلی حالت کی طرف اشارہ ہے اور " یخشی " سے دوسری حالت کی طرف۔ (۱۶۰)

سورہ النازعات میں اس مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ٥ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (۱۶۱)

اس سے کہہ کہ کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تو اس کا خوف تیرے اندر پیدا ہو۔

گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو حکمت و تبلیغ کے اصول بتائے تاکہ براہ راست بات کرتے ہوئے ان حدود و قیود کا خیال رہے جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیں اور کوئی ایسی بات نہ ہو جو پیغمبرانہ شان کے شایاں نہ ہو۔ ان ہدایات میں اسلوب و دعوت کے بنیادی اصول بیان کر دیے گئے اور مقصد دعوت بھی واضح کر دیا گیا۔ معجزات تو پہلے ہی عطا کر دیے تھے تاکہ مخاطب پر پیغمبرانہ حیثیت کا رعب پڑے اور وہ کسی غلط اقدام کی جرأت نہ کرے۔ یوں حضرت موسیٰؑ ربانی ہدایت اور معجزانہ قوت کے ساتھ فرعون اور آل فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچانے تشریف لے گئے۔

فرعون کے سامنے دعوت حق

حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ فرعون کے پاس پہنچے اور اسے دعوت حق دی۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت موسیٰؑ

Marfat.com

نے سب سے پہلے اپنی رسالت کی بات کی اور رب تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی حقانیت کو واضح کیا اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ قرآن مجید اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ o حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّاالْحَقَّ. قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ (۱۶۲)

موسیٰؑ نے کہا "اے فرعون، میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

دوسری جگہ پر فرعون کی طرف جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ (۱۶۳)

فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم خداوند عالم کے رسول ہیں۔ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے۔

مزید فرمایا

فَاْتِیٰہُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ وَلَا تُعَذِّبْھُمْ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (۱۶۴)

پس اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھ ہم تیرے خداوند کے پاس سے ایک بڑی نشانی بھی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ان لوگوں پر ہے جو ہدایت کی پیروی کریں۔

سورہ دخان میں ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَھُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَھُمْ رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ o اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ. اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ o وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِنِّیْٓ اٰتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (۱۶۵)

ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اسی آزمائش میں ڈال چکے ہیں۔ ان کے پاس ایک نہایت شریف رسول آیا اور اس نے کہا: اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کردو۔ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں اور اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے (اپنی ماموریت کی) صریح سند پیش کرتا ہوں۔

آپ کی دعوت کا اصل مقصود فرعون کی اصلاح تھی ازاں بعد بنی اسرائیل کی آزادی کی بات کی تھی۔ فرعون کے ردعمل میں بھی اولیں بات الوہیت و ربوبیت کا انکار اور دعوت الی اللہ کی تحقیر تھی۔ فرعون کے تکبر و غرور نے اسے انکار پر آمادہ کیا اور اس کے بعد حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو قید و بند کی دھمکیاں دیں اور بنی اسرائیل پر مظالم میں اضافہ کردیا

Marfat.com

۔قرآن مجید نے اس سارے عرصے کے واقعات وحالات میں سے صرف انہیں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق دعوت الیٰ اللہ سے ہے۔ان میں ربوبیت الٰہی پر مناظرہ، ساحران مصر سے مقابلہ، حضرت موسیٰؑ کی صداقت کے لیے معجزات کا ظہور اور بالآخر بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون وآل فرعون کا غرق ہونا، وہ اہم واقعات ہیں جن کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔

فرعون کا ردعمل

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت کا بنیادی اصول توحید الٰہی تھا اور حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر پہلا ردعمل تلخی اور تحقیر کا ہے۔سورہ شعراء میں ہے کہ فرعون نے موسیٰؑ سے کہا:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (۱۶۶)

فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کر گیا۔تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے۔

فرعون نے ازرہ تحقیر یہ کہا کہ تم وہی نہیں ہو جس کی پرورش بچپن میں ہم نے اپنے گھر میں کی ہے اور تم وہی نہیں جس نے قتل جیسی حرکت کی۔تمہاری حیثیت تو ہمارے پروردہ اور ایک مجرم کی ہے۔یہ نبوت کی بات کیسی ہے؟

حضرت موسیٰؑ نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اسے قرآن نے نقل کیا ہے:

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْکُمْ لَمَّا خِفْتُکُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَتِلْکَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۱۶۷)

موسیٰؑ نے کہا: اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔رہا تیرے احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔

موسیٰؑ نے قتل کا اعتراف کیا کہ وہ نادانستگی پر ہوا لیکن اللہ نے مجھے نبوت سے نوازا۔اور جہاں تک تمہارے احسان کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر ظلم ہی کے نتیجے میں تمہارے گھر تک پہنچا ورنہ میں اپنے گھر میں پرورش پاتا۔(۱۶۸) یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احسان تو ہے لیکن اس کے بدلے میں تمہیں یہ حق تو حاصل نہیں ہوسکتا کہ تمام بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھو اور میں اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھاؤں۔(۱۶۹) مولانا سیوہاروی نے عبدالوہاب نجار کے حوالے سے ایک اور مفہوم بھی نقل کیا ہے۔(۱۷۰) لیکن ان کے بقول یہ تکلف ہے۔

Marfat.com

ربوبیت الٰہی کی تحقیر

حضرت موسیٰؑ نے اپنی رسالت کی بات کرتے ہوئے رب العالمین کا ذکر کیا ہے۔ فرعون نے رب العالمین کا مذاق اڑایا اور کہا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ طریق دعوت میں ایک مرحلہ دعوت کے حق میں مسکت دلائل مہیا کرنا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کے اس گستاخانہ رویے کو بنیاد بنا کر ربوبیت الٰہی پر مسکت دلائل مہیا کیے۔ فرعون نے جب ازرہ استہزاء کہا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۷۱) (یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟) تو حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا:

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا. اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ (۱۷۲)

فرمایا: تمہارا رب العالمین وہی ہے، جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کا رب ہے، اگر تم یقین لانے والے ہو۔

قرآن نے فرعون اور موسیٰؑ کے درمیان ہونے والی گفتگو نقل کی ہے۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ٥ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ٥ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ٥ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا. اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (۱۷۳)

فرعون نے اپنے گردوپیش کے لوگوں سے کہا سنتے ہو؟ موسیٰ کہتا ہے تمہارا رب بھی اور تمہارے ان آبا واجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں۔ فرعون نے (حاضرین سے کہا) تمہارے یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بالکل ہی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا "مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب، اگر آپ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں۔ فرعون نے کہا گر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

سورہ طٰہٰ میں اس موضوع کو اور انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی ٥ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ٥ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ٥ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ٥ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً. فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ٥ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ. اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی (۱۷۴)

فرعون نے کہا" اچھا تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟ موسیٰؑ نے جواب دیا" ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راستہ بتایا۔ فرعون بولا" اور پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں ان کی پھر کیا حالت تھی۔" موسیٰؑ نے کہا" اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ

Marfat.com

ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے، نہ بھولتا ہے" وہی جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، عقل رکھنے والوں کے لیے۔

حضرت موسیٰؑ کے استدلال کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا لہذا بوکھلاہٹ میں اپنی الوہیت و ربوبیت کے دعویٰ کو دہرانے کے سوا کوئی بات نہیں کرسکا۔ تکذیب وتحقیر اور استکبار وادبار کے سوا کچھ نہ بن سکا۔ قرآن مجید نے اس کی بوکھلاہٹ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ فَاَوْقِدْلِىْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۱۷۵)

اور فرعون نے کہا، اے درباریو! میں تو تمہارے لیے اپنے سوا کسی اور معبود سے واقف نہیں، تو اے ھامان! تم مٹی کی اینٹوں کا پڑاوہ لگواؤ اور میرے لیے ایک اونچا محل بنواؤ کہ موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں، میں تو اس کو ایک جھوٹا آدمی خیال کرتا ہوں۔

سورہ غافر میں ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا. وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ. وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِىْ تَبَابٍ (۱۷۶)

فرعون نے کہا اے ہامان، میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمانوں کے راستوں تک، اور موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں مجھے تو یہ موسیٰؑ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح فرعون کے لیے اس کی بدعملی خوشنما بنادی گئی اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا۔ فرعون کی ساری چالبازی (اس کی اپنی) تباہی کے راستے ہی میں صرف ہوئی۔

فرعون کا دعوائے الوہیت

فرعون کے ردعمل میں جہاں ربوبیت الٰہی کا استہزاء ہے وہاں اپنے استکبار کی وجہ سے الوہیت و ربوبیت کا دعویٰ بھی ہے۔ سورہ قصص میں اس کے دعویٰ الوہیت کا ذکر گزر چکا ہے۔ سورہ النازعات میں اس کے دعوائے ربوبیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (۱۷۷)

مگر اس نے جھٹلا دیا اور نہ مانا پھر چالبازیاں کرنے کے لیے پلٹا اور لوگوں کو جمع کر کے اس نے پکار کر کہا

Marfat.com

، میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

سورہ شعرا میں ہے کہ اگر موسیٰؑ نے اس کے سوا کسی اور اللہ کو مانا تو اسے قید کر دیا جائے گا۔ان سب مقامات پر اس کے دعوائے الوہیت و ربوبیت کا تذکرہ ہے۔حضرت موسیٰؑ کی دعوت سے اسے جو خطرہ محسوس ہوا، یہ بوکھلاہٹ اسی کا اظہار ہے۔مفسرین نے اس کے دعویٰ کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ الوہیت کی تفسیر میں یہاں اس سے کیا مراد ہے۔مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ فرعون کی حیثیت (God King) کی تھی۔وہ سورہ اعراف کی آیت ۱۲۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و یذرک والھتک کی تاویل میں ہمارے علماء و مفسرین کو بڑا اضطراب پیش آیا ہے۔اس میں اشکال یہ ہے کہ الھتک کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے دیوی، دیوتا بھی مصر میں تھے جن کی پرستش خود فرعون بھی کرتا تھا اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے رب اعلیٰ ہونے کے دعوے کی توجیح کیا ہوگی؟ جو خود رب اعلیٰ ہونے کا مدعی ہو وہ کسی دوسرے دیوی، دیوتا کو ماننے والا یا ان کی پرستش کرنے والا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس شبے کا جواب یہ ہے کہ فرعون اپنے زعم کے مطابق اپنے آپ کو مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا سورج کا اوتار سمجھتا تھا اس طرح اس کی حیثیت اوتار بادشاہ (God King) کی تھی۔گویا وہ بیک وقت مصریوں کا بادشاہ بھی اور ان کے سب سے بڑے دیوتا کا مظہر اور اوتار ہونے کے سبب سے ان کا رب اعلیٰ بھی۔اس نے اپنے بے شمار اسٹیچو اور بت بنوا کر اپنی مملکت میں جگہ جگہ نصب کرا دیئے تھے اور اس کی رعایا ان کے درشن اور ان کے آگے ڈنڈوت کرتی تھی۔اسی طرح بادشاہ کو بیک وقت رعایا پر خدائی اور شاہی دونوں قسم کے اختیارات حاصل تھے۔یہاں الھتک کے لفظ سے اس کے ان ہی اسٹیچوؤں اور بتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کی ذات کی نمائندگی کرتے تھے۔مصر کے قدیم مندروں کے جو آثار ملے ہیں ان سے بھی اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ (۱۷۸)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رائے میں مصریوں کے ہاں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش ہوتی تھی۔تاہم فرعون سورج دیوتا کے اوتار کی حیثیت سے بادشاہی کا استحقاق جتاتا تھا۔سورہ طٰہٰ کی آیت ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" فرعون کے اس سوال کا منشا یہ تھا کہ تم دونوں کسے رب بنا بیٹھے ہو، مصر اور اہل مصر کا رب تو میں ہوں سورہ نازعات میں اس کا یہ قول نقل کیا گیا ہے انا ربکم الاعلی اے اہل مصر تمہارا رب اعلیٰ میں ہوں۔سورہ زخرف میں وہ بھرے دربار کو مخاطب کر کے کہتا ہے یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ "اے میری قوم! کیا مصر کی یہ بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟" (آیت ۵۱) سورہ قصص میں وہ اپنے درباریوں کے سامنے یوں ہنکارتا ہے یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ. فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى " اے سرداران قوم! میں نہیں جانتا کہ میرے

Marfat.com

سوا تمہارا کوئی اور بھی الہ ہے، اور اے ہامان ذرا اینٹیں پکوا اور ایک بلند عمارت میرے لیے تیار کرا تا کہ میں ذرا چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰ کسے الہ بنا رہا ہے" (آیت ۳۸) سورہ شعراء میں وہ حضرت موسیٰ کو ڈانٹ کر کہتا ہے لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ " اگر تو نے میرے سوا کسی کو الہ بنایا تو یاد رکھ کہ تجھے جیل بھیج دوں گا" (آیت ۲۹)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرعون اپنی قوم کا واحد معبود تھا اور وہاں اس کے سوا کسی کی پرستش نہ ہوتی تھی۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ فرعون خود سورج دیوتا (رع یا راع) کے اوتار کی حیثیت سے بادشاہی کا استحقاق جتاتا تھا۔ اور یہ بات بھی مصر کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس قوم کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی عبادت ہوتی تھی اس لیے فرعون کا دعوی " واحد مرکز پرستش" ہونے کا نہ تھا، بلکہ وہ عملاً مصر کی اور نظریہ کے اعتبار سے دراصل پوری نوع انسانی کی سیاسی ربوبیت خداوندی کا مدعی تھا اور یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ اس کے اوپر کوئی دوسری ہستی فرمانروا ہو جس کا نمائندہ آ کر ایک حکم دے اور اس حکم کی اطاعت کا مطالبہ اس سے کرے۔ بعض لوگوں کو اس کی لن ترانیوں سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر تھا اور خود خدا ہونے کا دعوی رکھتا تھا مگر یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ وہ عالم بالا پر کسی اور کی حکمرانی مانتا تھا۔ سورہ المومن آیات ۲۸ تا ۳۴ اور سورہ زخرف آیت ۵۳ کو غور سے دیکھیے۔ یہ آیتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی ہستی سے اس کو انکار نہ تھا۔ البتہ جس چیز کو ماننے کے لیے وہ تیار نہ تھا وہ یہ تھی کہ اس کی سیاسی خدائی میں اللہ کا کوئی دخل ہو اور اللہ کا کوئی رسول آ کر اس پر حکم چلائے۔ (۱۷۹)

اگر اس کے ساتھ وہ توضیح بھی شامل ہو جائے جو سید مرحوم نے سورہ شعراء کی آیت ۲۹ کے تحت لکھی ہے تو فرعون کے تصور الوہیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ سید مرحوم لکھتے ہیں:

" اس گفتگو کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ آج کی طرح قدیم زمانے میں بھی "معبود" کا تصور صرف مذہبی معنوں تک محدود تھا یعنی یہ کہ اسے بس پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کا استحقاق پہنچتا ہے اور اپنے فوق الفطری غلبہ و اقتدار کی وجہ سے اس کا یہ منصب بھی ہے کہ انسان اپنے معاملات میں اس سے استمداد و استعانت کے لیے دعائیں مانگیں۔ لیکن کسی معبود کی یہ حیثیت کہ وہ قانونی و سیاسی معنوں میں بھی بالا دست ہے اور اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ معاملات دنیا میں وہ جو چاہے حکم دے اور انسانوں کا یہ فرض ہے کہ اس کو قانون برتر مان کر اس کے آگے جھک جائیں، یہ چیز زمین کے مجازی فرمانرواؤں نے نہ پہلے کبھی مان کر دی تھی، نہ آج وہ اسے ماننے کے لیے تیار ہیں۔ وہ ہمیشہ سے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں ہم مختار مطلق ہیں، کسی معبود کو ہماری سیاست اور ہمارے قانون میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ دنیوی حکومتوں اور بادشاہوں سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی

Marfat.com

پیروی کرنے والے مصلحین کے تصادم کی اصل وجہ یہی رہی ہے۔ انہوں نے ان سے خداوند عالم کی حاکمیت و بالادستی تسلیم کرانے کی کوشش کی ہے اور یہ اس کے جواب میں نہ صرف یہ کہ اپنی حاکمیت مطلقہ کا دعویٰ پیش کرتی رہی ہے بلکہ انہوں نے ہر اس شخص کو مجرم اور باغی ٹھہرایا ہے جو ان کے سوا کسی اور کو قانون وسیاست کے میدان میں معبود مانے۔ اس تشریح سے فرعون کی اس گفتگو کا صحیح مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر معاملہ صرف پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کا ہوتا تو اس کو اس سے کوئی بحث نہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ دوسرے دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ رب العالمین کو اس کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر صرف اس معنی میں توحید فی العبادت کی دعوت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دی ہوتی تو اسے غضب ناک ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کرتا تو بس یہ کہ اپنا آبائی دین چھوڑنے سے انکار کر دیتا، یا حضرت موسیٰؑ سے کہتا کہ میرے مذہب کے پنڈتوں سے مناظرہ کرلو۔ لیکن جس چیز نے اسے غضبناک کر دیا وہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کر کے اسے اس طرح ایک سیاسی حکم پہنچایا کہ گویا وہ ایک ماتحت حاکم ہے اور ایک حاکم برتر کا پیغامبر آکر اس سے اطاعت امر کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس معنی میں وہ اپنے اوپر کسی سیاسی وقانونی برتری ماننے کے لیے تیار نہ تھا، بلکہ وہ یہ بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ اس کی رعایا میں سے کوئی فرد اس کے بجائے کسی اور کو حاکم برتر مانے۔ اسی لیے اس نے پہلے "رب العالمین" کی اصطلاح کو چیلنج کیا کیونکہ اس کی طرف سے لائے ہوئے پیغام میں محض مذہبی معبودیت کا نہیں بلکہ کھلم کھلا سیاسی اقتدار اعلیٰ کا رنگ نظر آتا تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰؑ نے بار بار تشریح کر کے کہ جس رب العالمین کا پیغام وہ لائے ہیں وہ کون ہے تو اس نے صاف صاف دھمکی دے دی کہ ملک مصر میں تم نے میرے اقتدار اعلیٰ کے سوا کسی اور کے اقتدار کا نام بھی لیا تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔ (۱۸۰)

فرعون کے قول یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ (۱۸۱) "اے اہل دربار میں تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو نہیں جانتا" کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

اس قول سے فرعون کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ میں ہی تمہارا اور زمین و آسمان کا خالق ہوں، کیونکہ ایسی بات صرف ایک پاگل ہی کے منہ سے نکل سکتی تھی۔ اور اس طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیونکہ اہل مصر کے مذہب میں بہت سے معبودوں کی پرستش ہوتی تھی اور خود فرعون کو جس بنا پر معبودیت کا مرتبہ دیا گیا تھا وہ بھی صرف یہ تھی کہ اسے سورج دیوتا کا اوتار جانا جاتا تھا۔ سب سے بڑی شہادت قرآن مجید کی موجود ہے کہ فرعون خود بہت سے دیوتاؤں کا پرستار تھا: وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی

Marfat.com

الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ. (الاعراف آیت ۱۲۷) اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو کھلی چھوٹ دے دے گا کہ ملک میں فساد برپا کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اس لیے لامحالہ یہاں فرعون نے لفظ " خدا" بمعنی خالق و معبود نہیں بلکہ مطاع و حاکم مطلق استعمال کیا تھا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ اس سرزمین مصر کا مالک میں ہوں، یہاں میرا حکم چلے گا، میر اہی قانون یہاں قانون مانا جائے گا، میری ذات ہی یہاں امرونہی کا سرچشمہ تسلیم کی جائے گی، کوئی دوسرا یہاں حکم چلانے کا مجاز نہیں ہے، یہ موسیٰ کون ہے جو رب العالمین کا نمائندہ بن کر آ کھڑا ہوا ہے اور مجھے اس طرح احکام سنا رہا ہے کہ گویا اصل فرمانروا یہ ہے اور میں اس کا تابع فرمان ہوں۔ اسی بنا پر اس نے اپنے دربار کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا تھا: يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (الزخرف، آیت ۵۱) اے قوم، کیا مصر کی بادشاہی میری ہی نہیں ہے اور یہ نہریں میرے تحت جاری نہیں ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ حضرت موسیٰؑ سے بار بار کہتا تھا: اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ (یونس آیت: ۷۸)" تو کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے ہٹا دے جو ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور اس ملک میں بڑائی تم دونوں بھائیوں کی ہو جائے؟۔ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى (طٰہٰ: آیت ۵۷) اے موسیٰؑ کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہماری زمینوں سے بے دخل کر دے؟ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ (المومن۔ آیت ۲۶) میں ڈرتا ہوں کہ یہ شخص تم لوگوں کا دین بدل ڈالے گا، یا ملک میں فساد برپا کر دے گا۔ اس لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو فرعون کی پوزیشن ان ریاستوں کی پوزیشن سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جو خدا کے پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت سے آزاد و خود مختار ہو کر سیاسی اور قانونی حاکمیت کی مدعی ہیں۔ وہ خواہ سرچشمہ قانون اور صاحب امرونہی کسی بادشاہ کو مانیں یا قوم کی مرضی کو، بہرحال جب تک وہ یہ موقف اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ملک میں خدا اور اس کے رسول کا نہیں بلکہ ہمارا حکم چلے گا اس وقت تک ان کے اور فرعون کے موقف میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بے شعور لوگ فرعون پر لعنت بھیجتے رہیں اور ان کو سند جواز عطا کرتے رہیں۔ حقائق کی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی تو معنی اور روح کو دیکھے گا نہ کہ الفاظ و اصطلاحات کو۔ آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ فرعون نے اپنے لیے الٰہ کا لفظ استعمال کیا تھا اور یہ اسی معنی میں حاکمیت کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔ (۱۸۲)

سید مودودیؒ کی تشریح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں الوہیت و ربوبیت سیاسی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے اور محدود مذہبی معنی میں نہیں جبکہ مولانا اصلاحی کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ فرعون کے

Marfat.com

دعوائے الوہیت میں خدائی اور بادشاہی دونوں شامل تھیں۔

معجزات کا اظہار

ہدایات ربانی کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے نرم لہجے میں توحید الٰہی پر دلائل مہیا کیے۔ یہ اتنے موثر تھے کہ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا لیکن وہ اپنی ڈھٹائی کی وجہ سے ضد کیے جا رہا تھا اور موسیٰؑ کی دعوت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ بالآخر حضرت موسیٰؑ نے عقلی دلائل کے بعد مشاہداتی و معجزاتی دلائل پیش کیے۔ قرآن مجید میں اظہار معجزہ کے لیے حضرت موسیٰؑ کی پیش کش اور فرعون کے مطالبے کے بیانات موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ٥ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۸۳)

میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا: اگر تو کوئی نشانی لایا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اسے پیش کر۔

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ٥ قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۸۴)

موسیٰؑ نے کہا، کیا اس صورت میں بھی کہ جب میں تمہارے پاس کوئی واضح نشانی لے کر آیا ہوں، اس نے کہا، وہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

فرعون کے اس مطالبے پر حضرت موسیٰؑ نے بھرے دربار میں فرعون کے سامنے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالا، اسی وقت اس نے اژدھا کی شکل اختیار کر لی اور یہ حقیقت تھی، نظر کا دھوکا نہ تھا اور پھر موسیٰؑ نے اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لے جا کر نکالا تو وہ ایک روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ دوسری نشانی اور دوسرا معجزہ تھا۔ فرعون کے درباریوں نے جب اس طرح ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم اور اپنے بادشاہ کی شکست کو دیکھا تو وہ تلملا اٹھے اور کہنے لگے: بلاشبہ یہ بہت بڑا ماہر جادوگر ہے اور اس نے یہ سب ڈھونگ اس لیے رچایا ہے کہ تم پر غالب آ کر تم کو تمہاری سرزمین سے باہر نکال دے لہٰذا اب ہم کو سوچنا چاہیے کہ اس کے متعلق کیا کیا جائے۔ قرآن مجید نے اظہار معجزہ کے واقعہ کو مختلف مقامات پر نقل کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ٥ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ٥ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ٥ يُّرِيْدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ٥ (۱۸۵)

Marfat.com

موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور یکا یک وہ ایک جیتا جاگتا اژدھا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دفعتاً دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا نکلا۔ اس پر فرعون کے سرداروں نے آپس میں کہا یقیناً یہ شخص بہت بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تمہیں تمہاری سرزمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ اب کہو کیا کہتے ہو۔

سورہ شعراء میں اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:

فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ○ وَّنَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ھِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ○ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَہٗٓ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ○ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہٖ. فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ○ (۱۸۶)

موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور یکا یک وہ ایک صریح اژدھا تھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ فرعون اپنے گردوپیش کے سرداروں سے بولا۔ "یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب بتاؤ تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

سورہ قصص میں فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَھُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ (۱۸۷)

پھر جب موسیٰؑ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی سنی ہی نہیں۔

سورہ یونس میں ہے:

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ ۢ بَعْدِہٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِھِمْ فَجَآءُوْھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا بِہٖ مِنْ قَبْلُ کَذٰلِکَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ ۢ بَعْدِھِمْ مُّوْسٰی وَھٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِہٖ بِاٰیٰتِنَا فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَھُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ ھٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَکُمْ اَسِحْرٌ ھٰذَا وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ (۱۸۸)

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ پس جب ہمارے پاس سے حق ان کے سامنے آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰؑ نے کہا: تم حق کو یہ کہتے ہو جبکہ وہ

Marfat.com

تمہارے سامنے آ گیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پایا کرتے انہوں نے جواب میں کہا " کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہو جائے؟ تمہاری بات تو ہم ماننے والے نہیں؟"

سورہ طٰہٰ میں فرمایا:

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ٥ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى (۱۸۹)

ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔ کہنے لگا "اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے۔"

سورہ نازعات میں ہے:

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (۱۹۰)

موسیٰؑ نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔

فرعون کا ردعمل

ان معجزات کی قاہری ایسی نمایاں تھی کہ فرعون اور اس کے درباری سب ہک دک رہ گئے۔ لیکن فرعون نے نہایت ہوشیاری سے لوگوں کو مرعوبیت سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے حضرت موسیٰؑ کے کارنامے کی تو داد دی، اس لیے کہ اس سے مفر نہ تھا لیکن ساتھ ہی یہ تاثر بھی لوگوں کو دینے کی کوشش کی کہ یہ محض فن جادوگری میں مہارت کا کرشمہ ہے۔ اس کو نبوت اور رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے مزید برآں حضرت موسیٰؑ کے خلاف ایک سیاسی بدگمانی پیدا کرنے کے لیے ذہنوں میں یہ وسوسہ بھی ڈال دیا کہ یہ شخص اپنے جادو کے زور سے لوگوں کو اپنے حق میں ہموار کرنا اور ہم کو ملک سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ (۱۹۱) مولانا اصلاحی سورہ اعراف کی آیت ۱۰۹۔۱۱۰ کے تحت لکھتے ہیں:

> وہ حضرات موسیٰؑ اور ہارونؑ سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے ماضی و حاضر اور ان کے اخلاق و کردار کو سامنے رکھ کر وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ نہ تو کوئی جادوگر ہو سکتے ہیں اور نہ اصلاح کے سوا ان کے سامنے کوئی اور مقصد ہو سکتا ہے۔ لیکن ارباب اقتدار کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ جب ان کے مقابل کوئی اصلاحی دعوت اٹھی ہے تو انہوں نے اپنے عوام کو اس سے برگشتہ کرنے کے لیے اس کے اندر کوئی نہ کوئی خطرناک سیاسی معنی و مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی حرکت فرعون کے درباریوں نے کی۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی اس خالص اصلاحی دعوت اور جدوجہد کو متہم کرنے کے لیے یہ اشغلا چھوڑا کہ یہ درحقیقت ارسٹوکریسی کو اس ملک سے بے دخل کرنے کی ایک سازش ہے

Marfat.com

فرعون کے درباریوں کا یہ اسٹنٹ وقت و حالات کے لحاظ سے ایک موثر اور کارگر اسٹنٹ تھا۔ یہ مصر کے جس دور کی سرگذشت بیان ہو رہی ہے اس دور کی تاریخ تورات میں پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں فرعون اور اس کے اعیان اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ طاقت پکڑ جائیں اور ایک دن ہمیں اس ملک سے نکال چھوڑیں۔ تورات کی کتاب خروج سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

" اور اسرائیل کی اولاد برومند اور کثیر التعداد اور فراواں اور نہایت زور آور ہوگئی اور وہ ملک ان سے بھر گیا۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ پیدا ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو کہا دیکھو، اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہوگئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں۔ یہ نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں اس لیے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کیے جو ان سے سخت کام لے کر ان کو ستائیں...... اس پر انہوں نے جتنا ان کو ستایا وہ اتنا ہی بڑھتے اور پھیلتے گئے اس لیے وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہوگئے...... تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ...... تو اگر بیٹا پیدا ہو تو مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو جیتی رہے...... اور فرعون نے اپنی قوم کے سب لوگوں سے تاکیداً کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دینا اور جو بیٹی ہو اسے جیتی چھوڑنا۔" (۱۹۲)

اس اقتباس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مصر کی ارسٹوکریسی بنی اسرائیل کی تعداد اور ان کی قوت سے اس زمانے میں کس درجہ تشویش میں مبتلا تھی۔ اسی زمانے میں حضرت موسیٰؑ کی دعوت بلند ہوتی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ وہ تمام بنی اسرائیل کو تین دن کی راہ بیابان میں عید قربان منانے کے لیے لے جانے کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں فرعون کے اعیان کے پاس اپنی قوم کو حضرت موسیٰؑ اور ان کی دعوت سے وحشت زدہ کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر حربہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ یہ شگوفہ چھوڑیں کہ اب وہ خطرہ سامنے آ گیا ہے جس کا ڈر لگا ہوا تھا یعنی یہ شخص بنی اسرائیل کو منظم کر کے اب تمہیں اس ملک سے بے دخل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے اگر تم اپنا تحفظ چاہتے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے کمریں کس لو۔ (۱۹۳)

مولانا اصلاحیؒ کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت خالصتاً اصلاحی تھی اور فرعون اور اس کے اعیان نے اسے سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی تھی۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ملک سے بے دخل کرنے کی سازش کا اعلان فرعون نے کیا جیسا کہ سورہ شعراء سے معلوم ہوتا ہے جبکہ سورہ اعراف میں یہ اعلان اعیان فرعون کی طرف منسوب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابتدائی طور پر سرداران قوم نے یہ رائے قائم کی ہو اور پھر یہ طے شدہ رائے فرعون کے

Marfat.com

...ش گزار کی ہو اور فرعون نے اسی رائے کو دہرایا ہو جسے سورہ شعراء میں نقل کیا گیا ہے۔ بہرکیف حضرت موسیٰ و ...ونؑ کو ناپسندیدہ قرار دینے کی ایک تدبیر تھی جو اختیار کی گئی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی ...ت خالصتاً اصلاحی تھی اور اس کے کوئی سیاسی و نتائج نہ تھے۔ یہ ایک رائے ہے جسے بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے ...ن ایک اور نقطہ نظر بھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت میں سیاسی تبدیلی کے عناصر موجود تھے اور فرعون اور اعیان ...طنت کا خوف اور ان کے اندیشے بے سبب نہ تھے۔ اس نقطہ نظر کی وضاحت سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے الفاظ میں ...حظہ کریں۔ وہ سورہ شعراء کی آیت ۳۵ کے تحت لکھتے ہیں:

دونوں معجزوں کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یا تو ایک لمحہ پہلے وہ اپنی رعیت کے ایک فرد کو برسر دربار، رسالت کی باتیں اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتے دیکھ کر پاگل قرار دے رہا تھا (کیونکہ اس کے نزدیک ایک غلام قوم کے فرد کا اس جیسے باجبروت بادشاہ کے حضور ایسی جسارت کرنا پاگل پن کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا) اور اسے دھمکی دے رہا تھا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود مانا تو جیل میں سڑا سڑا کر ماردوں گا یا اب نشانیوں کو دیکھتے ہی اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اسے اپنی بادشاہی اور اپنا ملک چھننے کا خطرہ لاحق ہو گیا اور بدحواسی میں اسے یہ بھی احساس نہ رہا کہ میں بھرے دربار میں نوکروں کے سامنے کیسی بے تکی باتیں کر رہا ہوں۔ بنی اسرائیل جیسی دبی ہوئی قوم کے دو افراد وقت کے سب سے بڑے طاقتور بادشاہ کے سامنے کھڑے تھے۔ کوئی لاؤ لشکر ان کے ساتھ نہ تھا۔ کوئی جان ان کی قوم میں نہ تھی۔ کسی بغاوت کا نام و نشان تک ملک کے کسی گوشے میں نہ تھا۔ ملک سے باہر کسی دوسری حکومت کی طاقت بھی ان کی پشت پر نہ تھی۔ اس حالت میں صرف ایک لاٹھی کا اژدہا بنتے دیکھ کر اور ایک ہاتھ کو چمکتے دیکھ کر یکایک اس کا چیخ اٹھنا کہ یہ دو بے سروسامان آدمی میری سلطنت کا تختہ الٹ دیں گے اور پورے حکمران طبقے کو اقتدار سے بے دخل کر دیں گے، آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا یہ کہنا کہ یہ شخص جادو کے زور سے ایسا کر ڈالے گا مزید بدحواسی کی دلیل ہے۔ جادو کے زور سے دنیا میں کبھی کوئی سیاسی انقلاب نہیں ہوا، کوئی ملک فتح نہیں ہوا، کوئی جنگ جیتی نہیں گئی، جادوگر تو اس کے اپنے ملک میں موجود تھے اور بڑے بڑے کرشمے دکھا سکتے تھے مگر وہ خود جانتا تھا کہ تماشا کر کے انعام لینے سے بڑھ کر ان کی کوئی اوقات نہیں ہے۔ سلطنت تو کجا وہ بے چارے تو سلطنت کے کسی پولیس کانسٹیبل کو بھی چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔ (۱۹۴)

سورہ اعراف کی آیت ۱۱۰ کی تشریح میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس نقطہ نظر کی توضیح کے لیے کافی ہے۔ سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

" یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک غلام قوم کا ایک بے سروسامان آدمی یکایک اٹھ کر فرعون جیسے

Marfat.com

بادشاہ کے دربار میں جا کھڑا ہوتا ہے جو شام سے لیبیا تک اور بحر روم کے سواحل سے حبش تک کے عظیم الشان ملک کا نہ صرف مطلق العنان بادشاہ بلکہ معبود بنا ہوا تھا تو محض اس کے اس فعل سے کہ اس نے ایک لاٹھی کو اژدھا بنا دیا اتنی بڑی سلطنت کو یہ خطرہ کیسے لاحق ہو جاتا ہے کہ یہ ایک اکیلا انسان سلطنت مصر کا تختہ الٹ دے گا اور شاہی خاندان کو حکمران طبقے سمیت ملک کے اقتدار سے بے دخل کر دے گا؟ پھر یہ سیاسی انقلاب کا خطرہ آخر پیدا بھی کیوں ہوا جبکہ اس شخص نے صرف نبوت کا دعویٰ اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ ہی پیش کیا تھا اور کسی قسم کی سیاسی گفتگو سرے سے چھیڑی ہی نہ تھی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا دعوائے نبوت اپنے اندر خود ہی یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ دراصل پورے نظام زندگی کو بحیثیت مجموعی تبدیل کرنا چاہتے ہیں جس میں لامحالہ ملک کا سیاسی نظام بھی شامل ہے۔ کسی شخص کا اپنے آپ کو رب العالمین کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرنا لازمی طور پر اس بات کو متضمن ہے کہ وہ انسانوں سے اپنی کلی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ رب العالمین کا نمائندہ کبھی مطیع اور رعیت بن کر رہنے کے لیے نہیں آتا بلکہ مطاع اور راعی بننے کے لیے آیا کرتا ہے اور کسی کافر کے حق حکمرانی کو تسلیم کر لینا اس کی حیثیت رسالت کے قطعاً منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے رسالت کا دعویٰ سنتے ہی فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے سامنے سیاسی و معاشی اور تمدنی انقلاب کا خطرہ نمودار ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰؑ کے اس دعوے کو مصر کے دربار شاہی میں اتنی اہمیت ہی کیوں دی گئی جبکہ ان کے ساتھ ایک بھائی کے سوا کوئی معاون و مددگار اور صرف ایک سانپ بن جانے والی لاٹھی اور ایک چمکنے والے ہاتھ کے سوا کوئی نشان ماموریت نہ تھا؟ تو میرے نزدیک اس کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے فرعون اور اس کے درباری خوب واقف تھے۔ ان کی پاکیزہ اور مضبوط سیرت، ان کی غیر معمولی قابلیت اور قیادت و فرمانروائی کی پیدائشی صلاحیت کا سب کو علم تھا۔ تلمود اور یوسیفوس کی روایات اگر صحیح ہیں تو حضرت موسیٰؑ نے ان پیدائشی قابلیتوں کے علاوہ فرعون کے ہاں علوم و فنون اور حکمرانی و سپہ سالاری کی وہ پوری تعلیم و تربیت بھی حاصل کی تھی جو شاہی خاندان کے افراد کو دی جاتی تھی۔ اور زمانہ شاہزادگی میں حبش کی مہم پر جا کر وہ اپنے آپ کو بہترین جنرل بھی ثابت کر چکے تھے۔ پھر جو تھوڑی بہت کمزوریاں شاہی محلوں میں پرورش پانے اور فرعونی نظام کے اندر امارت کے مناصب پر سرفراز رہنے کی وجہ سے ان میں پائی جاتی تھیں، وہ بھی آٹھ دس سال مدین کے علاقہ میں صحرائی زندگی گزارنے اور وہاں بکریاں چرانے کی بدولت دور ہو چکی تھیں اور اب فرعونی دربار کے سامنے ایک ایسا سن رسیدہ و سنجیدہ فقیر کشور گیر نبوت کا دعویٰ لیے ہوئے کھڑا تھا جس کی بات کو بہر حال بادِ ہوائی سمجھ کر اڑایا نہ جا سکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عصا اور ید بیضا کی نشانیاں دیکھ کر فرعون اور اس کے درباری سخت مرعوب ہو چکے تھے اور ان کو تقریباً یہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص فی الواقع کوئی فوق الفطری طاقت اپنی پشت پر رکھتا ہے۔ ان کا حضرت موسیٰؑ کو ایک طرف جادوگر بھی کہنا اور پھر دوسری طرف یہ اندیشہ بھی ظاہر کرنا کہ یہ

Marfat.com

ہم کو اس سرزمین کی فرمانروائی سے بے دخل کرنا چاہتا ہے ایک صریح تضاد بیان تھا اور اس کی بوکھلاہٹ کا ثبوت تھا جو ان پر نبوت کے اس اولین مظاہرے سے طاری ہوگئی تھی۔ اگر حقیقت میں وہ حضرت موسیٰؑ کو جادوگر سمجھتے تو ہرگز ان سے کسی سیاسی انقلاب کا اندیشہ نہ کرتے کیونکہ جادو کے بل بوتے پر کبھی دنیا میں سیاسی انقلاب رونما نہیں ہوا ہے۔ (۱۹۵)

نقطہ نظر کا اختلاف غالباً دعوت انبیاء کے تصور کے متعلق ہے۔ سید مودودیؒ کے ہاں انبیاء کی دعوت اصلاح کا تعلق نظام کی تبدیلی سے ہے لہذا یہ ایک کلی اور محیط فکری و عملی پروگرام ہے جس میں اقتدار کی تبدیلی شامل ہے یا کم از کم اقتدار کی اصلاح شامل ہے جبکہ مولانا اصلاحی کے ہاں دعوت اصلاح میں انذار کا پہلو غالب ہے اور داعی سیاسی اقتدار کا حریف نہیں ہوتا۔ مولانا اصلاحی کے ہاں اس تصور کی شدت شاید جماعت اسلامی سے نکلنے اور سیاسی سرگرمیوں کے تلخ تجربے کے بعد پیدا ہوئی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو سرداران قوم کے ہاتھوں جو مصائب برداشت کرنے پڑے ہیں اور جس طرح انہوں نے ان پاکباز ہستیوں کو اپنا حریف سمجھ کر اذیتوں سے دوچار کیا ہے اور جس طرح ان انبیاء نے الوہیت اور ربوبیت الٰہی پر اصرار کیا ہے اس سے تو دعوت انبیاء کا ہمہ پہلو ہونا بہت واضح نظر آتا ہے۔

استکبار و تکذیب

فرعون کے ردعمل میں استکبار و تکذیب بھی نمایاں ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے واضح طور پر ربوبیت الٰہی کا انکار کیا اور رسالت کی تکذیب کی۔ ارشاد باری ہے:

فَكَذَّبَ وَعَصٰیo ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰیo فَحَشَرَ فَنَادٰی o فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰیo (۱۹۶)

اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر پلٹا اور بھاگ دوڑ کر کے سب کو جمع کیا اور پکارا تم سب کا رب میں ہی ہوں۔

سورہ قصص میں ہے:

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ (۱۹۷)

اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا ہی نہیں ہے۔

فرعون نے اگر ایک طرف استکبار و تکذیب کا رویہ اختیار کیا تو دوسری طرف حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو اپنی قوم اور ملک کے لیے خطرناک قرار دیا اور ان سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ طے کیا کہ انہیں لوگوں کے سامنے بے وقار کر دیا جائے اس کے لیے اس نے اور اس کے اعیان سلطنت نے جو چال تجویز کی وہ جادوگروں کے ساتھ مقابلہ تھا۔ انہیں یہ خیال تھا کہ اس طرح لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ موسیٰ ایک جادوگر ہیں اور وہ جادو کے زور سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق اعیانِ سلطنت نے مشورہ دیا کہ تمام ملک کے ماہر جادوگروں کو

Marfat.com

بلایا جائے اور ان کے ذریعہ سے لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپوں میں تبدیل کر کے لوگوں کو دکھایا جائے تاکہ عامۃ الناس کے دلوں میں اس پیغمبرانہ معجزے سے جو ہیبت بیٹھ گئی ہے اگر وہ بالکل دور نہ ہو تو کم از کم شک ہی میں تبدیل ہو جائے۔ چنانچہ فرعون کے حکم سے پورے ملک سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا گیا اور موسیٰؑ سے ان کے مقابلے کا انتظام کیا گیا جو بالآخر حضرت موسیٰؑ کی فتح پر منتج ہوا۔ اس مقابلے میں نہ صرف یہ کہ جادو کی اصلیت ظاہر ہوئی بلکہ جادوگروں کے ایمان لانے سے فرعون کی مزید تذلیل ہوئی۔ اس شکست پر فرعون نے ڈھٹائی سے اپنا پرانا الزام دہرایا کہ موسیٰ اپنے جادو سے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور یہ جادوگر اس کے شاگرد ہیں اور انہوں نے مل کر سازش کی ہے۔ ان پر بغاوت کا الزام لگا کر انہیں سزا دینے کا اعلان کیا۔

قرآن مجید نے اس سارے واقعہ کو مختلف اسالیب سے بیان کیا ہے:

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ یَاْتُوْکَ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ۝ (۱۹۸)

پھر ان سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے اور اس کے بھائی کو انتظار میں رکھیے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ (۱۹۹)

فرعون نے کہا کہ ہر ماہر فن جادوگر کو میرے پاس لاؤ۔

سورہ طٰہٰ میں ذرا تفصیل سے بیان کیا:

فَلَنَاْتِیَنَّکَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَکَانًا سُوًی ۝ قَالَ مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی ۝ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ کَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰی (۲۰۰)

ہم بھی تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک مقام متعین ٹھہراؤ، کوئی بیچ کی جگہ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں نہ تم۔ اس نے کہا، تمہارے لیے وعدے کا دن میلہ والا دن ہے اور یہ کہ لوگ بوقت چاشت جمع کیے جائیں۔ پس فرعون وہاں سے ہٹا اور اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کر کے پھر مقابلہ میں آیا۔

سورہ شعراء میں فرمایا:

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ یَاْتُوْکَ بِکُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ۝ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ کَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ (۲۰۱)

انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی ٹالیے اور شہروں میں ہرکارے بھیجیے جو آپ کے پاس

Marfat.com

تمام ماہر جادوگر لائیں۔تو ساحر ایک معین دن کے مقررہ وقت پر جمع کیے گئے اور لوگوں میں منادی کردی گئی کہ لوگو، جمع ہوتا کہ ہم ساحروں کا ساتھ دیں اگر وہ غالب رہنے والے ثابت ہوں۔

حضرت موسیٰؑ اور جادوگروں کا مقابلہ

آخر کار میلے کا دن آ پہنچا فرعون اور اعیان سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے اور عوام کی بڑی تعداد تماشائیوں کی صورت میں موجود تھی ایک طرف فرعون اپنی برتری کے احساس اور اپنے غرور و تمکنت کے اظہار کے ساتھ موجود تھا اور دوسری طرف حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ تائید ایزدی کے ساتھ غلبہ حق کی آرزو لیے حاضر تھے۔ایسے میں جادوگر آتے ہیں اور فرعون سے انعام واکرام حاصل کرنے کی درخواست کرتے ہیں جو منظور کی جاتی ہے بلکہ ان سے مقربین شاہی بنانے کا وعدہ بھی کیا جاتا ہے۔قرآن مجید نے اس پہلو کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۲۰۲)

چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آ گئے۔انہوں نے کہا" اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ تو ضرور ملے گا؟فرعون نے جواب دیا ہاں تم مقرب بارگاہ ہو گے۔

سورہ شعراء میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۲۰۳)

جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا" ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے"۔ اس نے کہا "ہاں اور تم اسی وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔"

قرآن مجید نے اس بیان سے جادوگر اور نبی کا فرق واضح کردیا۔قرآن کے مطابق یہ تھے وہ حامیان دین مشرکین جو موسیٰ کے حملے سے اپنے دین کو بچانے کے لیے اس فیصلہ کن مقابلے کے وقت ان پاکیزہ جذبات کے ساتھ آئے تھے کہ ہم نے پالا مارلیا تو سرکار سے کچھ انعام مل جائے گا اور یہ تھا وہ بڑے سے بڑا اجر جوان خادمان دین وملت کو بادشاہ کے ہاں سے مل سکتا تھا۔یعنی روپیہ پیسہ ہی نہیں ملے گا دربار میں کرسی بھی نصیب ہو جائے گی۔اس طرح فرعون اور اس کے ساحروں نے پہلے ہی مرحلے پر نبی اور جادوگر کا عظیم اخلاقی فرق کھول کر رکھ دیا۔ایک طرف وہ حوصلہ تھا کہ بنی اسرائیل جیسی پسی ہوئی قوم کا ایک فرد دس سال قتل کے الزام میں روپوش رہنے کے بعد فرعون کے دربار میں دلیرانہ آ کھڑا ہوتا ہے اور دھڑلے کے ساتھ کہتا ہے کہ میں اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں، بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر۔فرعون سے دو بدو بحث کرنے میں وہ ادنی سی جھجک بھی محسوس نہیں کرتا۔اس کی دھمکیوں کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔دوسری طرف یہ کم حوصلگی ہے کہ اسی فرعون کے ہاں باپ دادا کے دین کو بچانے کی

Marfat.com

خدمت پر بلائے جارہے ہیں، پھر بھی ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ سرکار، کچھ انعام تو مل جائے گا نا؟ اور جواب میں یہ سن کر پھولے نہیں سماتے کہ پیسہ بھی ملے گا اور قربِ شاہی سے بھی سرفراز کیے جائیں گے۔ یہ دو مقابل کے کردار آپ سے آپ ظاہر کر رہے تھے کہ نبی کس شان کا انسان ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جادوگروں کی کیا ہستی ہوتی ہے۔ جب تک کوئی شخص بے حیائی کی ساری حدوں کو نہ پھاند جائے وہ نبی کو جادوگر کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ (۲۰۴)

اتمام حجت اور دعوت عام

جادوگروں نے جب فرعون کی طرف سے اطمینان کر لیا تو وہ حضرت موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئے ابھی وہ کچھ کہہ نہیں پائے تھے کہ موسیٰ نے ایک منذر کی حیثیت سے تنبیہ کی اور بتایا کہ حق کے مقابلے میں جھوٹ پر اصرار اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ تم سوچو کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت موسیٰ کی اس تنبیہ کا بظاہر ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس دوران لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ قرآن نے اسے اپنے حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے:

قَالَ لَهُمْ مُوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ. وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى o فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى o قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى o فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا. وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (۲۰۵)

موسیٰ نے (عین موقع پر گروہ مقابل کو مخاطب کر کے) کہا" شامت کے مارو، نہ جھوٹی تہمتیں باندھو اللہ پر، ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہارا ستیاناس کر دے گا۔ جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا۔ یہ سن کر ان کے درمیان اختلاف رائے ہو گیا اور وہ چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے۔ آخر کار کچھ لوگوں نے کہا کہ " یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ اپنی ساری تدبیریں آج اکٹھی کر لو اور ایکا کر کے میدان میں آؤ۔ بس یہی سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہی جیت گیا۔

قرآن کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے انداز کا اثر ہوا اور لوگوں میں کمزوری ظاہر ہونے لگی تو فرعونی پارٹی کے لوگوں نے تسلی دیتے ہوئے موسیٰ کی جادوگری کا ذکر دہرایا اور لوگوں کو غیرت دلائی کہ یہ شخص جادوگری کے زور سے تمہیں ملک سے نکالنا چاہتا ہے اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا ایسے حال میں اپنی تمام تدبیریں مجتمع کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ موسیٰ کی تنبیہ داعی کا اتمام حجت تھا جس کے مخاطب جادوگر بھی تھے اور عام مجمع بھی۔ بالآخر جادوگروں نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ابتداء تمہاری جانب سے ہو گی یا ہماری طرف سے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ابتدا تم ہی کرو چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں، بان اور لاٹھیاں زمین پر

Marfat.com

ڈالیں جو سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ دیکھا تو دل میں خوف و ہراس محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہو جائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یہ تاثر اور رعب قبول حق کے لیے سدراہ بن جائے گا۔ تب خدائے تعالیٰ نے ان کو مطمئن فرمایا اور وحی کے ذریعہ سے مطلع کیا کہ موسیٰؑ خوف نہ کھاؤ۔ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے، اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالو۔ حضرت موسیٰؑ نے جب لاٹھی کو ڈالا تو اژدھا بن کر اس نے ساحروں کے تمام شعبدوں کو نگل لیا اور تھوڑی سی دیر میں سارا میدان صاف ہو گیا اور اس طرح ساحر اپنے سحر میں ناکامیاب رہے۔ (۲۰۶)

قرآن مجید نے اس منظر کو مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے:

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ○ قَالَ اَلْقُوْا. فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ○ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ. فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ ○ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ فَغُلِبُوْا هُنَالِکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ (۲۰۷)

پھر انہوں نے موسیٰؑ سے کہا: "تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟" موسیٰؑ نے جواب دیا: "تم ہی پھینکو" انہوں نے جو اپنے انچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوفزدہ کر دیا اور وہ بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے تھے۔ ہم نے موسیٰؑ کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا۔ اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور، جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کے بجائے) ذلیل ہو گئے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ○ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○ (۲۰۸)

جادوگر بولے، موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں؟ موسیٰ نے کہا: "تم ہی پھینکو یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا، مت ڈر تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے، ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے۔ یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادوگری کا فریب ہے، اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، خواہ کسی شان سے وہ آئے۔

Marfat.com

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ (۲۰۹)

موسیٰ نے کہا، پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے پھر موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو یکا یک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جا رہا تھا۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (۲۱۰)

جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا "جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے پھینکو" پھر جب انہوں نے اپنے آنچھر پھینک دیئے تو موسیٰؑ نے کہا "یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے اللہ ابھی اسے باطل کئے دیتا ہے، مفسدوں کے کام کو اللہ سدھرنے نہیں دیتا، اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

غلبہ حق

جادوگروں نے جو کہ اپنے فن کے ماہر و کامل تھے "جب عصا موسیٰؑ" کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور جس کو اس وقت تک فرعون اور اس کے درباری پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے وہ اس کو نہ چھپا سکے اور انہوں نے برسر مجلس یہ اقرار کر لیا کہ موسیٰؑ کا یہ عمل جادو سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے، اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر فوراً سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ و ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے کیونکہ وہی رب العالمین ہے۔"(۲۱۱)

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (۲۱۲)

اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ کہنے لگے "ہم نے مان لیا رب العالمین کو، اس کو جسے موسیٰؑ اور ہارونؑ مانتے ہیں۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ (۲۱۳)

آخر کو یہی ہوا کہ سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے اور پکار اٹھے "مان لیا ہم نے ہارون اور موسیٰؑ کے رب کو"۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (۲۱۴)

اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ "مان گئے ہم رب العالمین کو،

Marfat.com

موسیٰ اور ہارون کے رب کو"۔

فرعون کی چال

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا تمام دامِ فریب تار تار ہو گیا اور موسیٰؑ کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہو گئی، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو اس نے مکر و فریب کا دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ تم سب کا استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا، اچھا میں تم کو عبرتناک سزا دوں گا تا کہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرات نہ ہو پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ (۲۱۵)

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۔ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا. فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ٥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۲۱۶)

فرعون نے کہا" تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دارالسلطنت میں کی تا کہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کر دو۔ اچھا تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

سورہ طٰہٰ میں ہے:

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى (۲۱۷)

فرعون نے کہا تم ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دیتا؟ معلوم ہو گیا کہ یہ تمہارا گرو ہے جس نے تمہیں جادوگری سکھائی تھی۔ اچھا اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تم کو سولی دیتا ہوں پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

سورہ شعراء میں ہے:

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۲۱۸)

فرعون نے کہا" تم موسیٰ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا! ضرور یہ تمہارا بڑا ہے

Marfat.com

جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔

فرعون کے اس بیان میں جہاں جادوگروں کو سزا و عذاب کی دھمکی تھی وہیں اپنے اعیان و عوام کو مطمئن کرنے کی ایک چال بھی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ہزیمت نہایت رسوا کن تھی اور فرعون نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ قائم رکھنے کے لیے یہ بات بنائی کہ موسیٰؑ اور جادوگر ایک ہی ہیں اور حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون، جادوگر اور تماشائی عوام و خواص معجزے اور جادو کے فرق سے واقف تھے اور امتحان اس بات کا ہو رہا تھا کہ موسیٰ جو کچھ دکھا رہے ہیں یہ جادو کی قسم ہے یا اس معجزے کی قسم جو رب العالمین کی قدرت کے کرشمے کے سوا اور کسی طاقت سے نہیں دکھایا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو کو مغلوب ہوتے دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ "ہم نے مان لیا، موسیٰؑ ہم سے زیادہ باکمال ہے" بلکہ انہیں فوراً یقین ہوگیا کہ موسیٰ واقعی اللہ رب العالمین کے سچے پیغمبر ہیں اور وہ پکار اٹھے کہ ہم اس خدا کو مان گئے جس کے پیغمبر کی حیثیت سے موسیٰ و ہارون آئے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مجمع عام پر اس شکست کے کیا اثرات پڑے ہوں گے، اور پھر پورے ملک پر اس کا کیسا زبردست اثر ہوا ہوگا۔ (۲۱۹) اس اثر اور خفت کو مٹانے کے لیے فرعون نے یہ بیان دیا۔ جہاں تک جادوگروں کو دھمکی دینے کا تعلق ہے تو اس کا ایک پہلو تو ہزیمت کے اثرات کو ختم کرتا تھا لیکن دوسرا پہلو انہیں عذاب کی دھمکی دے کر ایمان سے باز رکھنا بھی تھا۔ ممکن ہے کہ عوام پر اس دھمکی کا اثر ہوا ہو مگر جادوگروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا انہوں نے فرعون کی دھمکی سن کر کچھ لگی لپٹی رکھے بغیر صاف سنا دیا کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو اور اب ہم ان روشن نشانیوں پر جو ہمارے مشاہدے میں آچکی ہیں اور اپنے خالق پر جس نے ہمیں وجود بخشا ہے تمہیں ترجیح دینے والے نہیں۔ تم اگر کچھ کر سکتے ہو تو اسی دنیا کی زندگی کا کر سکتے ہو اور ہمیں اس دنیا کی زندگی کی کوئی پروا نہیں ہے۔ دیکھا آپ نے ایمان کا کرشمہ! یہ وہی جادوگر ہیں جن کا حال قرآن میں دوسری جگہ یہ بیان ہوا ہے کہ جب وہ مقابلے کے لیے بلائے گئے تو انہوں نے بڑی لجاجت کے ساتھ فرعون سے اپنی کامیابی کی صورت میں انعام کی درخواست کی، یا اب ایمان کے نور نے ان کے دلوں کو اس طرح منور کر دیا کہ خدا اور آخرت کے سوا اس دنیا کی کسی چیز کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت باقی نہیں رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کی راہ میں اپنی زندگی بھی قربان کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں (۲۲۰) انہوں نے فرعون کی موجودگی ہی میں بے دھڑک اسلام کا اعلان کر دیا اور جب انہوں نے فرعون کی ان جابرانہ دھمکیوں کو سنا تو کہنے لگے:

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاo اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَلَنَا خَطٰیٰنَا وَمَآ اَکْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ. وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (۲۲۱)

Marfat.com

جادوگروں نے جواب دیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی (صداقت پر) تجھے ترجیح دیں تو جو کچھ کرنا چاہے کر لے۔ تو زیادہ سے زیادہ اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کردے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، درگزر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے۔

قَالُوْا لَاضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ اَنْ کُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۲۲)

انہوں نے جواب دیا" کچھ پروا نہیں، ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کردے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔

سورہ اعراف میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (۲۲۳)

وہ بولے ہم اپنے رب ہی کی طرف تو لوٹیں گے! تم ہمارے درپے آزار صرف اس غصے میں ہو رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں، ایمان لائے۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات اسلام پر دے۔

ایمان باللہ کا کرشمہ

مولانا اصلاحی نے اس آیت کے تحت" ایمان باللہ کا کرشمہ" کے عنوان سے شاندار نوٹ لکھا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کیا جائے۔ اس سے واضح ہوگا کہ ایمان باللہ نے جادوگروں کی شخصیت میں کیسا انقلاب بپا کردیا کہ وہ ہر مصیبت کے لیے تیار ہو گئے۔ مولانا لکھتے ہیں:

" ایمان باللہ کا کرشمہ دیکھیے۔ یہ وہی جادوگر ہیں جن کی دناءت اور پست ہمتی کا ابھی چند منٹ پہلے یہ حال تھا کہ اپنے کرتب دکھانے کے لیے فرعون کے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو بھانڈوں، نقالوں اور مسخروں کی طرح اپنے فن کے مظاہرے پر بھرپور انعام کی التجا کرتے ہیں یا ایمان کی روشنی دل میں داخل ہوتے ہی ان کے باطن کا ہر گوشہ اس طرح جگمگا اٹھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی کی کوئی پرچھائیں ان کے دلوں پر پڑی ہی نہیں تھی اور یہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں بلکہ یہ عزیمت واستقامت کے پہاڑ اور پاکیزگی وقدوسیت کے ملائک صفت پیکر ہیں۔ غور کیجیے فرعون نے کتنی بڑی دھمکی ان کو دی، لیکن انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا تو یہ فرمایا کہ کچھ غم نہیں، اگر تم نے

Marfat.com

ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دے دی تو ہم کہیں اور نہیں جائیں گے، اپنے رب ہی کے پاس جائیں گے اور جب تیرا سارا غضب ہمارے اوپر اس جرم میں ہے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر، جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں، ایمان لائے تو جو کچھ تو کر سکتا ہے وہ کر گزر، اگر اس جرم کی یہ سزا ہے تو ہم اس سزا کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس انقلاب حال کے سبب پر غور کیجیے تو یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ اگر انسان ایمان سے خالی ہے تو اس سے زیادہ حقیر کوئی شے نہیں اور اگر وہ ایمان سے بہرہ مند ہے تو اسے سے زیادہ بلند اور کوئی شے نہیں۔" (۲۲۴)

مقابلہ کے اثرات ونتائج

فرعون کی توقع کے خلاف حضرت موسیٰؑ کی صداقت مبرہن ہوگئی۔ جادوگروں نے ایمان قبول کرلیا اور عوام پر ایک رعب طاری اور ہیبت طاری ہوگئی لیکن فرعون کی دھمکی اور اس کے ظالمانہ کردار کی دہشت کے باعث دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے کوئی زیادہ سرگرمی پیدا نہ ہوسکی۔ فرعون نے اپنی قوم کو یہ باور کرایا تھا کہ یہ شخص دشمن ہے اور ہمارے اقتدار اور اختیار کے لیے خطرہ ہے لہٰذا ان میں سے کسی شخص کا فوری طور پر ایمان لے آنا مشکل تھا، تاہم موسیٰؑ کی اپنی قوم، بنی اسرائیل کو تو قبول حق میں کوئی پس وپیش نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن حالات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سیاسی غلامی اور معاشرتی ذلت وابتلاء کے باعث کسی عملی اقدام کی قوت سے محروم تھے اور انہیں ہر وقت ظلم کی نئی صورت کا ڈر لگا رہتا تھا۔ اسی لیے قرآن نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰؑ کی قیادت کو بنی اسرائیل کے صرف چند نوجوانوں نے قبول کیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ. وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ (۲۲۶)

تو موسیٰ کی بات نہ مانی مگر اس قوم کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے بڑوں سے کہا کہ مبادا وہ ان کو کسی فتنہ میں نہ ڈال دے۔ بے شک فرعون ملک میں نہایت سرکش اور حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔

آیت میں "ذریۃ" کا ترجمہ نوجوان کیا گیا ہے۔ سید مودودیؒ اور مولانا اصلاحیؒ دونوں نے نوجوان کا لفظ استعمال کیا۔ سید مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

متن میں لفظ ذریۃ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں۔ ہم نے اس کا ترجمہ "نوجوان" کیا ہے۔ مگر دراصل اس خاص لفظ کے استعمال سے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پُرخطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علمبردار حق کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کی جرأت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی ان پر

Marfat.com

مصلحت اندیشی اور دینوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پُر نظر آتا تھا بلکہ وہ الٹے نوجوانوں کو ہی روکتے رہے کہ موسیٰ کے قریب نہ جاؤ ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہو گے اور ہم پر بھی آفت لاؤ گے۔ (۲۲۷)

مولانا اصلاحیؒ کے بقول ذریۃ کا لفظ صرف قلت تعداد کو ظاہر نہیں کرتا جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر ابتدائی ایمان لانے والے ان کی قوم کے اندر سے صرف تھوڑے سے نوجوان تھے۔ حضرات انبیاء کے معاملے میں سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ شروع شروع میں ان کا ساتھ بالعموم نوجوانوں نے ہی دیا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ بھی اس حقیقت کی شہادت دیتی ہے۔ (۲۲۸) اور دوسرے انبیاء کی تاریخ بھی اگر تفصیل سے معلوم ہو سکے تو اس سے بھی یہی بات ثابت ہو گی کہ اس کی واضح نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء جس ہمہ گیر دعوت کو لے کر اٹھتے ہیں اس کو ابتدائی مراحل میں آگے بڑھ کر قبول کرنا بڑی بلند حوصلگی بلکہ بڑے جان جوکھم کا کام ہوتا ہے اس کی ہمت وہ لوگ آسانی سے نہیں کر سکتے جو روایات و رسوم سے مرعوب اور حالات و مصالح کی رعایت کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگوں کا حجاب آہستہ آہستہ ہی ٹوٹتا ہے۔ نوجوانوں میں اس قسم کی مرعوبیت و مغلوبیت کم ہوتی ہے اس وجہ سے ان کو جب دعوت حق اپیل کر لیتی ہے تو وہ اس کے لیے دینوی عواقب سے بے پروا ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں نہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی سرزنش کی کچھ زیادہ پروا کرتے ہیں نہ وقت کے ارباب اقتدار کی برہمی کو خاطر میں لاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں حالات کا یہ خاص پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ ملک میں جو ارسٹوکریسی برسر اقتدار تھی وہ نسلاً بھی حضرت موسیٰؑ کی قوم سے بالکل الگ تھی اور اس دور میں جو شخص تخت حکومت پر تھا، وہ بھی، جیسا کہ آیت کے الفاظ سے واضح ہے، طبعاً نہایت جبار اور سرکش تھا۔ ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ وہی لوگ ان کا ساتھ دینے کے لیے آگے بڑھ سکتے تھے جو اپنی حمیت حق کے جوش و جذبہ کو دبا سکنے پر قادر نہ ہوں۔ (۲۲۹)

فما آمن لموسیٰ کے الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ شاید بنی اسرائیل سب کے سب کافر تھے اور ابتداً ان میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے۔ لیکن ایمان کے ساتھ جب لام کا صلہ آتا ہے تو وہ بالعموم طاعت وانقیاد کے معنی دیتا ہے، یعنی کسی کی بات ماننا اور اس کے کہنے پر چلنا۔ پس دراصل ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ چند نوجوانوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کی پوری قوم میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو اپنا رہبر و پیشوا مان کر ان کی پیروی اختیار کر لیتا اور اس دعوت اسلامی کے کام میں ان کا ساتھ دیتا۔ پھر بعد کے فقرے نے اس بات کو واضح کر دیا کہ ان کے اس طرز عمل کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حضرت موسیٰؑ کے صادق اور ان کی دعوت کے حق ہونے میں کوئی شک تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً ان کے اکابر و اشراف حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دے

Marfat.com

کر اپنے آپ کو فرعون کی سخت گیری کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر چہ یہ لوگ نسل اور مذہب دونوں حیثیتوں سے ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اور یوسف علیہ السلام کے امتی تھے اور اس بناء پر ظاہر ہے کہ سب مسلمان تھے لیکن ایک مدت دراز کے اخلاقی انحطاط اور پست ہمتی نے جو زیردستی سے پیدا ہوئی تھی، ان میں اتنا بل بوتا باقی نہ چھوڑا تھا کہ کفر وضلالت کی فرمانروائی کے مقابلے میں ایمان وہدایت کا علم لے کر خود اٹھتے یا جو اٹھا تھا اس کا ساتھ دیتے۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:

"جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آ رہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لیے راستہ پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہم کو فرعون اور اس کی خادموں کی نگاہوں میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے (خروج ۶/۲۰۔۲۱) تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰؑ اور ہارون علیہم السلام سے کہتے تھے:

"ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آ کر اس کو بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔ بس اسی طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔"

انہی باتوں کی طرف سورہ اعراف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا کہ:

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا (آیت۔۱۲۹) (۲۳۰)

مولانا اصلاحی نے آمن لہ اور امن بہ کا فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ " آمن لہ" تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے دعوے یا اس کی خبر کو سچ مان لیں۔ اس کے لیے حوالگی، تفویض، تسلیم اور انقیاد و اطاعت شرط نہیں ہے لیکن آمن بہ کا تقاضا پورا کرنے کے لیے یہ ساری چیزیں شرط ہیں۔ نبی اور رسول کے معاملے میں صرف آمن لہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے آمن بہ کے تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ اس مرحلے تک کچھ اسرائیلی نوجوانوں نے حضرت موسیٰ کے دعوے کی صداقت تو تسلیم کر لی تھی لیکن ابھی آمن بہ کے مقام تک وہ نہیں پہنچے تھے۔ اس وجہ سے ان کے اعتراف وقبولیت کو قرآن نے آمن لہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ حقیقت چونکہ حضرت موسیٰؑ پر واضح تھی اس وجہ سے انہوں نے ان نوجوانوں کو ایمان کی اصل حقیقت سمجھائی جس کا ذکر آگے والی آیت میں آ رہا ہے۔ (۲۳۱)

نوجوانوں کا توکل

موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی کمزوری اور قبول حق میں ہچکچاہٹ کو دیکھتے ہوئے ایمان، ایمان باللہ کی حقیقت سمجھائی کہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی راہ میں کسی کا ڈر اور کسی کا لحاظ حائل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ پر

Marfat.com

بھروسا کرنا چاہیے اورتوکل کا تقاضا اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردینا ہے۔یہی حوالگی اسلام ہے۔حضرت موسیٰؑ کے خطاب پرنوجوانوں کے توکل علی اللہ کا اعلان ،قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وَقَالَ مُوسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ○ فَقَالُوْا عَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (۲۳۲)

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! اگرتم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو، انہوں نے جواب دیا:" ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ،اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کی بدولت کافروں کی قوم سے نجات دلا۔

معنی خیز دعا

قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کی یہ معنی خیز دعا ان کے اس عزم کے ساتھ نقل کی ہے جو توکل علی اللہ کے سلسلے میں انہوں نے ظاہر کیا۔ان صادق الایمان نوجوانوں کی یہ دعا کہ "ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا" بڑے وسیع مفہوم پر حاوی ہے۔گمراہی کے عام غلبہ وتسلط کی حالت میں جب کچھ لوگ قیام حق کے لیے اٹھتے ہیں تو انہیں مختلف قسم کے ظالموں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ایک طرف باطل کے اصلی علمبردار ہوتے ہیں جو پوری طاقت سے ان داعیان حق کو کچل دینا چاہتے ہیں۔دوسری طرف نام نہاد حق پرستوں کا ایک اچھا خاصا گروہ ہوتا ہے جو حق کو ماننے کا دعوی تو کرتا ہے مگر باطل کی قاہرانہ فرمانروائی کے مقابلہ میں اقامت حق کی سعی کو غیر واجب، لا حاصل، یا حماقت سمجھتا ہے اوراس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی اس خیانت کو جو وہ حق کے ساتھ کررہا ہے کسی نہ کسی طرح درست ثابت کردے اوران لوگوں کو الٹا برسر باطل ثابت کرکے اپنے ضمیر کی اس خلش کو مٹائے جو ان کی دعوت اقامت دین حق سے اس کے دل کی گہرائیوں میں جلی یا خفی طور پر پیدا ہوتی ہے تیسری طرف عامتہ الناس ہوتے ہیں جو الگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں اوران کا ووٹ آخر کار اسی طاقت کے حق میں پڑتا ہے جس کا پلہ بھاری رہے،خواہ وہ طاقت حق ہو یا باطل۔اس صورت حال میں ان داعیان حق کی ہرناکامی، ہرمصیبت، ہر غلطی ہر کمزوری اور ہرخامی ان مختلف گروہوں کے لیے مختلف طور پر فتنہ بن جاتی ہے۔وہ کچل ڈالے جائیں یا شکست کھا جائیں تو پہلا گروہ کہتا ہے کہ حق ہمارے ساتھ تھا نہ کہ ان بے وقوفوں کے ساتھ جو ناکام ہوگئے۔دوسرا گروہ کہتا ہے کہ دیکھ لیا! ہم نہ کہتے تھے کہ ایسی بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکرانے کا حاصل چند قیمتی جانوں کی ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا اور آخر کار اس تہلکہ میں اپنے آپ کو ڈالنے کا ہمیں شریعت نے مکلف ہی کب کیا تھا، دین کے کم ازکم ضروری مطالبات تو ان عقائد واعمال سے پورے ہو ہی رہے تھے جن کی اجازت فراعنہ وقت نے دے رکھی تھی۔تیسرا گروہ فیصلہ کردیتا ہے کہ حق وہی ہے جو غالب رہا۔اس طرح اگر وہ اپنی دعوت کے کام میں کوئی غلطی کرجائیں، یا مصائب ومشکلات کی سہار نہ ہونے کی وجہ سے کمزوری دکھا جائیں یا ان سے بلکہ ان کے کسی ایک فرد سے کبھی کسی اخلاقی عیب کا صدور

Marfat.com

ہو جائے تو بہت سے لوگوں کے لیے باطل سے چمٹے رہنے کے ہزار بہانے نکل آتے ہیں اور پھر اس دعوت کی ناکامی کے بعد مدت ہائے دراز تک کسی دوسری دعوت حق کے اٹھنے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ پس یہ بڑی معنی خیز دعا تھی جو موسیٰؑ کے ان ساتھیوں نے مانگی تھی کہ خدایا ہم پر ایسا فضل فرما کہ ہم ظالموں کے لیے فتنہ بن کر نہ رہ جائیں ۔یعنی ہم کو غلطیوں سے، خامیوں سے، کمزوریوں سے بچا اور ہماری سعی کو دُنیا میں بارآور کر دے تا کہ ہمارا وجود تیری خلق کے لیے سبب خیر بنے نہ کہ ظالموں کے لیے وسیلہ شر۔ (۲۳۳)

فرعون کی شکست اور بنی اسرائیل کا ابتلاء

اس کھلے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ کی کامیابی نے فرعون اور اس کے درباریوں کو بالکل بوکھلا دیا۔ وہ لوگ حضرت موسیٰؑ کی روحانی قوت کا مظاہرہ دیکھ کر بے حد مرعوب ہو گئے اگر چہ فرعون جادوگروں پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ سے اس وقت کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ درباریوں نے فرعون سے باصرار یہ کہنا شروع کر دیا کہ اب موسیٰؑ اور ان کی قوم کو مزید ڈھیل دینے کی گنجائش نہیں۔ اگر ان کو موقع دیا گیا تو یہ تجھ کو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکراتے رہیں گے اور فساد پھیلاتے رہیں گے۔ فرعون نے انہیں اطمینان دلایا کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہمارا اقتدار مستحکم ہے ہم ان کے بیٹوں کو قتل کرتے رہیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے۔ قرآن مجید نے اس تدبیر کو مندرجہ الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ. وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ (۲۳۴)

اور قوم فرعون کے اعیان نے فرعون سے کہا کیا تو اسی طرح موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھ کو اور تیری مورتیوں کو ٹھکرائیں؟ اس نے کہا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے اور ان پر پوری طرح حاوی ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍo اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌo فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ. وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (۲۳۵)

اور ہم نے موسیٰؑ کو فرعون، ہامان اور قارون کی طرف اپنی نشانیوں اور نمایاں سند ماموریت کے ساتھ بھیجا مگر انہوں نے کہا: "ساحر ہے، کذاب ہے" پھر جب وہ ہماری طرف سے حق ان کے سامنے لے آیا تو انہوں نے کہا" جو لوگ ایمان لا کر اس کے ساتھ شامل ہوئے ہیں ان سب کے لڑکوں کو قتل کرو اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دو مگر کافروں کی چال اکارت ہو گئی۔

سورہ اعراف میں ہے درباریوں کے مشورہ پر فرعون نے قتل ابنا کی اسکیم کا ذکر کیا تھا لیکن سورہ مومن کی آیات

Marfat.com

سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس تدبیر پر عمل درآمد کر دیا تھا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے حامیوں اور پیروؤں کو اتنا خوفزدہ کر دیا جائے کہ وہ ڈر کے مارے ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔

حضرت موسیٰؑ کا دوسرا کام

قرآن نے مزید تفصیلات نہیں بتائیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ مقابلہ کے بعد اور کھلی شکست کے نتیجے میں حضرت موسیٰؑ کو دو محاذوں پر کام کرنا پڑا۔ ایک تو فرعونی اقتدار کا مقابلہ تھا جس نے پوری قوت کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کی قوم کو تباہ کرنے کی اسکیم تیار کی تھی اور حضرت موسیٰؑ پر دباؤ بڑھا دیا تھا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے مورال کو قائم رکھنے کا مسئلہ تھا۔ موسیٰ جو بنی اسرائیل کے نجات دہندہ کے طور پر آئے تھے وہ فوری طور پر ان کی نجات کا سامان تو نہ کر سکے بلکہ فرعون سے تصادم کی وجہ سے بنی اسرائیل پر مظالم کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فرعون جو حضرت موسیٰؑ کی روحانی قوت سے مرعوب تھا بظاہر ان سے تعرض کرنے سے گریز کرتا تھا لیکن بنی اسرائیل پر اپنی پوری طاقت سے ظلم کر رہا تھا۔ فرعون اور اس کے اعیان ایک طرف تو بنی اسرائیل سے خائف تھے اور حضرت موسیٰؑ کی قیادت کی وجہ سے انہیں شدید خطرہ تھا کہ کہیں ان کا اقتدار ختم نہ ہو جائے لیکن دوسری طرف وہ اس بات پر تیار نہ تھے کہ وہ مصر سے نکل جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مصر کی تمام رفاہیت وخوش حالی انہی غلاموں کی رہین احسان تھی۔ اوپلے تھاپنے، اینٹیں بنانے سے لے کر زراعت اور تعمیرات کے سارے کام انہی کی مشقت سے انجام پاتے تھے۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کا کام صرف عیش کرنا اور اسرائیلیوں پر حکومت کرنا اور ان سے بیگار لینا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں نہ تو فرعونیوں کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اسرائیلیوں کو بڑھنے اور پنپنے کا موقعہ دیں، نہ یہ ممکن تھا کہ ان کو یک قلم مصر سے نکل جانے دیں اور اس دوطرفہ خطرے سے بچنے کے لیے فرعون اور اس کے لال بجھکڑوں نے یہ پالیسی بنائی کہ ان کی نرینہ اولاد کو قتل کر کے ان کی تعداد کو قابو میں رکھا جائے۔ (۲۳۶) حضرت موسیٰؑ کو جہاں فرعونیوں کی اصلاح پر مجبور کرنا تھا وہاں بنی اسرائیل میں نظم وضبط قائم کرنا اور اللہ پاک سے تعلق کو مستحکم کرنا تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں محاذوں پر حضرت موسیٰؑ کے کام کی طرف اشارے کیے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل

بنی اسرائیل صدیوں کی غلامی ومظلومی اور مجبوری کی وجہ سے نہ صرف مفلس وبدحال تھے بلکہ کاہل و پریشان بھی۔ ان کے قوائے عملی کی خرابی سے زیادہ ان کے قوائے دماغی بیکار مضمحل اور ناکارہ ہو گئے تھے۔ ان میں ہمت وشجاعت مفقود تھی وہ نہ صرف پستی پر قناعت کر چکے تھے بلکہ ذلت ونکبت میں رہنے کی وجہ سے ناامیدی کا مجسم نمونہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے انہیں دماغی وعملی پستی سے نکالنے کے لیے انہیں پکارا اور ہمت وشجاعت پر آمادہ کیا لیکن ان کے لیے یہ سب کچھ مشکل بلکہ ناممکن العمل تھا۔ پھر فرعون کے تازہ جبر کی وجہ سے پوری قوم پریشان تھی۔ ان سختیوں سے

Marfat.com

گھبرا کر آپس میں دست بگریباں تھے اور موسیٰؑ کی پوری جدوجہد کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تازہ آزمائش میں تو وہ پیغمبر کو الزام دینے لگے۔ حضرت موسیٰؑ کی تبلیغ حق سے لے کر خروج تک ان کی یہی حالت رہی۔ (۲۳۷)

حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون اور اس کے درباریوں کی گفتگو کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے صبر اور توکل علی اللہ کی تلقین کی۔ بنی اسرائیل نے سن کر جواب دیا کہ موسیٰؑ! ہم پہلے ہی مصیبتوں میں گرفتار تھے اب تیرے آنے پر کچھ امید بندھی تھی مگر تیرے آنے کے بعد بھی وہی مصیبت باقی رہی تو یہ سخت آفت کا سامنا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے تسلی دی کہ خدا کا وعدہ سچا ہے، گھبراؤ نہیں تم ہی کامیاب ہو گے اور تمہارے دشمن کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ زمین کا مالک فرعون یا اس کی قوم نہیں ہے بلکہ رب العالمین ہے اور وہ مختار مطلق خدا ہے۔ پس وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا مالک بنا دے اور انجام کار یہ انعام متقیوں کا ہی حصہ ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ o قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ. (۲۳۸)

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ سے مدد چاہو اور ثابت قدم رہو۔ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے وہ بولے ہم تو تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور تمہارے آنے کے بعد بھی۔ اس نے کہا توقع ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو پامال کرے گا اور تم کو ملک کا وارث بنائے گا کہ دیکھے تم کیا روش اختیار کرتے ہو۔

بنی اسرائیل کی گھبراہٹ کا سبب یہ تھا کہ ایک طرف تو فرعون نے ان کی نسل کشی کی مہم کو مزید قوت وشدت کے ساتھ چلانے کے احکام جاری کر دیئے دوسری طرف اپنے کارندوں، تحصیل داروں اور عمال کو یہ ہدایت کی کہ بنی اسرائیل سے جو بیگار لی جارہی ہے وہ سخت سے سخت تر کر دی جائے۔ اینٹیں بنانے کے لیے جو بھس ان کو دیا جارہا ہے وہ بند کر دیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ بھس بھی وہی بٹوریں اور اینٹیں بھی لازماً ہر شخص سے روزانہ اتنی ہی بنوائی جائیں جتنی اب تک وہ بناتے رہے ہیں۔ اس طرح عذاب کا وہ شکنجہ جو پہلے بھی کچھ کم سخت نہ تھا حضرت موسیٰؑ کے بعد اور بھی سخت ہو گیا۔ بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ حضرت موسیٰؑ کے کھاتے میں ڈال دیا کہ یہ سب تمہاری برکتیں ہیں۔ (۲۳۹) لیکن حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی مایوسی اور بددلی دور کرنے کے لیے پھر ان کو تسلی دی کہ مایوس نہ ہوں اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور زمین میں تمہیں خلافت عطا کرے گا۔ یعنی فلسطین کا علاقہ تمہیں عطا کرے گا۔

Marfat.com

دینی تنظیم

حالات کچھ ایسے تھے کہ فرعون کے مظالم کا سلسلہ جاری تھا اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل اور قبطی مومنوں کو مصر سے جانے کی اجازت بھی نہیں دیتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اس صورت حال میں صبر اور توکل علی اللہ کی تلقین کرتے ہیں اور قوم کو یہ امید دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اور دیگر مومنین کو ثابت قدم رکھنے اور صبر و توکل پر قائم رہنے کے لیے دینی تنظیم ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۴۰)

ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر ٹھہرالو اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز کا اہتمام کرو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہ تدبیر ارشاد ہوئی اس صبر اور توکل کے حصول کی جس کی تعلیم اوپر کی آیات میں دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حکم ہوا کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مقام نماز باجماعت کے لیے مخصوص کرلو جن میں بنی اسرائیل معین اوقات پر نماز کے لیے جمع ہوا کریں اور تم اپنے گھروں کو قبلہ قرار دے کر نماز باجماعت کا اہتمام کرو۔ یہ بعینہ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت نبیؐ کو مکہ کی پُرمصائب زندگی میں دی گئی تھی.......... مصر کی غلامانہ زندگی میں بنی اسرائیل اپنی مذہبی تنظیم کی خصوصیات سے محروم ہو گئے تھے۔ از اں جملہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اجتماعی نماز و دعا کی بھی کوئی شکل باقی نہ رہ گئی تھی اب جب کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کے اندر تجدید کا کام شروع کیا تو ظاہر ہے کہ اس کا آغاز اسی نقطہ سے ہونا تھا جو دینی تنظیم کا ابتدائی نقطہ ہے۔ چنانچہ ان کو نماز کے قیام و اہتمام کا حکم ہوا اور اس کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مکانات مسجد کی حیثیت سے مخصوص کر لیے جائیں جن میں بنی اسرائیل اوقات نماز میں مجتمع ہو جایا کریں۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت اس وجہ سے ہوئی کہ تمام بنی اسرائیل کا مصر کے مختلف حصوں سے ایک جگہ جمع ہونا ناممکن تھا۔

جب متعدد مسجدیں ہوئیں تو ان میں وحدت پیدا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ کوئی مسجد سب کے لیے قبلہ کی حیثیت سے معین ہو اس لیے حکم ہوا واجعلو بیوتکم قبلة اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ۔ میرا ذہن ان الفاظ سے اس طرف جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے اپنے اور اپنے متعلقین اور اپنے

Marfat.com

آس پاس کے بنی اسرائیل کی نماز کے لیے مخصوص فرمائے ہوں گے۔ چونکہ دعوت ہدایت کے مرکز کی حیثیت انہی گھروں کو حاصل تھی اس وجہ سے اس عبوری دور میں انہی گھروں کو عارضی طور پر قبلہ کی حیثیت دے دی گئی۔ بعد میں جب بنی اسرائیل نے ہجرت کی تو اس کے بعد سے بیت المقدس کی تعمیر تک ان کے ہاں قبلہ کی حیثیت اس تابوت کو حاصل رہی جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔(۲۴۱)

حضرت موسیٰؑ اور آل فرعون

فرعون نے بنی اسرائیل پر اپنے ظلم کا شکنجہ کسا تھا تا کہ حضرت موسیٰؑ پر دباؤ بڑھے اور ادھر حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم پر اللہ کے عذاب کی مختلف صورتیں مسلط کرائیں تا کہ وہ راہ راست پر آئے یا بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کی اجازت دے۔ قرآن نے عذاب کی ان مختلف صورتوں کو ایک جگہ بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک عرصے پر محیط ہے۔ قرآن نے آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ. وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ. اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ○ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (۲۴۲)

ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے مگر ان کا حال یہ تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں اور جب برا زمانہ آتا تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لیے فال بد ٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی فال بد تو اللہ کے پاس تھی مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو ہمیں مسحور کرنے کے لیے خواہ کوئی نشانی لے آئے ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔ آخر کار ہم نے ان پر طوفان بھیجا ٹڈی دل چھوڑے، سرسریاں پھیلائیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں الگ الگ کر کے دکھائیں مگر وہ سرکشی کیے چلے گئے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔ جب کبھی ان پر بلا نازل ہو جاتی تو کہتے اے موسیٰؑ تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کر۔ اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے مگر جب ہم ان پر سے اپنا عذاب ایک وقت مقرر تک کے لیے جس کو وہ بہر حال پہنچنے والے تھے، ہٹا لیتے تو وہ یکلخت اپنے

Marfat.com

عہد سے پھر جاتے۔

سورہ زخرف میں ان نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ○ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ وَقَالُوْا يٰاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (۲۴۳)

پھر جب اس نے ہماری نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھٹھے مارنے لگے ہم ایک پر ایک ایسی نشانی ان کو دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں دھر لیا تا کہ وہ اپنی روش سے باز آئیں۔ ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے، اے ساحر اپنے رب کی طرف سے جو منصب تجھے حاصل ہے اس کی بناء پر ہمارے لیے اس سے دعا کر ہم ضرور راہ راست پر آ جائیں گے مگر جونہی کہ ہم ان پر سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے۔

نو نشانیاں

قرآن مجید نے فرعونیوں کے لیے بھیجے جانے والے عذاب اور دکھائے جانے والے معجزات کے لیے آیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ۹ (نو) آیات کا ذکر ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ○ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (۲۴۴)

ہم نے موسیٰؑ کو نو نشانیاں عطا کی تھیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں اب یہ تم خود بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ سامنے آئیں تو فرعون نے یہی کہا تھا کہ " اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور ایک سحر زدہ آدمی ہے" موسیٰؑ نے اس کے جواب میں کہا" تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں رب السمٰوٰت والارض کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ اے فرعون تو ضرور ایک شامت زدہ آدمی ہے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى (۲۴۵)

ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ

Marfat.com

(۲۴۶)

اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے یہ (دو نشانیاں) تو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف (لے جانے کے لیے) وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں مگر جب ہماری کھلی کھلی نشانیاں ان لوگوں کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل ان کے قائل ہو چکے تھے اب دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔

یہ نو نشانیاں جو حضرت موسیٰؑ کو عطا فرمائی تھیں ان کی تفصیل سورہ اعراف کی مذکورہ بالا آیات میں گزر چکی ہے۔ یہ نو نشانیاں مندرجہ ذیل ہیں: ۱۔ لاٹھی جو اژدہا بن جاتی تھی، ۲۔ ہاتھ جو بغل سے سورج کی طرح چمکتا ہوا نکلتا تھا، ۳۔ جادوگروں کو برسر عام شکست دینا (۲۴۷) ۴۔ حضرت موسیٰؑ کے پیشگی اعلان کے مطابق سارے ملک میں قحط، ۵۔ طوفان، ۶۔ ٹڈی دل، ۷۔ تمام غلے کے ذخیروں میں سرسریاں اور انسان وحیوان سب میں جوئیں، ۸۔ مینڈکوں کا طوفان، ۹۔ خون۔ بائبل کی کتاب خروج باب ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰ اور ۱۲ میں بھی ان عذابوں کی مفصل روداد درج ہے، مگر وہ حقیقت اور افسانے کا مجموعہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جب خون کا عذاب آیا تو جادوگروں نے بھی ویسا ہی لا کر دکھا دیا مگر جب جوؤں کا عذاب آیا تو جادوگر جواب میں جوئیں پیدا نہ کر سکے اور انہوں نے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب مینڈکوں کا سیلاب اٹھا تو جادوگر بھی جواب میں مینڈک چڑھا لائے لیکن اس کے باوجود فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے یہ درخواست کی کہ اللہ سے دعا کر کے اس عذاب کو دفع کرائیے۔ سوال یہ ہے کہ جب جادوگر مینڈک چڑھا لانے پر قادر تھے تو فرعون نے انہی کے ذریعہ سے یہ عذاب کیوں دور نہ کرا لیا؟ اور آخر یہ معلوم کیسے ہوا کہ مینڈکوں کی اس فوج میں اللہ کے مینڈک کون سے ہیں اور جادوگروں کے مینڈک کون سے؟ یہی سوال خون کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی تنبیہ کے مطابق ہر طرف پانی کے ذخیرے خون میں تبدیل ہو چکے تھے تو جادوگروں نے کس پانی کو خون بنایا اور کیسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ کا پانی جادوگروں کے کرتب سے خون بنا ہے؟ ایسی ہی باتوں سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل خالص کلام الٰہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کو جن لوگوں نے تصنیف کیا ہے انہوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین کچھ تھے بھی واجبی سی عقل کے لوگ جنہیں بات گھڑنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا۔ (۲۴۸)

قرآن مجید نے مندرجہ بالا مقامات کے علاوہ بھی ان آیات کا حوالہ دیا ہے اور فرعون کے انکار اور اس کی سرکشی کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

Marfat.com

الدَّارِ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۴۹)

پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی سنی ہی نہیں۔ موسیٰ نے جواب دیا" میرا رب اس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آخری انجام کس کا اچھا ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔"

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ o کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کُلِّھَا فَاَخَذْنٰھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ (۲۵۰)

اور آل فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئی تھیں مگر انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا آخر کو ہم نے ان کو پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑتا ہے۔

بہر حال فرعون اور اس کی پیہم اور مسلسل سرکشی، ظلم، حق کے ساتھ استہزاء اور نافرمانی کے باعث خدا تعالیٰ کی جانب سے مصریوں پر مختلف ہلاکتیں اور عذاب آتے رہے اور وقفہ کے ساتھ ان نشانات کا ظہور ہوتا رہا۔ جب ایک عذاب آتا تو سب واویلا کرنے لگتے اور حضرت موسیٰؑ سے کہتے کہ اگر اس مرتبہ تو نے اپنے خدا سے کہہ کر اس عذاب کو ٹال دیا تو ہم سب ایمان لے آئیں گے اور جب وہ ٹل جاتا تو پھر سرکشی شروع کر دیتے، آخر پھر دوسرا عذاب آ پکڑتا اور پھر وہی صورت حال پیش آ جاتی۔ (۲۵۱) حضرت موسیٰؑ نے اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ فرعون بظاہر مطمئن نظر آتا لیکن حضرت موسیٰؑ کے روحانی غلبہ کا خیال اس کو اندر ہی اندر سے گھلائے ڈالتا تھا۔ ہز میجسٹی کے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے پے در پے معجزات نے ملک کے عوام کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں پر سے متزلزل کر دیا تھا اور فراعنہ کا باندھا ہوا وہ سارا طلسم ٹوٹ گیا تھا جس کے ذریعہ سے خداؤں کا اوتار بن کر یہ خاندان مصر میں اپنی خداوندی چلا رہا تھا۔ اسی صورت حال کو دیکھ کر فرعون چیخ اٹھا کہ کم بختو، تمہیں آنکھوں سے نظر نہیں آتا کہ اس ملک میں بادشاہی کس کی ہے اور دریائے نیل سے نکلی ہوئی یہ نہریں جن پر تمہاری معیشت کا انحصار ہے کس کے حکم سے جاری ہیں؟ یہ ترقیات (Development) کے کام تو میرے اور میرے خاندان کے کیے ہوئے ہیں اور تم گرویدہ ہو رہے ہو اس فقیر کے۔ (۲۵۲)

قرآن پاک نے فرعون کی شخصیت کے اس پہلو کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِہٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ o فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ o فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ فَاَطَاعُوْہُ. اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ (۲۵۳)

ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا" لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں

Marfat.com

میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل وحقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کرسکتا۔ (۲۵۴) کیوں نہ اس پر سونے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں نہ آیا؟ اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق۔

فرعون نے اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے بودی باتوں کا سہارا لیا کہ اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے گئے اور اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں، اس کی باتوں میں الجھاؤ ہے اور یہ بے اختیار ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی

لیکن یہ سب کچھ بوکھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون اپنے آپ کو عاجز پا کر زچ ہو گیا تھا۔ لہذا اس نے فیصلہ کیا کہ حضرت موسیٰؑ کو قتل کیے بغیر یہ معاملہ ختم نہیں ہوگا اور آخر کار اعیان سلطنت اور اپنے ندیموں سے ایک روز کہنے لگا کہ ہم نے موسیٰؑ کو یونہی چھوڑے رکھا تو مجھے خوف ہے کہ یہ تمہارے دین کو بھی آہستہ آہستہ بدل ڈالے گا اور تمام مصر میں فساد مچا دے گا اب یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے (۲۵۵) قرآن نے اس کی تدبیر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ○ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ (۲۵۶)

ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا" چھوڑو مجھے، میں موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔ موسیٰؑ نے کہا میں نے تو ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی۔

قرآن کے مطابق فرعون نے دو خدشات کا اظہار کیا ہے ایک یہ کہ موسیٰ ان کے دین کو بدل دے گا اور دوسرا یہ کہ ملک میں فساد برپا کر دے گا۔ سید مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یعنی مجھے اس سے انقلاب کا خطرہ ہے اور اگر یہ انقلاب برپا نہ بھی کر سکے تو کم از کم یہ خطرہ تو ہے ہی کہ اس کی کارروائیوں سے ملک میں فساد رونما ہوگا۔ لہذا بغیر اس کے کہ یہ کوئی قابل سزائے موت جرم کرے، محض تحفظ امن عامہ (Maintenance of Public Order) کی خاطر اسے قتل کر دینا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ اس شخص کی ذات سے فی الواقع امن عامہ کو خطرہ ہے یا نہیں تو اس کے لیے صرف ہز میجسٹی کا اطمینان کافی ہے۔ سرکار عالی اگر مطمئن ہیں کہ یہ خطرناک آدمی ہے تو مان لینا چاہیے کہ واقعی خطرناک اور گردن زدنی ہے۔ اس مقام پر دین بدل ڈالنے کا مطلب بھی اچھی طرح

Marfat.com

سمجھ لیجئے جس کے اندیشہ سے فرعون حضرت موسیٰؑ کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔ یہاں دین سے مراد نظام حکومت ہے اور فرعون کے قول کا مطلب یہ ہے کہ انی اخاف ان یغیر سلطانکم (روح المعانی ۲۴/۵۶) بالفاظ دیگر فرعون اور اس کے خاندان کے اقتدار اعلیٰ کی بنیاد پر مذہب وسیاست اور تمدن ومعیشت کا جو نظام مصر میں چل رہا تھا وہ ملک کا دین تھا اور فرعون کو حضرت موسیٰؑ کی دعوت سے اس دین کے بدل جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن ہر زمانے کے مکار حکمرانوں کی طرح اس نے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے ہاتھ سے اقتدار نکل جانے کا خوف ہے۔ اس لیے میں موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہتا ہوں بلکہ صورت معاملہ کو اس نے اس طرح پیش کیا کہ لوگو، خطرہ مجھے نہیں تمہیں لاحق ہے، کیونکہ موسیٰؑ کی تحریک اگر کامیاب ہوگئی تو تمہارا دین بدل جائے گا مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میں تو تمہاری فکر میں گھلا جارہا ہوں کہ میرے سایہ اقتدار سے محروم ہو کر تمہارا کیا بنے گا۔ لہذا جس ظالم کے ہاتھوں یہ سایہ تمہارے سر سے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے اسے قتل کر دینا چاہئیے کیونکہ وہ ملک اور قوم کا دشمن ہے۔ (۲۵۷)

جب فرعون کی مجلس میں حضرت موسیٰؑ کے قتل کی بات ہو رہی تھی تو مصری "مردمومن" بھی وہاں موجود تھا جس نے ابھی تک اپنا اسلام پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ جب اس نے قتل کی تجویز سنی تو حضرت موسیٰؑ کی مدافعت میں گفتگو کی اور انہیں سمجھایا کہ ایسے شخص کو قتل کرنے چلے ہو جو اللہ کو اپنا رب مانتا ہے اور اس پر بہترین دلائل پیش کیے ہیں اس نے کہا اگر وہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کے وعیدوں سے ڈرو۔ اس مردمومن کا بیان سورہ مومن کی آیت ۳۸ سے لے کر آیت ۴۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ اسرائیلی روایات میں یہ واقعہ نہیں ملتا ہے۔ سید مودودی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں سے جس واقعہ کا بیان شروع ہو رہا ہے وہ تاریخ بنی اسرائیل کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے جسے خود بنی اسرائیل بالکل فراموش کر گئے ہیں۔ بائبل اور تالمود دونوں اس کے ذکر سے خالی ہیں اور دوسری اسرائیلی روایات میں بھی اس کا کوئی نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ صرف قرآن مجید کے ذریعہ سے دنیا کو یہ معلوم ہوا ہے کہ فرعون اور حضرت موسیٰؑ کی کشمکش کے دور میں ایک وقت یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا۔ اس قصے کو جو شخص بھی پڑھے گا بشرطیکہ وہ اسلام اور قرآن کے خلاف تعصب میں اندھا نہ ہو چکا ہو، وہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے گا کہ دعوت حق کے نقطہ نظر سے یہ قصہ بڑی قدر وقیمت رکھتا ہے اور بجائے خود یہ بات بعید از عقل وقیاس بھی نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شخصیت ان کی تبلیغ اور ان کے ہاتھوں ظہور پذیر ہونے والے حیرت انگیز معجزات سے متاثر ہو کر خود فرعون کے اعیان سلطنت میں سے کوئی شخص دل ہی دل میں ایمان لے آیا ہو اور فرعون کو ان کے قتل پر آمادہ دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکا ہو لیکن مغربی مستشرقین، علم وتحقیق کے لمبے چوڑے دعوؤں کے باوجود تعصب میں اندھے ہو کر جس طرح قرآن کی روشن صداقتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں

Marfat.com

مضمون "موسیٰ" کا مصنف اسی قصے کے متعلق لکھتا ہے:

" قرآن کی یہ کہانی کہ فرعون کے دربار میں ایک مومن موسیٰ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے پوری طرح واضح نہیں ہے۔ (سورہ ۴۰۔ آیت ۲۸) کیا ہمیں اس کا تقابل اس قصے سے کرنا چاہیئے جو ہگاوا میں بیان ہوا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ یتھرو نے فرعون کے دربار میں عفو سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا؟"

گویا ان مدعیان تحقیق کے ہاں یہ بات تو طے شدہ ہے کہ قرآن کی ہر بات میں ضرور کیڑے ہی ڈالنے ہیں۔ اگر اس کے کسی بیان پر حرف زنی کی کوئی بنیاد نہیں ملتی تو کم از کم یہی شوشہ چھوڑ دیا جائے کہ یہ قصہ پوری طرح واضح نہیں ہے اور چلتے چلتے یہ شک بھی پڑھنے والوں کے دل میں ڈال دیا جائے کہ ہگاوا میں یتھر کا جو قصہ موسیٰ کی پیدائش سے پہلے کا بیان ہوا ہے وہ کہیں محمد ﷺ نے سن لیا ہوگا اور اسے لا کر یہاں اس شکل میں بیان کر دیا ہوگا۔ یہ ہے" علمی تحقیق" کا وہ انداز جو ان لوگوں نے اسلام اور قرآن اور محمد ﷺ کے معاملے میں اختیار کر رکھا ہے۔" (۲۵۸)

حضرت موسیٰؑ کی دعا

بنی اسرائیل پر مظالم کی انتہا ہوگئی تھی اور فرعون اور آل فرعون پر معجزات اور عذاب کی مختلف شکلوں سے دعوت حق کی صداقت واضح کر دی گئی تھی لیکن فرعون کے استکبار اور تکذیب کی روش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی بلکہ اب وہ حد سے بڑھتا جا رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے قتل کی منصوبہ بندی حد سے گزرنے والی بات تھی۔ سنت اللہ یہ رہی ہے کہ رسول اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کے اتمام حجت کے بعد اگر کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اندر قبول حق کی ادنیٰ صلاحیت بھی باقی نہیں ہے۔ اب اگر وہ خدا کی زمین پر باقی رہتی ہے تو دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ تو ہو سکتی ہے لیکن اس کے اندر سے کسی خیر کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ قرآن مجید نے حضرت نوحؑ کی زبان سے اس حقیقت کو بیان فرمایا:

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ۝ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (۲۵۹)

نوحؑ نے دعا کی، اے میرے رب انہوں نے میری بات رد کر دی اور اس کی پیروی جس کے مال و اولاد نے اس کے خسارے ہی میں اضافہ کیا اور انہوں نے بڑی چال چلی ...... اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کر ڈالا اور تو ان ظالموں کی ضلالت ہی میں اضافہ کر .... اور نوح نے دعا کی اے میرے رب تو زمین پر کافروں میں سے کسی کو چلتا پھرتا نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے

Marfat.com

اور صرف نابکاروں اور ناشکروں ہی کو جنم دیں گے۔

اس وجہ سے سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ جن قوموں پر کسی رسول کے ذریعہ سے اتمام حجت ہوئی اس کے مکذبین ایک خاص حد تک مہلت دیئے جانے کے بعد لازماً تباہ کر دیئے گئے ہیں۔اس دنیا کے اندر زندگی کی جو مہلت قوموں کو ملتی ہے وہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ملتی ہے۔شر محض کی پرورش اس کائنات کے مزاج کے خلاف ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے دعا اس وقت کی جب ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ان سرکشوں کی آنکھوں کی پٹی عذاب الٰہی کے سوا اب کوئی دوسری چیز نہیں کھول سکتی۔(۲۶۰) موسیٰؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی، بارالہا! فرعون اور فرعونیوں کو تو نے جو دولت وسطوت عطا فرمائی ہے اس پر شکریہ ادا کرنے کے بجائے وہ تیرے بندوں پر جبر اور ظلم وستم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور تیری راہ حق کو نہ یہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں بلکہ جبر وتشدد سے کام لے کر ان کے آڑے آتے ہیں لہذا اب تو ان کو ان کے مظالم کا ذائقہ چکھا اور ان کی اس دولت وثروت کو تباہ وہلاک کر دے جس پر یہ نازاں ہیں اور جس طرح یہ ایمان کی سچائی کو ٹھکرا رہے ہیں تو بھی ان کو ایمان کے بجائے اب ایسا دردناک عذاب دے کہ ان کی داستان دوسروں کے لیے عبرت بن جائے۔(۲۶۱) قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کی دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (۲۶۲)

اور موسیٰؑ نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے اعیان کو دنیا کی زندگی میں شان وشوکت اور مال واسباب سے بہرہ مند کیا، اے ہمارے رب کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بے راہ کریں، اے ہمارے رب ان کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو بند کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔"

سورہ دخان میں ہے:

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ (۲۶۳)

پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔

قبولیت دعا

چونکہ موسیٰ وہارون علیہما السلام نے کار دعوت میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی اور ان پر دعوت وتبلیغ، اصلاح وانذار اور احقاق حق کی جو ذمہ داری تھی وہ کماحقہ ادا ہو چکی تھی اس لیے ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کو ہدایت کی گئی کہ ان سرکشوں کے ساتھ جو معاملہ ہونے والا ہے اس پر دل میں کوئی نرمی ورافت نہ پیدا کرنا، نہ ان کے حق میں کوئی کلمہ

Marfat.com

سفارش کہنا اور نہ کسی پہلو سے اب ان کی چھوت تم کو یا تمہارے ساتھیوں کو لگنے پائے۔ یہ بعینہ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے باب میں عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد دی گئی تھی۔ اس کا ذکر سورہ ھود میں اس طرح ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ (۲۶۴)

اور کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو یہ لازماً غرق کیے جائیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۲۶۵)

فرمایا تمہاری دعا قبول ہوئی تو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔

موسیٰؑ کو یہ تسلی دی گئی کہ تمہاری دعا قبول ہوگئی ہے لہٰذا فرعونیوں کی تباہی اور بنی اسرائیل کی نجات کا مرحلہ آپہنچا ہے۔ قرآن کے مطابق حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ اس مرحلے کے لیے تیاری کریں۔

بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب

حضرت موسیٰؑ کو بذریعہ وحی حکم ملا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر باپ دادا کی سرزمین کی جانب لے جائیں

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ (۲۶۶)

ہم نے موسیٰؑ کو وحی بھیجی کہ "راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔"

واضح رہے کہ بنی اسرائیل کی آبادی مصر میں کسی ایک جگہ مجتمع نہ تھی بلکہ ملک کے تمام شہروں اور بستیوں میں بٹی ہوئی تھی اور خصوصیت کے ساتھ منف (Mamphis) سے رعمیس تک اس علاقے میں ان کی بڑی تعداد آباد تھی جسے جشن کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ لہٰذا موسیٰؑ کو جب حکم دیا گیا ہوگا کہ اب تمہیں بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جانا ہے تو انہوں نے بنی اسرائیل کی تمام بستیوں میں ہدایات بھیج دی ہوں گی کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ہجرت کے لیے تیار ہو جائیں اور ایک خاص رات مقرر کر دی ہوگی کہ اس رات ہر بستی کے مہاجرین نکل کھڑے ہوں یہ ارشاد کہ " تمہارا پیچھا کیا جائے گا" اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہجرت کے لیے رات کو نکلنے کی ہدایت کیوں کی گئی تھی۔ یعنی قبل اس کے کہ فرعون لشکر لے کر تمہارے تعاقب میں نکلے تم راتوں رات اپنا راستہ اس حد تک طے کر لو کہ اس سے بہت آگے نکل چکے ہو۔ (۲۶۷) آخرکار ایک مقررہ رات کو یہ سب لوگ ایک طے شدہ مقام پر جمع ہو کر ایک قافلے کی صورت میں روانہ ہوگئے اس زمانے میں نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحر احمر سے بحر روم پورا علاقہ کھلا ہوا

Marfat.com

تھا مگر اس علاقے کے تمام راستوں پر فوجی چھاؤنیاں تھیں جن سے بخیریت نہ گذرا جا سکتا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے چل کر جزیرہ نمائے سینا کی طرف نکل جائیں لیکن ادھر سے فرعون ایک لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آ پہنچا۔ سورہ شعراء میں فرعون کی بوکھلاہٹ کو بیان کیا گیا ہے۔ اسے جب پتہ چلا کہ بنی اسرائیل نکل گئے ہیں تو وہ اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے، فوجیں اکٹھی کرتا ہے اور بنی اسرائیل کو سزا دینے کا اعلان کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ o اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ o وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ o وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ (۲۶۸)

اس پر فرعون نے (فوجیں جمع کرنے کے لیے) شہروں میں نقیب بھیج دیئے (اور کہلا بھیجا) کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنا رہنا ہے۔

سید مودودی کے بقول "یہ باتیں فرعون کی اس چھپی ہوئی خوف زدگی کو ظاہر کرتی ہیں جس پر وہ بے خوفی کا نمائشی پردہ ڈال رہا تھا۔ ایک طرف وہ جگہ جگہ سے فوجیں بھی فوری امداد کے لیے بلا رہا تھا جو اس بات کی کھلی علامت تھی کہ اسے بنی اسرائیل سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے دوسری طرف وہ اس بات کو بھی چھپانا چاہتا تھا کہ مدت ہائے دراز کی دبی اور پسی ہوئی قوم، جو انتہائی ذلت کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی تھی اس سے فرعون جیسا قاہر فرمانروا کوئی خطرہ محسوس کر رہا ہے حتیٰ کہ اسے فوری امداد کے لیے فوجیں طلب کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے اس لیے وہ اپنا پیغام اس انداز میں بھیجتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل بے چارے کیا چیز ہیں، کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں جو ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے ایسی حرکتیں کی ہیں کہ ہمیں ان پر غصہ آ گیا ہے اس لیے ہم انہیں سزا دینا چاہتے ہیں اور فوجیں ہم کسی خوف کی وجہ سے جمع نہیں کر رہے ہیں بلکہ صرف ایک احتیاطی کارروائی ہے۔ ہماری دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی بعید سے بعید بھی امکانی خطرہ ہو تو ہم بروقت اس کی سرکوبی کرنے کے لیے تیار رہیں۔ (۲۶۹) فرعون کے تعاقب کو قرآن نے مشیت ایزدی کی ایک تدبیر قرار دیا ہے۔ فرعون بڑے فخر سے کہتا تھا کہ ملک مصر اور اس کی نہریں کیا یہ میری نہیں ہیں؟ قرآن نے اس کی مہم جوئی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ o وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ o كَذٰلِكَ. وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۷۰)

اس طرح ہم انہیں ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے یہ تو ہوا ان کے ساتھ اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث کر دیا۔

سورہ دخان میں ہے:

Marfat.com

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ٥ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ٥ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ٥ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ٥ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (۲۷۱)

کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے، کتنے ہی عیش کے سروسامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے ان کے پیچھے دھرے رہ گئے۔ یہ ہوا ان کا انجام اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پھر نہ آسمان ان پر رویا نہ زمین اور ذرا سی مہلت بھی ان کو نہ دی گئی۔

فرعون کا غرق ہونا

فرعون زبردست فوج لے کر عمیسس سے نکلا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے سر پر جا پہنچا۔ بائبل کے مطابق موسیٰؑ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ جب پو پھٹتے ہی انہوں نے فرعونی لشکر کو سر پر پایا تو گھبرا کر کہنے لگے:" کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہمیں مرنے کے لیے بیاباں میں لے آیا ہے؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیاباں میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ (۲۷۲)

حضرت موسیٰؑ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کرو خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو نجات دے گا اور تم ہی کامیاب ہو گے۔ پھر درگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پانی پر مارو تاکہ پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے۔ چنانچہ موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے بحر قلزم میں اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں راستہ نکل آیا اور حضرت موسیٰؑ کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اس میں اُتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہو گئے۔ فرعون نے دیکھا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا! یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جا کر پکڑ و لہذا بڑھے چلو، چنانچہ فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اسی راستے پر اتر گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارہ پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو پانی بحکم الٰہی پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق ہو گیا۔ جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکہ عذاب سامنے نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا:" میں اسی ایک واحد لاشریک ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں" مگر یہ ایمان چونکہ حقیقی ایمان نہ تھا بلکہ گزشتہ فریب کاریوں کی طرح نجات حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ایک مضطربانہ بات تھی اس لیے خدا کی طرف سے یہ جواب ملا:

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (۲۷۳)

اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

Marfat.com

یعنی خدا کو معلوم ہے کہ تو مسلمین میں سے نہیں بلکہ مفسدین میں سے ہے۔ درحقیقت فرعون کی یہ پکار ایسی پکار تھی جو ایمان لانے اور یقین حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری میں نکلتی ہے۔ (۲۷۴)

قرآن کا بیان

قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کی روانگی، فرعون کی غرقابی اور بنی اسرائیل کی نجات کے واقعہ کو بہت مختصر بیان کیا ہے البتہ اس کے صرف ضروری اجزاء کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے متعلق عبرت و بصیرت اور موعظت کے معاملہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (۲۷۵) قرآن مجید نے اس واقعہ کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم انہیں نقل کرتے ہیں:

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ○ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ○ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ○ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ○ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ○ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ○ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ (۲۷۶)

صبح ہوتے ہی یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰؑ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰؑ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ ہم نے موسیٰؑ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ مار اپنا عصا سمندر پر" یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰؑ اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے، ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔

سورہ طٰہٰ میں ہے:

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ○ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ○ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (۲۷۷)

ہم نے موسیٰؑ پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑ اور ان کے لیے سمندر میں سے سوکھی سڑک بنا لے، تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف نہ ہو اور نہ (سمندر کے بیچ سے گزرتے ہوئے) ڈر لگے۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر لے کر پہنچا اور پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا، کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی تھی۔

سورہ اعراف میں ہے:

Marfat.com

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ (۲۷۸)

تب ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بے پرواہو گئے تھے۔

سورہ یونس میں فرمایا:

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ. قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (۲۷۹)

اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار لے گئے۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے۔ حتیٰ کہ فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا" میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی اس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سراطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔ جواب دیا گیا اب ایمان لاتا ہے! حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ٥ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ. فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ (۲۸۰)

اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ان ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا (۲۸۱)

آخر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو زمین سے اکھاڑ پھینکے مگر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

سورہ الذریات میں فرمایا:

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَ هُوَ مُلِیْمٌ (۲۸۲)

آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گئے۔

سورہ شعراء میں ہے:

وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ٥ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ٥ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً. وَ مَا كَانَ

Marfat.com

اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (۲۸۳)

موسیٰؑ اور ان سب لوگوں کو جوان کے ساتھ تھے ہم نے بچالیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔اس واقعہ میں ایک نشانی ہے،مگران میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

عظیم معجزہ

قرآن نے واضح طور پر کہا ہے کہ اس واقعہ میں نشانی ہے۔نشانی منکرین کے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ منکرین کے لیے نشانی ہے کہ انکار کا انجام کیسا دردناک ہوتا ہے۔فرعون اور اس کی قوم نے معجزات کو نظر انداز کیا اور آخر میں عین غرق ہونے کے وقت بھی ان کو یہ نہ سوجھا کہ سمندر قافلے کے لیے پھٹ گیا ہے، پانی پہاڑوں کی طرح دونوں طرف کھڑا ہے اور بیچ میں سوکھی سڑک بنی ہوئی ہے۔یہ صریح علامتیں دیکھ کر بھی ان کو عقل نہ آئی کہ موسیٰؑ کے ساتھ خدائی طاقت کام کر رہی ہے اور وہ اس طاقت سے لڑنے جا رہے ہیں۔ہوش ان کو آیا بھی تو اس وقت جب پانی نے دونوں اطراف سے ان کو دبوچ لیا تھا اور وہ خدا کے غضب میں گھر چکے تھے۔اس وقت فرعون چیخ اٹھا کہ " اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس/۹۰) لیکن اس وقت کا اعلان بے سود تھا۔دوسری طرف اہل ایمان کے لیے بھی اس میں نشانی ہے کہ ظلم اور اس کی طاقتیں خواہ بظاہر کیسی ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہوں آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل اس طرح سرنگوں ہو کر رہتا ہے۔(۲۸۴)

قرآن مجید نے سمندر کے پھٹنے اور پھر مل جانے کو ایک معجزے کے طور پر بیان کیا ہے۔سر سید اور بعض دوسرے عقلیت پسندوں نے اس کی معجزانہ حیثیت کا انکار کرتے ہوئے اسے مدوجزر کے ساتھ منسلک کیا ہے۔لیکن قرآن مجید کے اسلوب بیان سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس کی معجزانہ حیثیت کا انکار نہیں کرے گا۔عصر حاضر کے دو عظیم مفسروں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اس کی معجزانہ حیثیت پر مدلل گفتگو کی ہے۔ذیل میں سید مودودیؒ کا وہ نوٹ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے سورہ شعراء کی آیت ۶۳ کے تحت لکھا ہے:

اصل الفاظ ہیں" کالطود العظیم" طود عربی زبان میں کہتے ہی بڑے پہاڑ کو ہیں۔لسان العرب میں ہیں الطود، الجبل العظیم ۔اس کے لیے پھر عظیم کی صفت لانے کے معنی یہ ہوئے کہ پانی دونوں طرف بہت اونچے پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔پھر جب اس بات پر غور کرتے ہیں کہ سمندر حضرت موسیٰؑ کے عصا مارنے سے پھٹا تھا،اور یہ کام ایک طرف بنی اسرائیل کے پورے قافلے کو گزارنے کے لیے کیا گیا تھا۔اور دوسری طرف اس سے مقصود فرعون کے لشکر کو غرق کرنا تھا تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عصا کی ضرب لگنے پر پانی نہایت بلند پہاڑوں کی شکل میں کھڑا ہو گیا

Marfat.com

تھا اور اتنی دیر تک کھڑا رہا کہ ہزاروں لاکھوں بنی اسرائیل کا مہاجر قافلہ اس میں سے گزر بھی گیا اور پھر فرعون کا پورا لشکر ان کے درمیان پہنچ بھی گیا۔ ظاہر ہے کہ عام قانون فطرت کے تحت جو طوفانی ہوائیں چلتی ہیں وہ خواہ کیسی ہی تند و تیز ہوں، ان کے اثر سے کبھی سمندر کا پانی اس طرح عالی شان پہاڑوں کی طرح اتنی دیر تک کھڑا نہیں رہا کرتا۔ اس پر مزید سورہ طہٰ کا بیان یہ ہے کہ فاضرب لھم طریقا یبسا (ان کے لیے سمندر میں سوکھا راستہ بنادے) اس کے معنی یہ ہیں کہ سمندر پر عصا مارنے سے صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ سمندر کا پانی ہٹ کر دونوں طرف پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا بلکہ بیچ میں جو راستہ نکلا وہ خشک بھی ہو گیا۔ کوئی کیچڑ ایسی نہ رہی جو چلنے میں مانع ہوتی اس کے ساتھ سورہ دخان کی آیت ۲۴ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ہدایت فرمائی کہ سمندر پار کر لینے کے بعد اس کو اسی حال پر رہنے دے، لشکر فرعون یہاں غرق ہونے والا ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اگر دوسرے ساحل پر پہنچ کر سمندر پر عصا مار دیتے تو دونوں طرف کھڑا ہوا پانی پھر مل جاتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تا کہ لشکر فرعون اس راستے میں اتر آئے اور پھر پانی دونوں طرف سے آکر اسے غرق کر دے۔ یہ صریحاً ایک معجزے کا بیان ہے اور اس سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی بالکل واضح ہو جاتی ہے جو اس واقعہ کی تعبیر عام قوانین فطرت کے تحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۲۸۵)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے سرسید کے نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ تفاسیر، عربی لغت اور بائبل کی تائید سے ان کی رائے کی تردید کی ہے، اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

بہرحال قرآن عزیز صراحت کرتا ہے کہ بحر قلزم میں غرق فرعون اور نجات موسیٰؑ کا یہ واقعہ موسیٰؑ کی تائید میں ایک عظیم الشان معجزہ تھا اور اگر کائنات کی کوئی شہادت بھی اس واقعہ کے اعجاز میں موجود نہ ہوتی تب بھی ہمارے لیے وحی الٰہی کا یہ فیصلہ ایک ناطق فیصلہ ہے اور مومن کا ایمان دور از کار تاویلات سے جدا اصل حقیقت ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور ہمارا یقین ہے کہ موسیٰؑ کی صداقت کے لیے یہ ایسا عظیم الشان معجزہ تھا جس نے تمام مادی قہرمانیت اور سامان استبدادیت کو ایک لمحہ میں شکست دے کر مظلوم قوم کو ظالم قوم کے پنجہ سے رستگاری دلائی واللہ علی کل شئی قدیر (۲۸۶)

مولانا اصلاحیؒ بھی اسے معجزہ قرار دیتے ہیں وہ سورہ طہٰ کی آیت ۷۷ کے تحت لکھتے ہیں:

''بحر سے مراد یہاں بحر احمر کی شمالی خلیج ہے۔ ہدایت ہوئی کہ پوری جماعت کے ساتھ ساحل سمندر پر پہنچو اور وہاں اپنی لٹھیا سمندر پر مار کر اس کے اندر سے لوگوں کے لیے خشک راہ پیدا کر لو۔ یہ اسلوب بیان اس اختیار کو ظاہر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزے کے ذریعہ سے حضرت موسیٰؑ کو بخشا کہ تم

Marfat.com

اس کے اشارے سے سمندر کو حکم دو گے تو وہ تمہارے گزرنے کے لیے خشک راستہ نکال دے گا۔ (۲۸۷)

مولانا اسے قدرت خداوندی کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ سورہ طٰہ میں اور پھر سورہ شعراء میں انہوں نے حاشیہ میں یہی عنوان دیا ہے۔ سورہ شعراء کی آیات ۶۳۔۶۶ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں کہ " اس امتحان سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایسی ہوا چلی کہ سمندر کا پانی پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ دونوں طرف پانی کی دیوار کھڑی ہو گئی اور بیچ میں سے خشک راستہ نکل آیا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اس راستہ پر چلے۔ تدبیر الٰہی فرعونیوں کو بھی لائی اور انہوں نے بنی اسرائیل کے تعاقب میں اپنے رتھ اور گھوڑے سب ان کے پیچھے ڈال دیئے اس کے بعد حکم الٰہی سے وہ ہوا جس نے سمندر کے پانی کو پھاڑ کر رستہ پیدا کیا تھا رک گئی۔ حضرت موسیٰؑ تو اپنی قوم کے ساتھ بخیریت کنارے پر پہنچ گئے، ادھر سمندر کا پانی برابر ہونے لگا اور فرعونی اس کے لپیٹ میں آ گئے انہوں نے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بھاگنے کا وقت گزر چکا تھا بالآخر پوری فوج غرق ہو گئی۔ (۲۸۸)

اس کے بعد مولانا نے تورات کی عبارت نقل کی ہے۔ مولانا چونکہ بائبل کو ایک ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اس لیے ان کا پورا بیان اس سے ماخوذ ہے۔

فرعون ایک سامان عبرت شخصیت

گزشتہ اوراق میں فرعون کی سرکشی، تمرد، طغیان اور کبر و غرور کی تصویر واضح ہے لیکن ڈوبتے وقت فرعون کا اقرار توحید اس کی بے بسی کی کامل تصویر ہے جو فراعنہ اور سرکشوں پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آتے ہیں۔ قدرت نے جب اسے اپنے انتقام کی گرفت میں لیا تو اسے اپنی حیثیت کا حقیقی ادراک ہوا۔ معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ خدائے جبار و قہار نے اسے سامان عبرت بنا دیا۔ ارشاد باری ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ (۲۸۹)

پس آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے نشانی بنے اور بے شک بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔

سورہ نازعات میں فرمایا:

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ o فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ o ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ o فَحَشَرَ فَنَادَىٰ o فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ o فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ o إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ o (۲۹۰)

Marfat.com

پھر موسیٰؑ نے (فرعون کے پاس جاکر) اس کو بڑی نشانی دکھائی مگر اس نے جھٹلا دیا اور نہ مانا، پھر چالبازیاں کرنے کے لیے پلٹا اور لوگوں کو جمع کر کے اس نے پکار کر کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔" آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ درحقیقت اس میں بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے۔

سید مودودیؒ اور مولانا اصلاحیؒ نے سورہ یونس کی مذکورہ بالا آیت پر عمدہ نوٹ لکھے ہیں۔ مولانا اصلاحیؒ کے نوٹ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

"قدرت کے انتقام کی اس عظیم نشانی کے اندر ایک دوسری عظیم نشانی یہ ظاہر ہوئی کہ فرعون کی لاش کو سمندر نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کو ایک نشان عبرت بنانے کے لیے باہر پھینک دیا اور یہ لاش بعد میں لوگوں کو ملی بھی اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو خدائی کا مدعی تھا اس کا انجام کیا ہوا۔ مصر میں لاشوں کو ممی کر کے محفوظ کرنے کا رواج تھا اور ایک فرعون کی ممی کی ہوئی لاش قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس لاش کے بارے میں اثریات کے ماہرین چاہے اختلاف کریں کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے یا کسی اور کی لیکن ان کے انکل پچو اندازوں کے مقابل میں قرآن کا یہ چودہ سوسال پرانا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اس طرح قدرت نے اس کی لاش کو عبرت کی ایک ایسی نشانی بنا دیا جو آج کے فرعونوں کے لیے بھی محفوظ ہے لیکن دیکھنے کے لیے آنکھوں کی ضرورت ہے اور دنیا میں عبرت پذیر آنکھوں سے زیادہ کم یاب کوئی شئے تھی ہی نہیں وان کثیرا من الناس عن آیتنا لغفلون میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔[۲۹۱]

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جو اس مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے، اور علاقے کے باشندے اس جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔ اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن ایلیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔[۲۹۲]

فرعون اور قوم فرعون کی ہلاکت دنیوی اعتبار سے بھی عبرت وبصیرت کا ذریعہ ہے لیکن قرآن نے اس طرف

Marfat.com

بھی توجہ دلائی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے لیے آخرت اور سرمدی و ابدی زندگی میں کس قدر سخت عذاب اور خدا کی پھٹکار کے کیسے عبرت ناک سامان مہیا ہیں تا کہ سلیم اور صالح طبائع اور نیک نہاد اور نیک سرشت ہستیاں ان کا مطالعہ کریں اور ان اعمال زشت سے خود کو بھی بچائیں اور دوسروں کو بچنے کی ترغیب دیں۔ (۲۹۳) قرآن مجید نے ان کی زندگی بعد موت کی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ o اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ o یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ o وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (۲۹۴)

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انہیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جائے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے۔ اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی کیسا برا صلہ ہے یہ جو کسی کو ملے۔

سورہ قصص میں ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ o وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ (۲۹۵)

اور ہم نے ان کو دنیا میں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنایا اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہ ہوگی اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہی خوار ہونے والوں میں سے ہوں گے۔

سورہ مومن میں فرمایا:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ o اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (۲۹۶)

اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔ دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔

سید مودودی اس آیت کی تفسیر میں عذاب کی نوعیت کو واضح کرتے ہیں جو فرعون اور آل فرعون کو عالم برزخ میں درپیش ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

یہ آیت اس عذاب برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذاب قبر کے عنوان سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں صاف الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے، ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون اور آل فرعون کو دیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہتے ہیں کہ یہ ہے وہ دوزخ جس میں آخر کار ہمیں جانا ہے۔ اس کے بعد جب قیامت آ جائے گی تو انہیں وہ اصلی اور بڑی سزا دی جائے گی جو ان کے لیے مقدر ہے یعنی وہ اسی دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے جس کا نظارہ انہیں غرقاب ہونے کے وقت سے آج تک کرایا جا رہا ہے اور قیامت کی گھڑی تک کرایا جاتا رہے گا اور یہ معاملہ صرف فرعون اور آل فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے تمام مجرموں کو موت کی ساعت سے لے کر قیامت تک وہ انجام بد نظر آتا رہتا ہے جو ان کا انتظار کر رہا ہے اور تمام نیک لوگوں کو اس انجام نیک کی حسین تصویر دکھائی جاتی رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مہیا کر رکھا ہے۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

ان احدکم اذا مات عرض علیه مقعده بالغداة والعشی ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة عرض وان کان من اهل النار فمن اهل النار فیقال هذا مقعدک حتی یبعثک الله عزوجل الیه یوم القیامة (۲۹۷)

تم میں سے جو شخص مرتا ہے اسے صبح و شام اس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی رہتی ہے خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں تو اس وقت جائے گا جب اللہ تجھے قیامت کے روز دوبارہ اٹھا کر اپنے حضور بلائے گا۔

گویا فرعون اور آل فرعون دنیا و آخرت میں سامان عبرت بنا دیے گئے انہیں ہلاک و برباد کر کے اور ان کے لیڈر کی لاش کو محفوظ کر کے آنے والی انسانی نسلوں کے لیے عبرت و بصیرت کا نمونہ بنا دیا گیا ہے اور یوں غرور و نخوت، جبر و ظلم اور قہرمانیت و انانیت کی ذلت و رسوائی کر دی گئی تا کہ آئندہ کوئی عقلمند اس راہ پر نہ چلے۔

حضرت موسیٰؑ کی کامیابی

دعوت کے سلسلہ میں سنت اللہ یہ رہی ہے کہ داعی الی اللہ اپنی دعوت پیش کرتا ہے اور اس کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین اور آیات و معجزات پیش کرتا ہے۔ مخاطب قوم کا کچھ حصہ اسے قبول کرتا ہے جبکہ مستکبرین و مترفین انکار کرتے ہیں اور داعی الی اللہ کے درپے آزار ہوتے ہیں۔ جب ہدایت کو قبول کرنے کے آثار باقی نہیں رہتے اور داعی اپنی تمام کاوشیں پوری کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو محفوظ کرنے اور معاندین کو ان کے برے انجام تک پہنچانے کا سامان کرتا ہے۔ یہی کچھ موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں بھی ہوا۔ فرعون نے دلائل و براہین سننے اور آیات و معجزات دیکھنے کے بعد بھی انکار و تکذیب اور استکبار و ادبار کی راہ اختیار کی

Marfat.com

اور بالآخر اپنے برے انجام کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور دوسرے مومنین کو حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں ظلم سے نجات دی اور خوشحال مستقبل کی طرف رہنمائی کی۔ بنی اسرائیل کی نجات موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا اہم جز تھا اس لیے اس نجات میں دعوت کی کامیابی کی روشن دلیل اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تکمیل صاف دکھائی دیتی ہے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِن فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ (۲۹۸)

اس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے سخت ذلت کے عذاب، فرعون سے نجات دی جو حد سے گزر جانے والوں میں بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا اور ان کی حالت جانتے ہوئے ان کو دوسری قوموں پر ترجیح دی۔

سورہ اعراف میں فرمایا:

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَٰرِقَ الْأَرْضِ وَمَغَٰرِبَهَا الَّتِي بَٰرَكْنَا فِيهَا. وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (۲۹۹)

اس کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اسی سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا گیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے۔

اس آیت میں جس زمین کی وراثت کی بات کی گئی ہے وہ ارض فلسطین ہے اگرچہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ بنی اسرائیل مصر کے مالک بنا دیئے گئے لیکن اس کے لیے نہ تو قرآن کا واضح بیان موجود ہے اور نہ تاریخ و آثار سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ بنی اسرائیل کا مصر سے بچ نکلنا اور فلسطین میں آباد ہونا حضرت موسیٰؑ کی کامیابی ہے۔ موسیٰؑ و فرعون کا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان معرکہ ہے، اور ایک جانب غرور و نخوت، جبر و ظلم اور قہرمانیت و انانیت کی ذلت و رسوائی ہے تو دوسری جانب مظلومیت، خداپرستی اور صبر و استقامت کی فتح و کامرانی کا عجیب و غریب منظر ہے۔ (۳۰۰) مشیت ایزدی نے اپنی خصوصی تائید سے موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ان کے دشمن کو ہلاک کیا اور ان کی قوم کو نجات دی۔

بائبل کا بیان

قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد عبرت و نصیحت اور دعوت و ارشاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ واقعہ قرآن کی مختلف سورتوں میں پھیلا ہوا ہے اور ہر جگہ موقع کی مناسبت سے حکمت و

Marfat.com

موعظت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے واقعات کی تفصیل کے لیے اسرائیلی روایات پر بھروسہ کیا ہے۔ محققین نے ان روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور ان میں سے صرف قابل اعتماد روایات کو نقل کیا ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں تفہیم القرآن، تدبر قرآن اور قصص القرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ان محترم مولفین نے اپنے اپنے انداز کے مطابق استفادہ کیا ہے اور بائبل کے بیانات کو اپنے ہاں جگہ دی ہے۔ ان میں سے مولانا امین احسن اصلاحی مقدمہ تدبر قرآن میں فہم قرآن کے خارجی وسائل میں قدیم آسمانی صحیفوں کو اہم مآخذ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں، تورات، زبور، انجیل کے حوالے ہیں۔ بہت سے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سرگزشتیں ہیں۔ بعض جگہ یہود و نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ اس طرح کے مواقع میں میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اس وجہ سے نہ تو یہ اہل کتاب پر حجت ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات و انجیل پر رکھی ہے۔ جس حد تک قرآن اور قدیم صحیفوں میں موافقت ہے وہ موافقت میں نے دکھا دی ہے اور جہاں فرق ہے وہاں قرآن کے بیان کی حجت و قوت واضح کر دی ہے...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اس طرح تورات، زبور اور انجیل بھی اللہ ہی کے اتارے ہوئے صحیفے ہیں۔ اگر ان کے بدقسمت حاملوں نے ان صحیفوں میں تحریفیں نہ کر دی ہوتیں تو یہ بھی اسی طرح ہمارے لیے رحمت و برکت تھے جس طرح قرآن ہے۔ لیکن ان تحریفات کے باوجود آج بھی اس کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بھی بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت سمجھنے میں جو مدد ان صحیفوں سے ملتی ہے وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے۔ خاص طور پر زبور، امثال اور انجیلوں کو پڑھیے تو ان کے اندر ایمان کو وہ غذا ملتی ہے جو قرآن و حدیث کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود ہیں وہ قرآن اور پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کیوں محروم ہیں۔ (۳۰۱)

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی بائبل پر کس درجہ اعتماد کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں انہوں نے جگہ جگہ کتاب خروج سے حوالے دیئے ہیں۔ بعض مقامات پر اس کی معلومات کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مولانا سیوہاروی ابن کثیر وغیرہ سے اسرائیلی روایات بھی نقل کرتے ہیں اور بائبل سے بھی نقل کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے انہوں نے نہ صرف کتاب خروج سے عبارات نقل کی ہیں بلکہ اس کی تفصیلات اپنے الفاظ میں بھی بیان کی ہیں۔ جہاں تطبیق ممکن تھی وہاں تطبیق کی کوشش کی ہے جہاں ممکن نہیں تھی وہاں

Marfat.com

تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ سید مودودیؒ کا رویہ مختلف ہے۔ انہوں نے گہری تنقیدی نظر سے دیکھا ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ انہوں نے تنقیدی تقابلی جائزے سے بائبل کی تحریفات کو واضح کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں ہم نے ان کی تنقیدات کو موقع بہ موقع نقل کیا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک اور اقتباس نقل کیا جائے جس سے نہ صرف یہ کہ ان کے رویہ کا پتہ چلے گا بلکہ واقعہ کی علمی و تاریخی حیثیت بھی معلوم ہوگی۔ سورہ طٰہٰ کی آیت ۷۹ کے تحت واقعہ موسیٰؑ کے اختتام پر لکھتے ہیں:

" اس قصے کے خاتمے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے بیانات کا بھی جائزہ لیا جائے تاکہ ان لوگوں کے جھوٹ کی حقیقت کھل جائے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے گئے ہیں۔ بائبل کی کتاب خروج (Exodus) میں اس قصے کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان کے حسب ذیل اجزاء قابل توجہ ہیں:

(۱) باب ۴، آیت ۲۔۵ میں بتایا گیا ہے کہ عصا کا معجزہ حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا تھا اور آیت ۱۷ میں انہی کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ " تو اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیے جا اور اس سے ان معجزوں کو دکھانا" مگر آگے جا کر نہ معلوم یہ لاٹھی کس طرح حضرت ہارون کے قبضے میں چلی گئی اور وہی اس سے معجزے دکھانے لگے۔ باب ۷ سے لے کر بعد کے ابواب میں مسلسل ہم کو حضرت ہارون ہی کی لاٹھی کے معجزے دکھائی دیتے نظر آتے ہیں۔

(۲) باب ۵ میں فرعون سے حضرت موسیٰؑ کی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے اور اس میں سرے سے اس بحث کا کوئی ذکر ہی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے مسئلے پر ان کے اور فرعون کے درمیان ہوئی تھی۔ فرعون کہتا ہے کہ " خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات مانوں اور بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں مانتا" مگر موسیٰؑ اور ہارونؑ اس کے سوا کچھ جواب نہیں دیتے کہ "عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے" (باب ۵ آیت ۲۔۳)

(۳) جادوگروں سے مقابلے کی پوری داستان بس ان چند فقروں میں سمیٹ دی گئی ہے:

" اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ جب فرعون تم کو کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون سے کہنا کہ اپنی لاٹھی لے کر فرعون کے سامنے ڈال دے تاکہ وہ سانپ بن جائے اور موسیٰؑ و ہارونؑ فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا اور ہارونؑ نے اپنی لاٹھی فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے ڈال دی اور وہ سانپ بن گئے۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے بھی اپنی لاٹھی سامنے ڈال دی وہ سانپ بن گئیں لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔ (باب ۷ آیت ۸۔۱۲)

Marfat.com

اس بیان کا مقابلہ قرآن کے بیان سے کر کے دیکھ لیا جائے کہ قصے کی ساری روح یہاں کس بری طرح فنا کی گئی ہے سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جشن کے دن کھلے میدان میں باقاعدہ چیلنج کے بعد مقابلہ ہونا، اور پھر شکست کے بعد جادوگروں کا ایمان لانا، جو قصے کی اصل جان تھا، سرے سے یہاں مذکور ہی نہیں۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا مطالبہ بنی اسرائیل کی رہائی اور آزادی تھی۔ بائبل کا بیان ہے کہ مطالبہ صرف یہ تھا کہ "ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں" (باب ۵۔ آیت ۳)

(۵) مصر سے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے کا مفصل حال باب ۱۱-۱۴ تک بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی۔ مثلاً باب ۱۴ کی آیات ۱۵۔۱۶ میں حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا جاتا ہے کہ " تو اپنی لاٹھی (جی ہاں، اب لاٹھی حضرت ہارون سے لے کر حضرت موسیٰؑ کو دے دی گئی ہے) اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے " لیکن آگے چل کر آیت ۲۱۔۲۲ میں کہا جاتا ہے کہ "پھر موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔" یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آیا یہ معجزہ تھا یا طبعی واقعہ؟ اگر معجزہ تھا تو عصا کی ضرب سے ہی رونما ہو گیا ہوگا، جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے اور اگر طبعی واقعہ تھا تو عجیب صورت ہے کہ مشرقی آندھی نے سمندر کو بیچ میں سے پھاڑ کر پانی کو دونوں طرف دیوار کی طرح کھڑا کر دیا اور بیچ میں سے خشک راستہ بنا دیا کیا فطری طریقے سے ہوا کبھی ایسے کرشمے دکھاتی ہے؟

تلمود کا بیان نسبتاً بائبل سے مختلف اور قرآن سے قریب تر ہے۔ مگر دونوں کا مقابلہ کرنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ ایک جگہ براہ راست علم وحی کی بناء پر واقعات بیان کیے جا رہے ہیں اور دوسری جگہ صدیوں کی سینہ بہ سینہ روایات میں واقعات کی صورت اچھی خاصی مسخ ہو گئی ہے۔(۳۰۲) ملاحظہ ہو:

(The Talmud Selections H-Polano, pp, 150-155.

بائبل کے واقعات و بیانات کے بارے میں ان بزرگوں کے رجحانات کو اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ قاری کے سامنے علماء کے علمی رویے آ جائیں تا کہ وہ ان بیانات کو پڑھتے ہوئے کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ ذیل میں ہم کتاب خروج کے متعلقہ ابواب کو نقل کرتے ہیں تا کہ واقعہ کی تفصیلات کو براہ راست معلوم کیا جا سکے اور انہیں پورے سیاق و سباق سے دیکھا جا سکے۔

Marfat.com

موسیٰ فرعون کے دربار میں

اس کے بعد موسیٰ اور ہارون نے جا کر فرعون سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ بیاباں میں میرے لیے عید کریں۔ فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات کو مان کر بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور میں بنی اسرائیل کو جانے بھی نہیں دوں گا۔ تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں یہ نہ ہو کہ وہ ہم میں وبا بھیج دے یا ہم کو تلوار سے مروا دے۔ تب مصر کے بادشاہ نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون تم کیوں ان لوگوں کو ان کے کام سے چھڑواتے ہو؟ تم جا کر اپنے اپنے بوجھ کو اٹھاؤ اور فرعون نے یہ بھی کہا کہ دیکھو یہ لوگ اس ملک میں بہت ہو گئے ہیں اور تم ان کو کام سے بٹھاتے ہو اور اسی دن فرعون نے بیگار لینے والوں اور سرداروں کو جو لوگوں پر تھے حکم کیا کہ اب آگے کو تم ان لوگوں کو اینٹیں بنانے کے لیے بھس نہ دینا جیسے اب تک دیتے رہے۔ وہ خود ہی جا کر اپنے لیے بھس بٹوریں اور ان سے اتنی ہی اینٹیں بنوانا جتنی وہ اب تک بناتے آئے ہیں تم اس میں سے کچھ نہ گھٹانا کیونکہ وہ کاہل ہو گئے ہیں اسی لیے چلا چلا کر کہتے ہیں کہ ہم کو جانے دو کہ ہم اپنے خدا کے لیے قربانی کریں۔ سو ان سے زیادہ سخت محنت لی جائے تا کہ کام میں مشغول رہیں اور جھوٹی باتوں سے دل نہ لگائیں تب بیگار لینے والوں اور سرداروں نے، جو لوگوں پر تھے، جا کر ان سے کہا کہ فرعون کہتا ہے میں تم کو بھس نہیں دینے کا۔ تم خود ہی جاؤ اور جہاں کہیں تم کو بھی بھس ملے وہاں سے لاؤ کیونکہ تمہارا کام کچھ بھی گھٹایا نہیں جائے گا چنانچہ وہ لوگ تمام ملک مصر میں مارے مارے پھرنے لگے کہ بھس کے عوض کھونٹی جمع کریں اور بیگار لینے والے یہ کہہ کر جلدی کراتے تھے کہ تم اپنا روز کا کام جیسے بھس پا کر کرتے تھے اب بھی کرو اور بنی اسرائیل میں سے جو جو فرعون کے بیگار لینے والوں کی طرف سے ان لوگوں پر سردار مقرر ہوئے ان پر مار پڑی اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا سبب ہے کہ تم نے پہلے کی طرح آج اور کل پوری پوری اینٹیں نہیں بنوائیں۔ تب ان سرداروں نے جو بنی اسرائیل میں سے مقرر ہوئے تھے فرعون کے آگے جا کر فریاد کی اور کہا کہ تو اپنے خادموں سے ایسا سلوک کیوں کرتا ہے۔ تیرے خادموں کو بھس تو دیا نہیں جاتا اور وہ ہم سے کہتے رہتے ہیں کہ اینٹیں بناؤ اور دیکھ تیرے خادم مار بھی کھاتے ہیں پر قصور تیرے لوگوں کا ہے۔ اس نے کہا تم سب کاہل ہو کاہل۔ اسی لیے تم کہتے ہو کہ ہم کو جانے دے کہ خداوند کے لیے قربانی کریں۔ سو اب تم جاؤ کام کرو کیونکہ بھس تم کو نہیں ملے گا اور اینٹوں کو تمہیں اسی حساب سے دینا پڑے گا۔ جب بنی اسرائیل کے سرداروں سے یہ کہا گیا کہ تم اپنی اینٹوں اور روزمرہ کے کام میں کچھ بھی کمی نہیں کرنے پاؤ گے تو وہ جان گئے کہ وہ کیسے وبال میں پھنسے ہوئے ہیں

Marfat.com

۔ جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لیے راستہ پر کھڑے ملے ۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھنونا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے ۔ تب موسیٰ خداوند کے پاس لوٹ کر گیا اور کہا کہ اے خداوند تو نے ان لوگوں کو کیوں دکھ میں ڈالا اور مجھے کیوں بھیجا کیونکہ جب سے میں فرعون کے پاس تیرے نام سے باتیں کرنے گیا تو اس نے ان لوگوں سے برائی ہی برائی کی اور تو نے ایسے لوگوں کو ذرا بھی رہائی نہیں بخشی ۔ (۳۰۳)

خدا کے وعدوں کی تجدید

تب خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ اب تو دیکھے گا کہ میں فرعون کے ساتھ کیا کرتا ہوں ۔ تب وہ زور آور ہاتھ کے سبب سے ان کو جانے دے گا اور زور آور ہاتھ ہی کے سبب سے وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے گا ۔

پھر خدا نے موسیٰؑ سے کہا میں خداوند ہوں اور میں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو خدائے قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنے یہوداہ کے نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا ۔ اور میں نے ان کے ساتھ اپنا عہد بھی باندھا ہے کہ ملک کنعان جو ان کی مسافرت کا ملک تھا اور جس میں وہ پردیسی تھے ان کو دوں گا اور میں نے بنی اسرائیل کے کراہنے کو بھی سن کر جن کو مصریوں نے غلامی میں رکھ چھوڑا ہے ۔ اپنے اس عہد کو یاد کیا ہے سو تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ میں خداوند ہوں اور میں تم کو مصریوں کے بوجھ کے نیچے سے نکال لوں گا اور میں تم کو ان کی غلامی سے آزاد کروں گا اور میں اپنا ہاتھ بڑھا کر اور ان کو بڑی بڑی سزائیں دے کر تم کو رہائی دوں گا ۔ اور میں تم کو لے لوں گا کہ میری قوم بن جاؤ اور میں تمہارا خدا ہوں گا اور تم جان لو گے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں جو تم کو مصریوں کے بوجھوں سے نیچے سے نکالتا ہوں اور جس ملک کو ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو دینے کی قسم میں نے کھائی تھی اس میں تم کو پہنچا کر اسے تمہاری میراث کر دوں گا ۔ خداوند میں ہوں اور موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو یہ باتیں سنا دیں پر انہوں نے دل کی کڑھن اور غلامی کی سختی کے سبب سے موسیٰؑ کی بات نہ سنی ۔

پھر خداوند نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ جا کر مصر کے بادشاہ فرعون سے کہہ کہ بنی اسرائیل کو اپنے ملک میں سے جانے دے ۔ موسیٰؑ نے خداوند سے کہا کہ دیکھ بنی اسرائیل نے تو میری سنی نہیں پس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں فرعون میری کیونکر سنے گا ۔ تب خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو بنی اسرائیل اور مصر کے بادشاہ فرعون کے حق میں اس مضمون کا حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال لے جائیں ۔ (۳۰۴)

Marfat.com

موسیٰ و ہارون کا نسب نامہ

ان کے آبائی خاندانوں کے سردار یہ تھے روبن جو اسرائیل کا پہلوٹھا تھا۔ اس کے بیٹے حنوک اور فلو اور حسرون اور کرمی تھے۔ یہ روبن کے گھرانے تھے۔ بنی شمعون یہ تھے۔ یموئیل اور یمین اور اہد اور یکین اور صحر اور ساؤل جو ایک کنعانی عورت سے پیدا ہوا تھا۔ یہ شمعون کے گھرانے تھے۔ بنی لاوی جس سے ان کی نسل چلی ان کے نام یہ ہیں۔ جیرسون اور قہات اور مراری۔ اور لاوی کی عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی۔ بنی جیرسون لبنی اور سمعی تھے ان ہی سے ان کے خاندان چلے۔ اور بنی قہات عمرام اور اضہار اور حبرون اور عزیل تھے اور قہات کی عمر ایک سو تینتیس برس کی ہوئی۔ اور بنی مراری محلی اور موشی تھے۔ لاویوں کے گھرانے جن سے ان کی نسل چلی یہی تھے اور عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا۔ اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے اور عمران کی عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی۔ بنی اضہار قورح اور نج اور زکری تھے اور بنی عزیئل میسائل اور الصفن اور ستری تھے اور ہارون نے نحسون کی بہن عمینداب کی بیٹی الیسبع سے بیاہ کیا۔ اس سے ندب اور ابیہو اور الیعزر اور اتمر پیدا ہوئے اور بنی قورح اسیر اور القنہ اور ابیاسف تھے اور یہ قورحیوں کے گھرانے تھے اور ہارون کے بیٹے الیعزر نے فوطیل کی بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ بیاہ کیا۔ اس سے فیخاس پیدا ہوا۔ لاویوں کے باپ دادا کے گھرانوں کے سردار جن سے ان کے خاندان چلے یہی تھے۔ یہ وہ ہارون اور موسیٰ ہیں جن کو خداوند نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو ان کے جتھوں کے مطابق ملک مصر سے نکال لے جاؤ۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے مصر کے بادشاہ فرعون سے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جائیں گے۔ یہ وہی موسیٰ اور ہارون ہیں۔ جب خداوند نے ملک مصر میں موسیٰ سے باتیں کیں تو یوں ہوا کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں خداوند ہوں جو کچھ میں تجھے کہوں تو اسے مصر کے بادشاہ فرعون سے کہنا۔ موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ دیکھ میرے تو ہونٹوں کا ختنہ نہیں ہوا۔ فرعون کیونکر میری سنے گا۔ (۳۰۵)

فرعون کے سامنے معجزات

پہلا معجزہ

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لیے گویا خدا ٹھہرایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا۔ جو جو حکم میں تجھے دوں سو تو کہنا اور تیرا بھائی ہارون اسے فرعون سے کہے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے ملک سے جانے دے اور میں فرعون کے دل کو سخت کرلوں گا اور اپنے نشان اور عجائب ملک مصر میں کثرت سے دکھاؤں گا۔ تو بھی فرعون تمہاری نہ سنے گا۔ تب میں مصر کو ہاتھ لگاؤں گا اور اسے بڑی بڑی

Marfat.com

سزائیں دے کر اپنے لوگوں، بنی اسرائیل کے جتھوں کو ملک مصر سے نکال لاؤں گا اور جب میں مصر پر ہاتھ چلاؤں گا اور بنی اسرائیل کو ان میں نکال لاؤں گا تب مصری جانیں گے کہ میں خداوند ہوں۔ موسیٰ اور ہارون نے جیسا خداوند نے ان کو حکم دیا، ویسا ہی کیا اور موسیٰ اسی برس اور ہارون تراسی برس کا تھا جب وہ فرعون سے ہم کلام ہوئے۔ اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ جب فرعون تم کو کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون سے کہنا کہ اپنی لاٹھی لے کر فرعون کے سامنے ڈال دے تاکہ وہ سانپ بن جائے اور موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا اور وہ سانپ بن گئی۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اپنی لاٹھی سامنے ڈالی اور وہ سانپ بن گئیں لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی اور فرعون کا دل سخت ہوگیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔ (۳۰۶)

پہلی آفت، پانی کا خون بن جانا

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کا دل متعصب ہے وہ ان لوگوں کو جانے نہیں دیتا۔ اب تو صبح کو فرعون کے پاس جا وہ دریا پر جائے گا سو تو اب دریا پر اس کی ملاقات کے لیے کھڑا رہنا اور جو لاٹھی سانپ بن گئی تھی اسے ہاتھ میں لے لینا اور اس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے مجھے تیرے پاس یہ کہنے کو بھیجا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیاباں میں میری عبادت کریں اور اب تک تو نے کچھ سماعت نہیں کی پس خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو اسی سے جان لے گا کہ میں خداوند ہوں۔ دیکھ میں اپنے ہاتھ کی لاٹھی کو دریا کے پانی پر ماروں گا اور وہ خون ہو جائے گا۔ اور جو مچھلیاں دریا میں مر جائیں گی اور دریا سے تعفن اٹھے گا اور مصریوں کو دریا کا پانی پینے سے کراہیت ہوگی اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے اور مصر میں جتنا پانی ہے یعنی دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں اور تالابوں پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ وہ خون بن جائیں اور سارے ملک مصر میں پتھر اور لکڑی کے برتنوں میں بھی خون ہی خون ہوگا اور موسیٰ اور ہارون نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا۔ اس نے لاٹھی اٹھا کر اسے فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے دریا کے پانی پر مارا اور دریا کا پانی سب خون ہوگیا اور دریا کی مچھلیاں مر گئیں اور دریا سے تعفن اٹھنے لگا اور مصری دریا کا پانی پی نہ سکے اور تمام ملک مصر میں خون ہی خون ہو گیا۔ تب مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا پر فرعون کا دل سخت ہوگیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی اور فرعون لوٹ کر اپنے گھر چلا گیا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور سب مصریوں نے دریا کے آس پاس پینے کے پانی کے لیے کوئیں کھود ڈالے کیونکہ وہ دریا کا پانی نہیں پی سکتے تھے اور جب سے خداوند نے دریا کو مارا اس کے بعد سات دن گزرے۔ (۳۰۷)

Marfat.com

دوسری آفت: مینڈک

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا اور اس سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ میری عبادت کریں اور اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تیرے ملک کو مینڈکوں سے ماروں گا اور دریا بے شمار مینڈکوں سے بھر جائے گا اور وہ آ کر تیرے گھر میں اور تیری آرمگاہ میں اور تیرے پلنگ پر اور تیرے ملازموں کے گھروں میں اور تیری رعیت پر اور تیرے تنوروں اور آٹا گوندھنے کے لگنوں میں گھستے پھریں گے اور تجھ پر اور تیری رعیت اور تیرے نوکروں پر چڑھ جائیں گے ۔اور خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں پر بڑھا اور مینڈکوں کو مصر پر چڑھا لا ۔ چنانچہ جتنا پانی مصر میں تھا اس پر ہارون نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور ملک مصر کو ڈھانک لیا اور جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا اور ملک مصر پر مینڈک چڑھا لائے ۔تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلا کر کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لیے قربانی کریں ۔موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ تجھے مجھ پر یہی فخر رہے! میں تیرے اور تیرے نوکروں اور تیری رعیت کے واسطے کب کے لیے شفاعت کروں کہ مینڈک تجھ سے اور تیرے گھر والوں سے دفع ہوں اور دریا ہی میں رہیں؟ اس نے کہا کل کے لیے ۔تب اس نے کہا تیرے ہی کہنے کے مطابق ہوگا تا کہ تو جانے کہ خداوند ہمارے خدا کی مانند کوئی نہیں اور مینڈک تجھ سے اور تیرے گھروں اور تیرے نوکروں سے اور تیری رعیت سے دور ہو کر دریا ہی میں رہا کریں گے ۔پھر موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس سے نکل کر چلے گئے اور موسیٰ نے خداوند سے مینڈکوں کے بارے میں جو اس نے فرعون پر بھیجے تھے فریاد کی اور خداوند نے موسیٰ کی درخواست کے موافق کیا اور سب گھروں اور صحنوں اور کھیتوں کے مینڈک مر گئے اور لوگوں نے ان کو جمع کر کر کے ڈھیر لگا دیئے اور زمین سے بدبو آنے لگی ۔ پر جب فرعون نے دیکھا کہ چھٹکارا مل گیا تو اس نے اپنا دل سخت کر لیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا ان کی نہ سنی ۔ (۳۰۸)

تیسری آفت: جوئیں

تب خداوند نے موسیٰؑ سے کہا ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی بڑھا کر زمین کی گرد کو مار تا کہ وہ تمام ملک مصر میں جوئیں بن جائے ۔انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور زمین کی گرد کو مارا اور انسان اور حیوان پر جوئیں ہوگئیں اور تمام ملک مصر میں زمین کی سر گرد جوئیں بن گئیں اور جادوگروں نے کوشش کی کہ اپنے جادو سے جوئیں پیدا کر سکیں پر نہ کر سکے اور انسان اور حیوان دونوں

Marfat.com

پر جوئیں چڑھی رہیں۔ تب جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے پر فرعون کا دل سخت ہو گیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔ (۳۰۹)

چوتھی آفت: مچھر

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا صبح سویرے اٹھ کر فرعون کے آگے جا کھڑا ہونا وہ دریا پر آئے گا سو تو اس سے کہنا خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے کہ وہ میری عبادت کریں ورنہ اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تجھ پر اور تیرے نوکروں اور تیری رعیت پر اور تیرے گھروں میں مچھروں کے غول کے غول بھیجوں گا اور مصریوں کے گھر اور تمام زمین جہاں جہاں وہ ہیں مچھروں کے غولوں سے بھر جائے گی۔ اور میں اس دن جشن کے علاقہ کو جس میں میرے لوگ رہتے ہیں جدا کروں گا اور اس میں مچھروں کے غول نہ ہوں گے تا کہ تو جان لے کہ دنیا میں خداوند میں ہی ہوں۔ اور میں اپنے لوگوں اور تیرے لوگوں میں فرق کروں گا اور کل تک یہ نشان ظہور میں آئے گا۔ چنانچہ خداوند نے ایسا ہی کیا اور فرعون کے گھر اور اس کے نوکروں کے گھروں اور سارے ملک مصر مین مچھروں کے غول کے غول بھر گئے اور ان مچھروں کے غولوں کے سبب سے ملک کا ناس ہو گیا۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا تم جاؤ اور اپنے خدا کے لیے اسی ملک میں قربانی کرو۔ موسیٰ نے کہا ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لیے اس چیز کی قربانی کریں گے جس سے مصری نفرت رکھتے ہیں ہوا گر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے اس چیز کی قربانی کریں جس سے وہ نفرت رکھتے ہیں تو کیا وہ ہم کو سنگسار نہ کر ڈالیں گے پس ہم تین دن کی راہ بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے جیسا وہ ہم کو حکم دے گا قربانی کریں گے۔ فرعون نے کہا میں تم کو جانے دوں گا تا کہ تم خداوند کے لیے بیابان میں قربانی کرو لیکن تم بہت دور مت جانا اور میرے لیے شفاعت کرنا۔ موسیٰ نے کہا دیکھ میں تیرے پاس سے جا کر خداوند سے شفاعت کروں گا کہ مچھروں کے غول فرعون اور اس کے نوکروں اور اس کی رعیت کے پاس سے کل ہی دور ہو جائیں فقط اتنا ہو کہ فرعون آگے کو دغا کر کے لوگوں کو خداوند کے لیے قربانی کرنے کو جانے دینے سے انکار نہ کر دے۔ اور موسیٰ نے فرعون کے پاس سے جا کر خداوند سے شفاعت کی۔ خداوند نے موسیٰ کی درخواست کے موافق کیا اور اس نے مچھروں کے غولوں کو فرعون اور اس کے نوکروں اور اس کی رعیت کے پاس سے دور کر دیا یہاں تک کہ ایک بھی باقی نہ رہا۔ فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کر لیا اور ان لوگوں کو جانے نہ دیا۔ (۳۱۰)

Marfat.com

پانچویں آفت: مری

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا فرعون کے پاس جا کر اس سے کہہ کہ خداوند عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ میری عبادت کریں کیونکہ اگر تو انکار کرے اور ان کو جانے نہ دے اور اب بھی ان کو روکے رکھے تو دیکھ خداوند کا ہاتھ تیرے چوپایوں پر جو کھیتوں میں ہیں یعنی گھوڑوں، گدھوں اونٹوں، گائے بیلوں اور بھیڑ بکریوں پر ایسا پڑے گا کہ ان میں بڑی بھاری مری پھیل جائے گی اور خداوند اسرائیل کے چوپایوں کو مصریوں کے چوپایوں سے جدا کرے گا اور جو بنی اسرائیل کے ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں مرے گا۔ خداوند نے ایک وقت مقرر کر دیا اور بتا دیا کہ کل خداوند اس ملک میں یہی کام کرے گا اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی کیا اور مصریوں کے سب چوپائے مر گئے لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا چنانچہ فرعون نے آدمی بھیجے تو معلوم ہوا کہ اسرائیلیوں کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہیں مرا ہے لیکن فرعون کا دل متعصب تھا اور اس نے لوگوں کو جانے نہ دیا۔ (۳۱۱)

چھٹی آفت: پھوڑے

اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ تم دونوں بھٹی کی راکھ اپنی مٹھیوں میں لے لو اور موسیٰ اسے فرعون کے سامنے آسمان کی طرف اڑا دے اور وہ سارے ملک مصر میں باریک گرد ہو کر مصر کے آدمیوں اور جانوروں کے جسم پر پھوڑے اور پھپھولے بن جائے گی۔ سو وہ بھٹی کی راکھ لے کر فرعون کے آگے جا کھڑے ہوئے اور موسیٰ نے اسے آسمان کی طرف اڑا دیا اور وہ آدمیوں اور جانوروں کے جسم پر پھوڑے اور پھپھولے بن گئی اور جادوگر پھوڑوں کے سبب سے موسیٰ کے آگے کھڑے نہ رہ سکے کیونکہ جادوگروں اور سب مصریوں کے پھوڑے نکلے ہوئے تھے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اس نے جیسا خداوند نے موسیٰ سے کہہ دیا تھا ان کی نہ سنی۔ (۳۱۲)

ساتویں آفت: اولے

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا صبح سویرے اٹھ کر فرعون کے آگے جا کھڑا ہو اور اسے کہہ کہ خداوند عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ میری عبادت کریں کیونکہ میں اب کی بار اپنی سب بلائیں تیرے دل اور تیرے نوکروں اور تیری رعیت پر نازل کروں گا تا کہ تو جان لے کہ تمام دنیا میں میری مانند کوئی نہیں ہے اور میں نے تو ابھی ہاتھ بڑھا کر تجھے اور تیری رعیت کو وبا سے مارا ہوتا اور تو زمین سے ہلاک ہو جاتا۔ پر میں نے تجھے فی الحقیقت اس لیے قائم رکھا ہے کہ اپنی قوت تجھے دکھاؤں تا کہ میرا نام ساری دنیا میں مشہور ہو جائے۔ کیا تو اب بھی میرے لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرتا ہے کہ ان

Marfat.com

کو جانے نہیں دیتا؟ اور دیکھ میں کل اسی وقت ایسے بڑے بڑے اولے برساؤں گا جو مصر میں جب سے اس کی بنیاد پڑی ہے آج تک نہیں پڑے۔ پس آدمی بھیج کر اپنے چوپایوں کو اور جو کچھ تیرا مال کھیتوں میں ہے اس کو اندر کر لے کیونکہ جتنے آدمی اور جانور میدان میں ہوں گے اور گھر میں پہنچائے نہیں جائیں گے ان پر اولے پڑیں گے اور وہ ہلاک ہو جائیں گے سو فرعون کے خادموں میں جو جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور چوپایوں کو گھر میں بھگا لے آیا اور جنہوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا انہوں نے اپنے نوکروں اور چوپایوں کو میدان میں رہنے دیا۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا تاکہ سب ملک مصر میں انسان اور حیوان اور کھیت کی سبزی پر جو ملک مصر میں ہے اولے گریں اور موسیٰ نے اپنی لاٹھی آسمان کی طرف اٹھائی اور خداوند نے رعد اور اولے بھیجے اور آگ زمین تک آنے لگی اور خداوند نے ملک مصر پر اولے برسائے۔ پس اولے گرے اور اولوں کے ساتھ آگ ملی ہوئی تھی اور وہ اولے ایسے بھاری تھے کہ جب سے مصری قوم آباد ہوئی تھی ایسے اولے ملک یں کبھی نہیں پڑے تھے اور اولوں نے سارے ملک مصر میں ان کو جو میدان میں تھے کیا انسان، کیا حیوان سب کو مارا اور کھیتوں کی ساری سبزی کو بھی اولے مار گئے اور میدان کے سب درختوں کو توڑ ڈالا مگر جشن کے علاقہ میں جہاں بنی اسرائیل رہتے تھے اولے نہیں گرے تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر ان سے کہا کہ میں نے اس دفعہ گناہ کیا۔ خداوند صادق ہے اور میں اور میری قوم ہم دونوں بدکار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو کیونکہ یہ زور کا گرجنا اور اولوں کا برسنا بہت ہو چکا اور میں تم کو جانے دوں گا اور تم اب رکے نہیں رہو گے۔ تب موسیٰ نے اس سے کہا کہ میں شہر سے باہر نکلتے ہی خداوند کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گا اور رعد موقوف ہو جائے گا اور اولے بھی پھر نہ پڑیں گے تاکہ تو جان لے کہ دنیا خداوند ہی کی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو اور تیرے نوکر اب بھی خداوند سے نہیں ڈریں گے۔ پس سن جو کو تو اولے مار گئے کیونکہ جو کی بالیں نکل چکی تھیں اور سن میں پھول لگے ہوئے تھے۔ پر گیہوں اور کٹھیا گیہوں مارے نہ گئے کیونکہ وہ بڑھے نہ تھے اور موسیٰ نے فرعون کے پاس سے شہر کے باہر جا کر خداوند کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ سو رعد اور اولے موقوف ہو گئے اور زمین پر بارش تھم گئی جب فرعون نے دیکھا کہ مینہ اور اولے اور رعد موقوف ہو گئے ہیں تو اس نے اور اس کے خادموں نے اور زیادہ گناہ کیا کہ اپنا دل سخت کر لیا اور فرعون کا دل سخت ہو گیا اور اس نے بنی اسرائیل کو جیسا خداوند نے موسیٰ کی معرفت کہہ دیا تھا جانے نہ دیا۔ (۳۱۳)

آٹھویں آفت: ٹڈیاں

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا کیونکہ میں نے ہی اس کے دل اور اس کے نوکروں کے

Marfat.com

دل کو سخت کر دیا ہے تاکہ میں اپنے یہ نشان ان کے بیچ دکھاؤں اور تو اپنے بیٹے اور اپنے پوتے کو میرے نشان اور وہ کام جو میں نے مصر میں ان کے درمیان کیے سنائے اور تم جان لو کہ خداوند میں ہی ہوں اور موسیٰ اور ہارون نے فرعون کے پاس جا کر اس سے کہا خدا عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تو کب تک میرے سامنے نیچا بننے سے انکار کرے گا؟ میرے لوگوں کو جانے دے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ورنہ اگر تو میرے لوگوں کو جانے نہ دے گا تو دیکھ کل میں تیرے ملک میں ٹڈیاں لے آؤں گا اور وہ زمین کی سطح کو ایسا ڈھانک لیں گی کہ کوئی زمین کو دیکھ بھی نہ سکے گا اور تمہارا جو کچھ اولوں سے بچ رہا ہے وہ اسے کھا جائیں گی اور تمہارے جتنے درخت میدان میں لگے ہیں ان کو بھی چٹ کر جائیں گی اور وہ تیرے اور تیرے نوکروں بلکہ سب مصریوں کے گھروں میں بھر جائیں گی اور ایسا تیرے آبا واجداد نے جب سے وہ پیدا ہوئے اس وقت سے آج تک نہ دیکھا ہوگا اور وہ لوٹ کر فرعون کے پاس سے چلا گیا۔ تب فرعون کے نوکر فرعون سے کہنے لگے کہ یہ شخص کب تک ہمارا لیے پھندا بنے رہے گا۔ ان لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ خداوند اپنے خدا کی عبادت کریں۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ مصر برباد ہو گیا۔

تب موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس بلائے گئے اور اس نے ان کو کہا کہ جاؤ اور خداوند اپنے خدا کی عبادت کرو پر وہ کون کون ہیں جو جائیں گے؟ موسیٰ نے کہا کہ ہم اپنے جوانوں اور بڈھوں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور اپنی بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں سمیت جائیں گے کیونکہ ہم کو اپنے خدا کی عید کرنی ہے۔ تب اس نے ان کو کہا کہ خداوند ہی تمہارے ساتھ رہے میں تو ضرور ہی تم کو بچوں سمیت جانے دوں گا۔ خبردار ہو جاؤ اس میں تمہاری خرابی ہے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہونے پائے گا سو تم مرد ہی مرد جا کر خداوند کی عبادت کرو کیونکہ تم یہی چاہتے تھے اور وہ فرعون کے پاس سے نکال دیئے گئے۔

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ملک مصر پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ ٹڈیاں ملک مصر پر آئیں اور ہر قسم کی سبزی کو جو اس ملک میں اولوں سے بچ رہی ہے چٹ کر جائیں۔ پس موسیٰ نے ملک مصر پر اپنی لاٹھی بڑھائی اور خداوند نے اس سارے دن اور ساری رات پروا آندھی چلائی اور صبح ہوتے ہوتے پروا آندھی ٹڈیاں لے آئی اور ٹڈیاں سارے ملک مصر پر چھا گئیں اور وہیں مصر کی حدود میں بسیرا کیا اور ان کا دل ایسا بھاری تھا کہ نہ تو ان سے پہلے ایسی ٹڈیاں کبھی آئیں نہ ان کے بعد پھر آئیں گی۔ کیونکہ انہوں نے تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہو گیا اور انہوں نے اس ملک کی ایک ایک سبزی کو اور درختوں کے میووں کو جو اولوں سے بچ گئے تھے چٹ کر لیا اور ملک مصر میں نہ تو کسی درخت کی نہ کھیت کی کسی سبزی کی ہریالی باقی رہی۔ تب فرعون نے جلد موسیٰ اور ہارون کو بلا کر کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں۔ سو فقط اس بار میرا گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ وہ صرف اس

Marfat.com

موت کو مجھ سے دور کر دے۔ سو اس نے فرعون کے پاس سے نکل کر خداوند سے شفاعت کی۔ اور خداوند نے پچھوا آندھی بھیجی جو ٹڈیاں اڑا کر لے گئی اور ان کو بحر قلزم میں ڈال دیا اور مصر کی حدود میں ایک ٹڈی بھی باقی نہ رہی۔ پر خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اس نے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا۔ (۳۱۴)

نویں آفت: تاریکی

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا تا کہ ملک مصر میں تاریکی چھا جائے۔ ایسی تاریکی جسے ٹٹول سکیں۔ اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھایا اور تین دن تک سارے ملک مصر میں گہری تاریکی رہی۔ تین دن تک نہ تو کسی نے کسی کو دیکھا اور نہ کوئی اپنی جگہ سے ہلا، پر سب بنی اسرائیل کے مکانوں میں اجالا رہا۔ تب فرعون نے موسیٰ کو بلوا کر کہا کہ تم جاؤ اور خداوند کی عبادت کرو فقط اپنی بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں کو یہیں چھوڑ جاؤ اور جو تمہارے بال بچے ہیں ان کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ موسیٰ نے کہا تجھے ہم کو قربانیوں اور سوختنی قربانیوں کے لیے جانور دینے پڑیں گے تا کہ ہم خداوند اپنے خدا کے آگے قربانی کریں۔ سو ہمارے چوپائے بھی ہمارے ساتھ جائیں گے اور ان کا ایک کھر تک بھی پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ ان ہی میں سے ہم کو خداوند اپنے خدا کی عبادت کا سامان لینا پڑے گا اور جب تک ہم وہاں پہنچ نہ جائیں ہم نہیں جانتے کہ کیا کیا لے کر ہم کو خداوند کی عبادت کرنی ہوگی۔ لیکن خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اس نے ان کو جانے ہی نہ دیا۔ اور فرعون نے اسے کہا میرے سامنے سے چلا جا اور ہوشیار رہ۔ پھر میرا منہ دیکھنے کو مت آنا کیونکہ جس دن تو نے میرا منہ دیکھا تو مارا جائے گا۔ تب موسیٰ نے کہا کہ تو نے ٹھیک کہا ہے میں پھر تیرا منہ کبھی نہ دیکھوں گا۔ (۳۱۵)

دسویں آفت کی دھمکی

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا میں فرعون اور مصریوں پر ایک بلا اور لاؤں گا اس کے بعد وہ تم کو یہاں سے جانے دے گا اور جب وہ تم کو جانے دے گا تو یقیناً تم سب کو یہاں سے بالکل نکال دے گا۔ سو اب تم لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے اور خداوند نے ان لوگوں پر مصریوں کو مہربان کر دیا اور یہ آدمی موسیٰ بھی ملک مصر میں فرعون کے خادموں کے نزدیک اور ان لوگوں کی نگاہ میں بڑا بزرگ تھا۔

پہلوٹھے تک اور سب چوپایوں کے پہلوٹھے مر جائیں گے۔ اور سارے ملک مصر میں ایسا بڑا ماتم ہوگا جیسا نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ پھر کبھی ہوگا۔ لیکن اسرائیلیوں میں سے کسی پر خواہ انسان ہو یا خواہ حیوان ایک کتا بھی نہیں بھونکے گا تم جان لو کہ خداوند مصریوں اور اسرائیلیوں میں کیسا فرق کرتا ہے اور تیرے یہ سب نوکر

Marfat.com

میرے پاس آ کر میرے آگے سرنگوں ہوں گے اور کہیں گے کہ تو بھی نکل اور تیرے سب پیرو بھی نکلیں اور اس کے بعد میں نکل جاؤں گا اور یہ کہہ کر وہ بڑے طیش میں فرعون کے پاس سے نکل کر چلا گیا۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون تمہاری اسی سبب سے نہیں سنے گا تا کہ عجائب ملک مصر میں بہت زیادہ ہو جائیں۔ اور موسیٰ اور ہارون نے یہ کرامات فرعون کو دکھائیں اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا۔ (۳۱۶)

فسح

پھر خداوند نے ملک مصر میں موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ یہ مہینہ تمہارے لیے مہینوں کا شروع اور سال کا پہلا مہینہ ہو۔ پس اسرائیلیوں کی ساری جماعت سے کہہ دو کہ اسی مہینے کے دسویں دن ہر شخص اپنے آبائی خاندان کے مطابق گھر پیچھے ایک برہ لے۔ اور اگر کسی کے گھرانے میں برہ کو کھانے کے لیے آدمی کم ہوں تو وہ اور اس کا ہمسایہ جو اس کے گھر کے برابر رہتا ہو دونوں مل کر نفری کے شمار کے موافق ایک برہ لے رکھیں تم ہر ایک آدمی کے کھانے کی مقدار کے مطابق برہ کا حساب لگانا۔ تمہارا برہ بے عیب اور یکسالہ نر ہو اور ایسا بچہ ہو یا تو بھیڑوں میں سے چن کر لینا یا بکریوں میں سے۔ اور تم اسے اس مہینے کی چودھویں تک رکھ چھوڑنا اور اسرائیلیوں کے قبیلوں کی ساری جماعت شام کو اسے ذبح کرے اور تھوڑا سا خون لے کر جن گھروں میں وہ اسے کھائیں ان کے دروازوں کے دونوں بازوؤں اور اوپر کی چوکھٹ پر لگا دیں اور وہ اس کے گوشت کو اسی رات آگ پر بھون کر بے خمیری روٹی اور کڑوے ساگ پات کے ساتھ کھا لیں۔ اسے کچا یا پانی میں ابال کر ہرگز نہ کھانا بلکہ اس کو سر اور پائے اور اندرونی اعضا سمیت آگ پر بھون کر کھانا اور اس میں سے کچھ بھی صبح تک باقی نہ چھوڑنا اور اگر کچھ اس میں سے صبح تک باقی رہ جائے تو اسے آگ میں جلا دینا اور تم اسے اس طرح کھانا اپنی کمر باندھے اور اپنی جوتیاں پاؤں میں پہنے اور اپنی لاٹھی ہاتھ میں لیے ہوئے تم اسے جلدی جلدی کھانا کیونکہ یہ فسح خداوند کی ہے اس لیے کہ میں اس رات ملک مصر سے ہو کر گزروں گا اور انسان اور حیوان کے سب پہلوٹھوں کو جو ملک مصر میں ہیں ماروں گا اور مصر کے سب دیوتاؤں کو بھی سزا دوں گا۔ میں خداوند ہوں اور جن گھروں میں تم ہو ان پر وہ خون تمہاری طرف سے نشان ٹھہرے گا اور میں اس خون کو دیکھ کر تم کو چھوڑتا جاؤں گا اور جب میں مصریوں کو ماروں گا تو وبا تمہارے پاس پھٹکنے کی بھی نہیں کہ تم کو ہلاک کرے۔ اور وہ دن تمہارے لیے ایک یادگار ہوگا اور تم اس کو خداوند کی عید کا دن سمجھ کر ماننا۔ تم اسے ہمیشہ کی رسم کر کے اس دن کو نسل درنسل عید کا دن ماننا۔ سات دن تک تم بے خمیری روٹی کھانا اور پہلے ہی دن سے خمیر اپنے اپنے گھر سے باہر کر دینا اس

Marfat.com

لیے کہ جو کوئی پہلے دن سے ساتویں دن وہ خمیری روٹی کھائے وہ شخص اسرائیل میں سے کاٹ ڈالا جائے گا اور پہلے دن تمہارا مقدس مجمع ہو اور ساتویں دن بھی مقدس مجمع ہو۔ ان دونوں دنوں میں کوئی کام نہ کیا جائے سوائے اس کھانے کے جسے ہر ایک آدمی کھائے فقط یہی کیا جائے اور تم بے خمیری روٹی کی یہ عید منانا کیونکہ میں اسی دن تمہارے جتھوں کو ملک مصر سے نکال لوں گا۔ اس لیے تم اس دن کو ہمیشہ کی رسم کر کے نسل در نسل ماننا۔ پہلے مہینے کی چودھویں تاریخ کی شام سے اکیسویں تاریخ کی شام تک تم بے خمیری روٹی کھانا۔ سات دن تک تمہارے گھروں میں کچھ بھی خمیر نہ ہو کیونکہ جو کوئی کسی خمیری چیز کو کھائے وہ خواہ مسافر ہو یا خواہ اس کی پیدائش اسی ملک کی ہو اسرائیل کی جماعت سے کاٹ ڈالا جائے گا تم کوئی خمیری چیز نہ کھانا بلکہ اپنی سب بستیوں میں بے خمیری روٹی کھانا۔

تب موسیٰ نے اسرائیل کے سب بزرگوں کو بلوا کر ان کو کہا کہ اپنے اپنے خاندان کے مطابق ایک ایک برہ نکال رکھو اور یہ فسح کا برہ ذبح کرنا اور تم زوفے کا ایک گچھا لے کر اس خون میں جو باسن میں ہو گا ڈبونا اور اس باسن کے خون میں سے کچھ اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر لگا دینا اور تم میں سے کوئی صبح تک اپنے گھر کے دروازہ سے باہر نہ جائے کیونکہ خداوند مصریوں کو مارتا ہوا گزرے گا اور جب خداوند اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر خون دیکھے گا تو وہ اس دروازہ کو چھوڑ جائے گا اور ہلاک کرنے والے کو تم کو مارنے کے لیے گھر کے اندر آنے نہ دے گا اور تم اس بات کو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ کی رسم کر کے ماننا اور جب تم اس ملک میں جو خداوند تم کو اپنے وعدہ کے موافق دے گا داخل ہو جاؤ تو اس عبادت کو برابر جاری رکھنا۔ اور جب تمہاری اولاد تم سے پوچھے کہ اس عبادت سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ تو تم یہ کہنا کہ یہ خداوند کی فسح کی قربانی ہے جو مصر میں مصریوں کو مارتے وقت بنی اسرائیل کے گھروں کو چھوڑ گیا اور یوں ہمارے گھروں کو بچا لیا۔ تب لوگوں نے سر جھکا کر سجدہ کیا اور بنی اسرائیل نے جا کر جیسا خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو فرمایا تھا ویسا ہی کیا۔ (۳۱۷)

دسویں آفت: پہلوٹھوں کا قتل

اور آدھی رات کو خداوند نے ملک مصر کے سب پہلوٹھوں کو فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پہلوٹھے سے لے کر وہ قیدی جو قید خانہ میں تھا اس کے پہلوٹھے تک بلکہ چوپایوں کے پہلوٹھوں کو بھی ہلاک کر دیا اور فرعون اور اس کے سب نوکر اور سب مصری رات ہی کو اٹھ بیٹھے اور مصر میں بڑا کہرام مچا کیونکہ ایک بھی ایسا گھر نہ تھا جس میں کوئی نہ مرا ہو تب اس نے رات ہی رات میں موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر میری قوم کے لوگوں میں سے نکل جاؤ اور جیسا کہتے ہو جا کر خداوند کی عبادت کرو

Marfat.com

اور اپنے کہنے کے مطابق اپنی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل بھی لیتے جاؤ اور میرے لیے بھی دعا کرنا اور مصری ان لوگوں سے بجد ہونے لگے تا کہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر چلتا کریں کیونکہ وہ سمجھے کہ ہم سب مر جائیں گے۔ سو ان لوگوں نے اپنے گندھے گندھائے آٹے کو بغیر خمیر دیئے لگنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر دھر لیا اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں نے دے دیا۔ سو انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔ (۳۱۸)

بنی اسرائیل کی روانگی

اور بنی اسرائیل نے رعمیسس سے سکات تک پیدل سفر کیا اور بال بچوں کے علاوہ وہ کوئی چھ لاکھ مرد تھے اور ان کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور بہت چوپائے ان کے ساتھ تھے اور انہوں نے اس گندھے ہوئے آٹے کی جسے وہ مصر سے لائے تھے بے خمیری روٹیاں پکائیں کیونکہ وہ اس میں خمیر دینے نہ پائے تھے اس لیے کہ وہ مصر سے ایسے جبراً نکال دیئے گئے کہ وہاں ٹھہر نہ سکے اور نہ کچھ کھانا اپنے لیے تیار کرنے پائے اور بنی اسرائیل کو مصر میں بود و باش کرتے ہوئے چار سو تیس برس ہوئے تھے۔

اور ان چار سو تیس برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا سارا لشکر ملک مصر سے نکل گیا۔ یہ وہ رات ہے جسے خداوند کی خاطر ماننا بہت مناسب ہے کیونکہ اس میں وہ ان کو ملک مصر سے نکال لایا۔ خداوند کی یہ وہی رات ہے جسے لازم ہے کہ سب بنی اسرائیل نسل در نسل خوب مانیں۔

پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ فسح کی رسم یہ ہے کہ کوئی بیگانہ اسے کھانے نہ پائے لیکن اگر کوئی شخص کسی کا زر خرید غلام ہو اور تو نے اس کا ختنہ کر دیا ہو تو وہ اسے کھائے پر اجنبی اور مزدور اسے کھانے نہ پائے اور اسے ایک ہی گھر میں کھائیں یعنی اس کا ذرا بھی گوشت تو گھر سے باہر نہ لے جانا اور نہ تم اس کی کوئی ہڈی توڑنا۔ اسرائیل کی ساری جماعت اس پر عمل کرے اور اگر کوئی اجنبی تیرے ساتھ مقام ہو اور خداوند کی فسح ماننا چاہتا ہو تو اس کے ہاں کے سب مرد اپنا ختنہ کرائیں تب وہ پاس آ کر فسح کرے۔ یوں وہ ایسا سمجھا جائے گا گویا اسی ملک کی اس کی پیدائش ہے پر کوئی نامختون آدمی اسے کھانے نہ پائے۔ وطنی اور اس اجنبی کے لیے جو تمہارے بیچ مقیم ہو ایک ہی شریعت ہوگی پس سب بنی اسرائیل نے جیسا خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو فرمایا ویسا ہی کیا اور ٹھیک اسی روز خداوند بنی اسرائیل کے سب جتھوں کو ملک مصر سے نکال لے لیا۔ (۳۱۹)

Marfat.com

شرع فطر

اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ سب پہلوٹھوں کو یعنی جو بنی اسرائیل میں خواہ انسان ہو خواہ حیوان پہلوٹھی کے بچے ہوں ان کو میرے لیے مقدس ٹھہرا کیونکہ وہ میرے ہیں۔

اور موسیٰ نے لوگوں سے کہا کہ تم اس دن کو یاد رکھنا جس میں تم مصر سے جو غلامی کا گھر ہے نکلے کیونکہ خداوند اپنے زور بازو سے تم کو وہاں سے نکال لایا۔ اس میں خمیری روٹی کھائی نہ جائے۔ تم ابیب کے مہینے میں آج کے دن نکلے ہو۔ سو جب خداوند تجھ کو کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں پہنچا دے جسے تجھ کو دینے کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی تھی اور جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے تو تو اسی مہینے میں یہ عبادت کیا کرنا۔ سات دن تک تو تو بے خمیری روٹی کھانا اور ساتویں دن خداوند کی عید منانا۔ بے خمیری روٹی ساتویں دن کھائی جائے اور خمیری روٹی تیرے پاس دکھائی بھی نہ دے اور تیرے ملک کی حدود میں کہیں کچھ خمیر نظر آئے۔ اور تو اس روز اپنے بیٹے کو یہ بتانا کہ اس دن کو میں اس کام کے سبب سے مانتا ہوں جو خداوند نے میرے لیے اس وقت کیا جب میں مصر سے نکلا اور یہی تیرے پاس گویا تیرے ہاتھ میں ایک نشان اور تیری دونوں آنکھوں کے سامنے ایک یادگار ٹھہرے تاکہ خداوند کی شریعت تیری زبان پر ہو کیونکہ خداوند نے تجھ کو اپنے زور بازو سے ملک مصر سے نکالا۔ پس تو اس رسم کو اسی وقت معین میں سال بسال ماناکرنا۔ (۳۲۰)

پہلوٹھوں کی شرع

اور جب خداوند اس قسم کے مطابق جو اس نے تجھ سے اور تیرے باپ دادا سے کھائی تجھ کو کنعانیوں کے ملک میں پہنچا کر وہ ملک تجھ کو دے دے تو تو پہلوٹھی کے بچوں کو اور جانوروں کے پہلوٹھوں کو خداوند کے لیے الگ کر دینا۔ یہ سب نر بچے خداوند کے ہوں گے اور گدھے کے پہلے بچے کے فدیہ میں برہ دینا ہو اور اگر تو اس کا فدیہ نہ دے تو اس کی گردن توڑ ڈالنا اور تیرے بیٹوں میں جتنے پہلوٹھے ہوں ان سب کا فدیہ تجھ کو دینا ہوگا۔ اور جب آئندہ زمانہ میں تیرا بیٹا تجھ سے سوال کرے کہ یہ کیا ہے؟ تو تو اسے یہ جواب دینا کہ خداوند ہم کو مصر سے جو غلامی کا گھر ہے بزور بازو نکال لایا اور جب فرعون نے ہم کو جانے دینا نہ چاہا تو خداوند نے ملک مصر میں انسان اور حیوان دونوں کے پہلوٹھے مار دیئے اس لیے میں جانوروں کے سب نر بچوں کو جو اپنی ماں کے رحم کو کھولتے ہیں خداوند کے آگے قربانی کرتا ہوں لیکن اپنے بیٹوں کے سب پہلوٹھوں کا فدیہ دیتا ہوں۔ اور یہ تیرے ہاتھ پر ایک نشانی اور تیری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں کیونکہ خداوند اپنے زور بازو سے ہم کو مصر سے نکال لایا۔

Marfat.com

اور جب فرعون نے ان لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی تو خدا ان کو فلستیوں کے ملک کے راستہ سے نہیں لے گیا اگرچہ ادھر سے نزدیک پڑتا کیونکہ خدا نے کہا ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ لڑائی بھڑائی دیکھ کر پچھتانے لگیں اور مصر کو لوٹ جائیں۔

بلکہ خدا ان کو چکر کھلا کر بحر قلزم کے بیابان کے راستے سے لے گیا اور بنی اسرائیل ملک مصر سے مسلح نکلے تھے اور موسیٰ یوسفؑ کی ہڈیوں کو ساتھ لیتا گیا کیونکہ اس نے بنی اسرائیل سے یہ کہہ کر کہ خدا ضرور تمہاری خبر لے گا اس بات کی سخت قسم لی تھی کہ تم یہاں سے میری ہڈیاں اپنے ساتھ لیتے جانا اور انہوں نے سکات سے کوچ کر کے بیابان کے کنارے ایتام میں ڈیرا کیا۔ اور خداوند ان کو دن کو راستہ دکھانے کے لیے بادل کے ستون میں اور رات کو روشنی دینے کے لیے آگ کے ستون میں ہو کر ان کے آگے آگے چلا کرتا تھا تا کہ وہ دن اور رات دونوں میں چل سکیں۔ وہ بادل کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو ان لوگوں کے آگے سے ہٹتا نہ تھا۔ (۳۲۱)

بحر قلزم کا عبور

اور خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو حکم دے کہ وہ لوٹ کر مجدال اور سمندر کے بیچ میں فی ہیجروت کے مقابل بعل صفون کے آگے ڈیرے لگائیں۔ اسی کے آگے سمندر کے کنارے کنارے ڈیرے لگانا۔ فرعون بنی اسرائیل کے حق میں کہے گا کہ وہ زمین کی الجھنوں میں آ کر بیاباں میں گھر گئے ہیں اور میں فرعون کے دل کو سخت کروں گا اور وہ ان کا پیچھا کرے گا اور میں فرعون اور اس کے سارے لشکر پر ممتاز ہوں گا اور مصری جان لیں گے کہ خداوند میں ہوں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مصر کے بادشاہ کو خبر ملی کہ وہ لوگ چل دیئے تو فرعون اور اس کے خادموں کا دل ان لوگوں کی طرف سے پھر گیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا کیا کہ اسرائیلیوں کو اپنی خدمت سے چھٹی دے کر ان کو جانے دیا۔ تب اس نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لیا اور اس نے چھ سو چنے ہوئے رتھ بلکہ مصر کے سب رتھ لیے اور ان سبھوں میں سرداروں کو بٹھایا اور خداوند نے مصر کے بادشاہ فرعون کے دل کو سخت کر دیا اور اس نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا کیونکہ بنی اسرائیل بڑے فخر سے نکلے تھے اور مصری فوج نے فرعون کے سب گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں سمیت ان کا پیچھا کیا اور ان کو جب وہ سمندر کے کنارے فی ہیجروت کے پاس بعل صفون کے سامنے ڈیرا لگا رہے تھے جا لیا۔ اور جب فرعون نزدیک آ گیا تب بنی اسرائیل نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ مصری ان کا پیچھا کیے چلے آتے ہیں اور وہ نہایت خوف زدہ ہو گئے تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی اور موسیٰ سے کہنے لگے کہ کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لیے بیابان میں لے آیا ہے؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے

Marfat.com

مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ تب موسیٰ نے لوگوں سے کہا ڈرومت۔ چپ چاپ کھڑے ہو کر خداوند کی نجات کے کام کو دیکھو جو وہ آج تمہارے لیے کرے گا کیونکہ جن مصریوں کو تم آج دیکھتے ہو ان کو پھر کبھی ابد تک نہ دیکھو گے۔ خداوند تمہاری طرف سے جنگ کرے گا اور تم خاموش رہو گے۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو کیوں مجھ سے فریاد کر رہا ہے۔ بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ آگے بڑھیں اور تو اپنی لاٹھی اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے اور دیکھ میں مصریوں کے دل سخت کر دوں گا اور وہ ان کا پیچھا کریں گے اور میں فرعون اور اس کی سپاہ اور اس کے ساتھ رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہوں گا اور جب میں فرعون اور اس کے رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہو جاؤں گا تو مصری جان لیں گے کہ میں ہی خداوند ہوں۔
اور خدا کا فرشتہ جو اسرائیلی لشکر کے آگے آگے چلا کرتا تھا جا کر ان کے پیچھے ہو گیا اور بادل کا وہ ستون ان کے سامنے سے ہٹ کر ان کے پیچھے جا ٹھہرا۔ یوں وہ مصریوں کے لشکر اور اسرائیلی لشکر کے بیچ میں ہو گیا۔ سو وہاں بادل بھی تھا اور اندھیرا بھی تو رات کو بھی اس سے روشنی رہی۔
پس وہ رات بھر ایک دوسرے کے پاس نہیں آئے۔ پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا اور مصریوں نے تعاقب کیا اور فرعون کے سب گھوڑے اور رتھ اور سوار ان کے پیچھے پیچھے سمندر کے بیچ میں چلے گئے۔ اور رات کے پچھلے پہر خداوند نے آگ اور بادل کے ستون میں سے مصریوں کے لشکر پر نظر کی اور ان کے لشکر کو گھبرا دیا اور اس نے ان کے رتھوں کے پہیوں کو نکال ڈالا۔ سو ان کا چلانا مشکل ہو گیا تب مصری کہنے لگے آؤ ہم اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگیں کیونکہ خداوند ان کی طرف سے مصریوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا تا کہ پانی مصریوں اور ان کے رتھوں اور سواروں پر پھر بہنے لگے اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوتے سمندر پھر اپنی اصلی قوت پر آ گیا اور مصری الٹے بھاگنے لگے۔ خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ و بالا کر دیا اور پانی پلٹ کر آیا اور اس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا۔ پر بنی اسرائیل سمندر کے بیچ

Marfat.com

میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور پانی ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح رہا سو خداوند نے اس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے اس طرح بچایا اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا اور اسرائیلیوں نے وہ بڑی قدرت جو خداوند نے مصریوں پر ظاہر کی دیکھی اور وہ لوگ خداوند سے ڈرے اور خداوند پر اور اس کے بندہ موسیٰ پر ایمان لائے۔ (۳۲۲)

خروج کا پندرھواں باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نغمہ نصرت پر مشتمل ہے۔ جس میں اللہ کی تعریف اور فرعون اور اس کے سرداروں کی ہلاکت اور غرقابی کی منظر کشی بھی ہے اور اس طرح اظہار مسرت بھی۔ بائبل کے اس طویل اقتباس کو پڑھتے وقت ان تنقیدی اشارات پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈال لیں جو سید مودودیؒ کے حوالے سے ہم نے لکھے ہیں تاکہ قرآن پاک کے صاف ستھرے اسلوب کی حیثیت مزید واضح ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعوتی ذمہ داریوں کا ایک دور یہاں ختم ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ جدوجہد کا ایک عظیم دور تھا انہیں تاریخ کے سب سے بڑے مجرم کا سامنا تھا جس کی مادی قوت اور جاہ و حشمت کی کوئی مثال نہ تھی لیکن اس فقیر کشور گیر نے تائید ایزدی سے اس کے کبر و غرور کو خاک میں ملا دیا اور عزم و ہمت اور صبر و استقامت کی شاندار مثال قائم کی۔ کارِ دعوت کا یہ دور اپنے اختصاص کے باعث ہمیشہ خصوصی مطالعے کا موضوع رہے گا۔ قلزم کو عبور کرنے کے بعد سے نیا دور شروع ہوتا ہے جو اس مطالعے کا دوسرا حصہ ہے لیکن اسے شروع کرنے سے پہلے اس حصہ کے دو ایک اہم موضوعات پر گفتگو ضروری ہے اور یہ ہیں معجزہ و سحر کا فرق اور ہامان کی شخصیت۔ علمی و دعوتی نقطہ نظر سے ان کے بارے میں مختصر گفتگو ضروری ہے۔

معجزہ و سحر کا فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بار بار آیا ہے کہ وہ جادوگر ہیں۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے نہ صرف انہیں جادوگر کہا بلکہ ان کے مقابلے کے لیے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ گو یہ جادوگر مسلمان ہو گئے لیکن پھر بھی فرعونی حضرت موسیٰؑ کو ساحر ہی کہتے رہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ معجزہ اور سحر کے فرق کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

سحر

سحر کے لغوی معنی امر خفی کے ہیں۔ چنانچہ صبح کے اول وقت کو سحر اس لیے کہتے ہیں کہ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نمودار نہیں ہوئی اور قدرے تاریکی ہے۔ چونکہ اس کے مفہوم میں حقیقت اور ظاہر میں فرق شامل ہے اس لیے

Marfat.com

یہ فریب اور فریفتہ کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ علمی طور پر اس سے مراد ایسے عجیب وغریب امور کا اظہار ہے جن کے ظاہر ہونے کے اسباب مخفی ہوں اور بادی النظر میں محسوس نہ ہوتے ہوں۔ امام رازی کے الفاظ میں:

اعلم ان لفظ السحر فی عرف الشرع مختص بکل امر یخفی سببه و یتخیل علی غیر حقیقة (۱)

جان لو کہ لفظ "سحر" شریعت کی اصطلاح میں ایسے امر کے لیے مخصوص ہے جس کا سبب پوشیدہ ہو اور وہ اصل حقیقت کے خلاف خیال میں آنے لگے۔

سحر کی حقیقت

سحر کی حقیقت کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ جمہور اہلِ سنت کی یہ رائے ہے کہ سحر واقعی ایک حقیقت ہے اور مضرت رساں اثرات رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس طرح مضرت رساں اثرات رکھے ہیں جس طرح زہر یا دوسری نقصان رساں اشیاء میں ہیں لیکن قدرت الٰہی سے بے نیاز ہو کر اس کے موثر بالذات ہونے کا عقیدہ کفر ہے۔ امام ابوحنیفہ، ابوبکر جصاص، ابواسحاق، اسفرائنی، ابن حزم ظاہری اور معتزلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سحر بے حقیقت شے ہے یہ محض فریب خیال اور شعبدہ نظر بازی ہے چنانچہ ابوبکر رازی لکھتے ہیں:

ومتی اطلق فهو اسم لکل امر مموه باطل لاحقیقة له و لا ثبات (۲)

اور جب لفظ سحر کو کسی قید کے بغیر استعمال کیا جائے تو وہ ایک ایسے امر کا نام ہے جو محض دھوکہ اور باطل ہو کہ جس کی اس سے زیادہ نہ کوئی حقیقت ہو اور نہ اس کو ثبات حاصل ہو۔

ابن کثیر نے امام رازی کے حوالے سے سحر کے متعلق بعض تفصیلات ذکر کی ہیں۔ وہ اس کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قد ذکر الوزیر ابوالمظفر یحیی بن محمد بن هبیره فی کتابه الاشراف فی مذهب الاشراف بابا فی السحر فقال اجمعوا علی ان السحر له حقیقة الا ابا حنیفة فانه قال لا حقیقة ...... قال ابوعبیده الله القرطبی وعندنا ان السحر حق و له حقیقة ویخلق الله عنده ما یشاء خلافا للمعتزلة و ابی اسحاق الاسفرائینی من الشافعیة حیث قالوا انه تسویه او تخیل (۳)

وزیر ابوالمظفر یحیی بن محمد بن ھبیرہ نے اپنی کتاب "الاشراف فی مذهب الاشراف" میں ایک باب سحر کے متعلق بھی لکھا ہے اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سحر کی بھی حقائق کی طرح ایک حقیقت ہے مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں...... ابوعبداللہ قرطبی

Marfat.com

کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سحر حقیقت ہے اور ایک واقعی شئے ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ مگر معتزلہ اور شوافع میں سے ابو اسحاق اسفرائنی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ سحر محض فریب نظر اور خیال بندی کا نام ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس اختلاف رائے کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

واختلف في السحر فقيل هو تخيل فقط ولا حقيقة له و هذا اختيار ابى جعفر الاستر ابادى من الشافعية و ابى بكر الرازى من الحنيفة و ابن حزم الظاهرى و طائفة قال النووى والصحيح ان له حقيقة و به قطع الجمهور و عليه عامة العلماء (۴)

اور سحر کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ فقط تخیل کا نام ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ ابو جعفر استر ابادی شافعی، ابوبکر رازی حنفی اور ابن حزم ظاہری اور ایک چھوٹی جماعت کا خیال ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ سحر حقائق میں سے ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور اسی پر یقین رکھتے ہیں اور عام علماء کا یہی مسلک ہے۔

علماء نے ایک اور پہلو سے بھی بحث کی ہے اور وہ ہے اشیاء کی ماہیت تبدیل ہونا۔ کیا سحر سے اشیاء کی ماہیت تبدیل ہوتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ ایک مختصر سے گروہ اس تبدیلی ماہیت کا قائل ہے لیکن جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ اس میں یہ تاثیر قطعاً نہیں ہے کہ وہ ماہیت کا انقلاب برپا کر دے۔ اس مرحلہ پر صرف نظر بندی اور شعبدہ بازی ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لكن محل النزاع هل يقع بالسحر انقلاب عين اولا فمن قال انه تخييل فقط منع ذلك ومن قال ان له حقيقة اختلفوا هل له تاثير فقط بحيث يغير المزاج فيكون نوعا من الامراض اوينتهى الى حالة بحيث يصيرا الجماد حيوانا مثلا و عكسه فالذى عليه الجمهور هو الاول وذهبت طائفة قليلة الى الثانى (۵)

لیکن محل نزاع یہ امر ہے کہ سحر سے چیز کی حیثیت بدل جاتی ہے یا نہیں پس جس شخص نے یہ کہا ہے کہ محض تخیل کا نام ہے وہ تو انقلاب سے منکر ہیں اور جو سحر کو حقیقت مانتے ہیں ان کے ہاں بھی اختلاف ہے کہ آیا سحر کی تاثیر اسی حد تک ہے کہ مزاج میں اس قسم کے تغیرات پیدا کر دے جس طرح امراض میں ہوا کرتا ہے اور وہ بھی ایک مرض شمار ہو یا اس کی تاثیر اس سے زیادہ ہے کہ ایک شئے کی حقیقت کو بدل ڈالے مثلاً جماد کو حیوان بنا دے یا اس کا عکس کر دے۔ جمہور پہلی بات کے قائل ہیں جبکہ ایک چھوٹی سی جماعت دوسری بات کی۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ کائنات کی مختلف اشیاء میں تاثیر اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ اس طرح اسباب کے

Marfat.com

تحت نفع ونقصان پہنچانے میں قوانین الٰہی کے مطابق شیاطین انس وجن، اسباب کے تحت متصرف ہوتے ہیں، اشیاء کی طرح الفاظ وکلام میں بھی تاثیر ہوسکتی ہے۔سید مودودی جادو کی تاثیر میں لکھتے ہیں:

" جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کرسکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ دراصل جادو سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی مگر انسان کا نفس اور اس کے حواس اس سے متاثر ہوکر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہوگئی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح جادوگروں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکی تھیں وہ واقعی سانپ نہیں بن گئی تھیں، لیکن ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا اور حضرت موسی تک کے حواس اس جادو کی تاثیر سے محفوظ نہ رہ سکے......... بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں مگر جو چیز ہزارہا سال سے انسان کے تجربے اور مشاہدے میں آرہی ہے اس کے وجود کو جھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔ (۶)

قرآن مجید نے ساحران فرعون کے حوالے سے کہا کہ انہوں نے ہزاروں آدمیوں کے اس مجمع کی نگاہوں پر جادو کردیا جو وہاں مقابلہ دیکھنے کے لیے آئے تھے۔سورہ اعراف میں ہے:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (۷)

انہوں نے نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کردیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنالائے۔

سورہ طٰہ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں حضرت موسیٰؑ نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آرہی ہیں۔اور اس سے حضرت موسیٰؑ خوف زدہ ہوگئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ خوف نہ کرو تم ہی غالب رہوگے ذرا اپنا عصا پھینکو، آیات کے الفاظ درج ذیل ہیں:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ (۸)

یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ہم نے کہا، مت ڈرو تم ہی غالب رہوگے، پھینک جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے، ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے یہ جو کچھ بنالائے ہیں یہ تو جادوگر کا فریب ہے

Marfat.com

سحر کی شرعی حیثیت

سحر میں چونکہ مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں اس لیے اس کے بارے میں شرعی فیصلہ کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ مثلاً جن اعمال سحر میں شیاطین اور غیر اللہ سے استعانت کی جائے اور ان کو متصرف مان کر منتروں کے ذریعے سے ان کی تسخیر اور ان سے امداد حاصل کی جائے تو یہ شرک کے مترادف ہے تو اس کا عامل کافر ہے اور جن اعمال میں ان کے علاوہ دوسرے طریقے استعمال کیے جائیں اور ان سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے تو ان کا مرتکب حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ (۹)

قرآن مجید میں عمل سحر کو کفر سے تعبیر کیا ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (۱۰)

اور سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔

اسی طرح حضور اکرمؐ نے جن کبائر کا ذکر کیا ہے ان میں سحر بھی شامل ہے:

عن ابی ہریرة ان رسول الله قال: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: یا رسول الله، و ما هن قال: الشرک بالله والسحر وقتل النفس التی حرم الله الا بالحق واکل الربا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المومنات الغافلات (۱۱)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات مہلک چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے کہا وہ کیا ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو کا عمل کرنا، محترم جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر الزام لگانا۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث سحر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال النووی: عمل السحر حرام و هو من الکبائر بالاجماع و قد عده النبی من السبع الموبقات و منه ما یکون کفرا ومنه مالا یکون کفرا بل معصیة کبیرة. فان کان فیه قول او فعل یقتضی الکفر فهو کفر والا فلا واما تعلیمه و تعلمه فحرام (۱۲)

امام نووی کہتے ہیں کہ عمل سحر حرام ہے اور وہ بالاجماع کبائر میں سے ہے اور نبی کریمؐ نے اس کو سات مہلک چیزوں میں شمار کیا ہے سحر کی بعض صورتیں کفر ہیں اور بعض کفر تو نہیں ہیں مگر سخت معصیت ہیں پس اگر سحر کا کوئی منتر یا کوئی عمل کفر کا مقتضی ہے تو وہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ بہر حال سحر کا سیکھنا اور سکھانا قطعاً حرام ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات

انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر ہوتے تھے انہیں ان کے مخالفین سحر کہتے تھے۔ بلکہ ان کی تمام غیر

Marfat.com

معمولی صلاحیتوں اور قوتوں کو سحر سے تعبیر کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کو بھی جادوگر ہونے کا الزام دیا گیا اور حضرت موسیٰؑ کو تو واضح طور پر جادوگر کہا گیا۔ موسیٰؑ کی تائید میں جب فرعونیوں پر پے در پے اللہ کے عذاب نازل ہو رہے تھے تو جب بھی تازہ عذاب آتا تو فرعونی حضرت موسیٰؑ سے کہتے اے جادوگر اس عذاب کو ہم سے ٹلوا دے ہم ایمان لائیں گے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَقَالُوا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ (۱۳)

ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے، اے ساحر اپنے رب کی طرف سے جو منصب تجھے حاصل ہے اس کی بناء پر ہمارے لیے دعا کر ہم ضرور راہ راست پر آ جائیں گے۔

اس آیت میں ساحر کے خطاب سے پکارنے کو سید مودودیؒ نے تحقیر ہی پر محمول کیا ہے کہ فرعونیوں کا غرور انہیں عذاب کی صورت میں بھی ہدایت سے دور رکھے ہوئے تھا اور حقیقت جانتے ہوئے بھی وہ اسے جادو پر محمول کرتے تھے۔ (۱۴) لیکن مولانا اصلاحی اسے تحقیر پر مبنی نہیں سمجھتے وہ لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یاایھا السحر سے مخاطب کرنا کسی تحقیر یا سوء ادب پر مبنی نہیں ہے۔ مصر میں اس وقت ساحروں کو سوسائٹی میں وہی مقام حاصل تھا جو کسی سوسائٹی میں علماء اور صوفیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ اے ساحر! ہمارے لیے دعا کیجئے تعظیم کا خطاب ہے۔ (۱۵)

ممکن ہے مصری سوسائٹی میں ساحروں کو بڑا مقام حاصل ہو لیکن موسیٰؑ کے ساتھ مکالمات میں فرعون نے کبھی عزت واحترام کا رویہ اختیار نہیں کیا اسی طرح سے معجزات کو جادوگری قرار دینا ان کی غیر معمولی نوعیت کم کرنے کے مترادف ہوتا تھا۔ چونکہ معجزہ اور سحر میں غیر معمولی مظاہر ہوتے ہیں اس لیے ان میں مماثلت تلاش کرنا مشکل نہیں ہے لیکن معجزہ اپنی حقیقت اور اپنے نتائج کے لحاظ سے جادوگری سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے متوازن طبیعتوں کے لیے اس فرق کا سمجھنا مشکل نہیں ہوتا۔ ہمارے متکلمین نے نبوت کی بحث میں معجزات کی حیثیت ونوعیت پر مفصل گفتگوئیں کی ہیں اور نبوت کے ساتھ اس کے تعلق کو واضح کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی کتاب النبوات ان بحثوں کا اہم ماخذ ہے۔

معجزہ کی حقیقت

معجزہ ایک ایسے واقعہ کا ظہور ہے جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر ہے اور اس کی توجیہ وتعلیل کے لیے عقل انسانی اپنے آپ کو عاجز پاتی ہے اس کا ظہور ایسے شخص کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے خالق کائنات سے خصوصی ارتباط حاصل ہے۔ یہ شخص نبی ورسول ہوتا ہے اور اپنے رب کی طرف سے خاص پیغام کا حامل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی شخصیت کا اخلاقی معیار اور اس کا پیغام اس کی صداقت پر واضح دلیل ہوتے ہیں تاہم اس پیغام کی حقانیت اور تعلق باللہ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کسی غیر معمولی واقعہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق تجربہ

Marfat.com

مشاہدہ سے ہوتا ہے اس لیے معجزہ ایک تجربی و مشاہداتی دلیل ہوتا ہے منطقی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے سامنے معجزات پیش کیے گئے انہوں نے ان کے وقوع پذیر ہونے سے انکار نہیں کیا یا اس کے واقعہ ہونے کی منطقی بحثیں نہیں کیں بلکہ اس کا انکار اس بنیاد پر کیا کہ یہ جادو ہے اور حقیقی تغیر نہیں ہے۔ ہمارے متکلمین نے جو بحثیں کی ہیں ان کا تعلق معجزہ کے امکان و عدم امکان، معجزانہ واقعیت کا قابل اذعان ہونا اور معجزہ کی غرض و غایت وغیرہ ہے۔

مسلمان فلسفیوں میں سے فارابی، ابن سینا اور ابن رشد نے معجزہ کے مختلف پہلوؤں پر بحثیں کی ہیں جبکہ دوسرے متکلمین نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ بالخصوص غزالی اور رازی کے ہاں دقیق بحثیں موجود ہیں۔ ہمارے پیش نظر چونکہ ان بحثوں کا احاطہ کرنا نہیں ہے اس لیے ہم اپنے آپ کو یہیں تک محدود رکھیں گے۔ تفصیل کا طالب ان مصنفین کی تحریروں کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

معجزہ اور سحر کا فرق

قرآن کے مطابق ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی۔ موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ پیدا ہوئے اور آنحضور ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک رات کے کچھ حصے میں سیر کر آئے۔ ان تمام واقعات کی توجیہ سے عقل عاجز ہے۔ ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوا ہے عالم غیب کے ساتھ یہ اس کے روابط کی نشانی اور تائید غیبی ہے۔ اس قسم کے واقعات کو قرآن نے آیات، بینات، براہین اور اکثر اوقات آیات بینات کہا ہے چونکہ انسانی عقل اس کی توجیہ سے عاجز ہے اس لیے متکلمین اسلام کی زبان میں اسے معجزہ کہا گیا۔

لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی اپنی محنت و ریاضت اور توجہ و انہماک سے ایسی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے کہ اس سے بعض غیر معمولی واقعات کا صدور ہوتا ہے۔ سحر، طلسم، نیرنگ، شعبدہ، مسمریزم، اور ہپناٹزم سے ایسے کرشمے دکھائے جا سکتے ہیں جو بظاہر ناممکن نظر آتے ہیں لہذا یہ فرق کیسے کیا جائے گا کہ ایک واقعہ معجزہ ہو اور دوسرا جادو کا کرشمہ۔ اس موضوع پر بھی ہمارے متکلمین نے طویل بحثیں کی ہیں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں تو فرعونیوں کا کھلا الزام موجود ہے کہ موسیٰ ایک جادوگر ہے اس لیے مفسرین نے بھی اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان ساری بحثوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ علامہ ابن حزم کے مطابق معجزہ میں تبدیلی حقیقی ہوتی ہے جسے قلب ماہیت کہتے ہیں جبکہ سحر وغیرہ میں حقیقت تبدیل نہیں ہوتی بلکہ وہ فریب نظر ہوتا ہے۔

۲۔ حکماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں خرچ کرتا ہے جبکہ ساحر شر میں۔

۳۔ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے جبکہ سحر وغیرہ سے وقوع پذیر ہونے والے عجائب امور اسالیب طبعی

Marfat.com

و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں۔

۴۔ معجزہ کا مقصد دعوت الی اللہ کے دشمنوں کی ہلاکت، داعی الی اللہ، رسول کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت و برکت ہوتی ہے۔ جبکہ سحر کا مقصد شعبدہ بازی ہوتا ہے یا ذاتی منفعت حاصل کرنا۔

۵۔ اور سب سے بڑھ کر جو معجزہ و سحر میں حد فاصل ہے وہ پیش کرنے والوں کا کردار اور ان کی شخصی زندگی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاکیزہ اخلاق، مقدس اعمال، بے لوث خدمت اور دیگر پیغمبرانہ خصائص ان کی نبوت کے کھلے دلائل ہیں۔ اس کے مقابلے میں ساحر و بازی گر، شعبدہ باز و طلسم گر کرتب اور عجائبات تو دکھاتے ہیں لیکن ان کی زندگی میں طہارت و صفائی اور پاکیزگی کردار کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ان کے مقاصد میں شریعت کی تبلیغ اور قلوب کا تزکیہ و تصفیہ شامل ہی نہیں ہوتا۔

معجزہ اور سحر کے فرق پر مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ معجزہ اور سحر و شعبدہ میں امتیاز منطقی تعریف کے ذریعے سے نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ان کا اصل فرق دو چیزوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ اول تو باہمی تقابل ہے۔ جس طرح مس خام اور کندن کو سامنے رکھ کر دیکھیے تو دونوں کا فرق صاف نمایاں ہو جائے گا اسی طرح جب ایک شخص معجزہ اور سحر کو ایک دوسرے کے مقابل میں دیکھتا ہے تو معجزے کی سطوت و جلالت، اس کے ظہور کا انداز، باطل پر اس کا غلبہ اور اس کی قہرمانیت پکار کر شہادت دیتی ہے کہ یہ کمہاروں کی مٹی سے بنا ہوا کھلونا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کہیں اور ہی سے ہے۔

جوہر جام جم از کان جہان دگر است

دوسری چیز پیش کرنے والی کی شخصیت اور کردار ہوتی ہے۔ سحر و شعبدہ دکھانے والے ہمیشہ سوسائٹی کے اراذل و انفار ہوتے ہیں جن کی ذلت و نکبت جن کے اخلاق کی پستی اور طبیعت کی دنائت و رذالت ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے۔ برعکس اس کے معجزے ان لوگوں کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں جو انسانیت کے سدِ گل مانے گئے ہیں، جن سے دنیا نے علم و عمل اور حکمت و معرفت کے سبق سیکھے ہیں۔ جن کی زندگی کا ہر دور اور جن کا ہر قول و فعل نمونہ قرار پایا ہے جو زندگی کی سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی ہمیشہ سو فیصدی کھرے پائے گئے ہیں۔[۱۶]

سید مودودیؒ سورہ اعراف کی آیت ۱۱۳ کے تحت لکھتے ہیں:

فرعونی درباریوں کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں خدائی نشان اور جادو کے امتیازی فرق کا تصور بالکل واضح طور پر موجود تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خدائی نشان سے حقیقی تغیر واقع ہوتا ہے اور جادو محض نظر اور نفس کو متاثر کر کے اشیاء میں ایک خاص طرح کا تغیر محسوس کراتا ہے۔ اس بناء پر انہوں نے حضرت موسیٰ کے دعوائے رسالت کو رد کرنے کے لیے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے یعنی

Marfat.com

عصا حقیقت میں سانپ نہیں بن گیا کہ اسے خدائی نشان مانا جائے بلکہ ہمیں ایسا نظر آیا کہ وہ گویا سانپ تھا جیسا کہ ہر جادوگر کر لیتا ہے۔ پھر انہوں نے مشورہ دیا کہ تمام ملک کے ماہر جادوگروں کو بلایا جائے اوران کے ذریعہ سے لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپوں میں تبدیل کر کے لوگوں کو دکھا دیا جائے تا کہ عامۃ الناس کے دلوں میں اس پیغمبرانہ معجزے سے جو ہیبت بیٹھ گئی ہے وہ اگر بالکل دور نہ ہو تو کم ازکم شک ہی میں تبدیل ہو جائے۔ (۱۷)

مولانا سیوہاروی معجزہ وسحر کا فرق واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" اگر سحر اور معجزہ کا مقابلہ آن پڑے تو معجزہ غالب رہے گا اور اعلیٰ سے اعلیٰ سحر بھی مغلوب وعاجز، اوراس کا عکس محال و ناممکن ہے چنانچہ ساحرین اور انبیاء و رسل کے مقابلہ کی تاریخ اس کی شاہد عادل ہے۔ (۱۸)

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ یوسف/۹۹
۲۔ پیدائش، (Genesis) ۴۷/۵۔۶
۳۔ ایضاً/۱۔۴
۴۔ ایضاً/۱۱۔۱۲
۵۔ ایضاً/۲۷۔۲۸
۶۔ ایضاً۴۹/۱۔۲۷
۷۔ ایضاً۴۸/۱۳۔۲۰
۸۔ بقرہ/۱۳۳
۹۔ پیدائش، (Genesis)۵۰/۲۲۔۲۶
۱۰۔ خروج (Exodus) ۱۳/۱۹
۱۱۔ ایضاً/۷۔۱۶
۱۲۔ ایضاً، ۱/۱۷۔۲۰
۱۳۔ ایضاً،۱/۲۲
۱۴۔ القصص/۴
۱۵۔ البقرہ/۴۹
۱۶۔ ابراہیم/۶
۱۷۔ تفہیم القرآن۳/۶۱۴۔۶۱۵
۱۸۔ مختصر ابن کثیر،۳/۶
۱۹۔ القصص/۵۔۶
۲۰۔ تدبر قرآن،۵/۶۵۶
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ خروج (Exodud)،۲۰/۱۔۱۰
۲۳۔ تفہیم القرآن،۳/۶۱۶
۲۴۔ ایضاً بحوالہ اعمال/۷/۲۰
۲۵۔ تفہیم القرآن،۳/۶۱۶
۲۶۔ القصص/۷۔۱۳
۲۷۔ طٰہٰ/۳۷۔۴۰
۲۸۔ یہاں وہ احسانات یاد دلائے جارہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر کیے جن سے مقصود حضرت موسیٰؑ کو یہ احساس دلانا ہے کہ تم اسی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو اور اسی کام کے لیے آج تک خاص طور پر سرکاری نگرانی میں پرورش پاتے رہے ہو جس پر اب تمہیں مامور کیا جارہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ۹۳/۳)
۲۹۔ خروج،۴/۲،عبرانیوں،۱۱/۲۳،اعمال،۷/۲۰
۳۰۔ بائبل میں بیوی کے بجائے اس کی لڑکی کا ذکر آتا ہے۔
۳۱۔ تدبر قرآن،۵/۴۴۔۴۵
۳۲۔ تفہیم القرآن،۳/۶۱۸
۳۳۔ قصص القرآن،۱/۳۷۱
۳۴۔ ایضاً
۳۵۔ خروج،۱/۹
۳۶۔ التحریم/۱۱
۳۷۔ القصص/۱۰
۳۸۔ القصص/۱۱
۳۹۔ ایضاً
۴۰۔ تدبر قرآن،۵/۴۶
۴۱۔ خروج،۲/۷۔۹
۴۲۔ تفہیم القرآن،۳/۶۱۹
۴۳۔ تدبر قرآن،۵/۴۶
۴۴۔ خروج،۲/۱۰
۴۵۔ اعمال،۷/۲۲

Marfat.com

۴۶۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۱
۴۷۔ القصص/۱۴
۴۸۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۱،مولانا اصلاحی کی بھی یہی رائے ہے،تدبر قرآن،۵/۶۶۳
۴۹۔ ایضاً
۵۰۔ اعمال،۷/۲۳
۵۱۔ خروج ،۲/۱۱۔۲۲ ، عہدنامہ جدید کے کتاب اعمال، ۷/۲۳۔۲۹میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے
۵۲۔ طٰہٰ/۴۰
۵۳۔ القصص/۱۵۔۲۸
۵۴۔ تدبر قرآن،۵/۶۶۳۔سید مودودیؒ لکھتے ہیں کہ "شہر میں داخل ہوا" ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالسلطنت کے شاہی محلات عام آبادی سے باہر واقع ہوئے تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ شاہی محل میں رہتے تھے اس لیے شہر میں نکلنے کے بجائے شہر میں داخل ہوئے فرمایا۔(تفہیم القرآن،۳/۶۲۲)
۵۵۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۱
۵۶۔ تدبر قرآن،۵/۶۶۴
۵۷۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۳۔۶۲۴
۵۸۔ ایضاً
۵۹۔ تدبر قرآن،۵/۶۶۶
۶۰۔ ایضاً،۵/۶۶۷
۶۱۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۵۔۶۲۶
۶۲۔ ایضاً
۶۳۔ ایضاً
۶۴۔ تدبر قرآن،۵/۶۶۸
۶۵۔ القصص/۲۴
۶۶۔ خروج،۲/۱۶۔۱۷
۶۷۔ خروج،۲/۱۸۔۲۰
۶۸۔ تدبر قرآن،۵/۶۶۹
۶۹۔ القصص/۲۵
۷۰۔ تدبر قرآن،۵/۶۷۰
۷۱۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۸
۷۲۔ تدبر قرآن،۵/۶۷۰
۷۳۔ ایضاً
۷۴۔ قصص القرآن،۱/۳۸۵
۷۵۔ تفہیم القرآن،۳/۶۳۰
۷۶۔ تدبر قرآن،۵/۶۷۱
۷۷۔ تفہیم القرآن،۳/۶۳۰
۷۸۔ قصص القرآن،۱/۳۸۷
۷۹۔ ابن کثیر
۸۰۔ تفہیم القران،۳/۶۲۷۔۶۲۸
۸۱۔ بخاری کتاب الشہادات ، باب من امر بانجاز الوعد، ۳/۱۶۲،مختصر ابن کثیر،۳/۱۱
۸۲۔ خروج ۲/۲۱۔۲۲
۸۳۔ ایضاً،۲/۲۳۔۲۵
۸۴۔ ایضاً،۴/۱۸
۸۵۔ القصص/۲۹
۸۶۔ حاشیہ خازن،۵/۱۴۳،بحوالہ قصص القرآن،۱/۳۹۰
۸۷۔خروج،۳/۱۔۱۰
۸۸۔ القصص/۲۹
۸۹۔ الشعراء/۱۴
۹۰۔ قصص القرآن ۷/۳۹۰۔۳۹۱
۹۱۔ تدبر قرآن،۵/۶۷۱
۹۲۔ مولانا سیوہاروی لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت موسیٰ اپنے اہل وعیال کے سمیت بکریاں چراتے چراتے مدین سے بہت دور نکل گئے۔گلہ بان قبائل کے لیے یہ بات کوئی قابل تعجب نہ تھی .... یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا اور مدین سے ایک روز کے فاصلہ پر بحر قلزم کے دوشاخے کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے واقع تھا۔(قصص القرآن ،۱/۳۹۲) مولانا مرحوم کو اپنی تاویل اور اپنے استدلال کا احساس تھا اس لیے مصر کے راستے پر سینا تک جانے کو گلہ بانوں کا معمول قرار دے رہے ہیں جبکہ موسیٰ مع اہل وعیال ہیں۔
۹۳۔ تفہیم القرآن ۳/۶۳۲
۹۴۔ خروج ۳/۱۔۲۲

Marfat.com

۹۵۔ ایضاً، ۴/۱۔۳۱

۹۶۔ جوتا اتارنا طہارت اور تواضع کے لیے ہے۔ ہمارے ہاں مسجد کے احترام کے لیے اس کو ضروری قرار دیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر جوتے صاف ہوں تو ان کے ساتھ مسجد میں جانے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہ تواضع کے خلاف ہے اور مسجد کی حاضری کے لیے جس طرح طہارت شرط ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تواضع شرط ہے۔ (تدبر قرآن، ۳۱/۵)

۹۷۔ اس میں تشریف و تکریم کی طرف بھی اشارہ ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے سبب سے حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہوئی اور عظیم ذمہ داری کی طرف بھی جو حضرت موسیٰؑ پر اس منصب کی بدولت عائد ہوئی۔ (ایضاً)

۹۸۔ طٰہٰ/۹۔۱۶

۹۹۔ غالباً اسی واقعہ کی وجہ سے یہودیوں میں یہ شرعی مسئلہ بن گیا کہ جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نبیؐ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے فرمایا خالفوا الیھود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم (یہودیوں کے خلاف عمل کرو کیونکہ وہ جوتے اور چمڑے کے موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے: ابوداؤد۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضرور ہی جوتے پہن کر نماز پڑھنی چاہیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اس لیے دونوں پر عمل کرو۔ حضرت ابوداؤد میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے نبیؐ کو دونوں طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے ۔مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو جوتے کو پلٹ کر دیکھ لے اگر کوئی گندگی لگی ہوئی ہو تو زمین سے رگڑ کر صاف کر لے اور انہی جوتوں کو پہنے ہوئے نماز پڑھ لے........
ان کثیر التعداد روایات کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ، امام اوزاعیؒ اور اسحاق بن راھویہؒ وغیرہ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ جوتا ہر حال میں مٹی سے پاک ہو جاتا ہے ایک قول امام احمد اور امام شافعی کا بھی اس کی تائید میں ہے مگر امام شافعی کا مشہور قول اس کے خلاف ہے۔ غالباً وہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے کو ادب کے خلاف سمجھ کر منع کرتے ہیں اگرچہ سمجھا یہی گیا ہے کہ ان کے نزدیک جوتا مٹی پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں قابل ذکر یہ امر ہے کہ مسجد نبوی میں چٹائی تک کا فرش نہ تھا بلکہ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں لہٰذا احادیث سے استدلال کر کے اگر کوئی شخص آج کی مسجدوں کے فرش پر جوتے لے کر جانا چاہے تو یہ صحیح نہ ہوگا البتہ گھاس پر یا کھلے میدان میں جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو میدان میں نماز جنازہ پڑھتے وقت بھی جوتے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں وہ دراصل احکام سے ناواقف ہیں۔ (تفہیم القرآن، ۸۹/۳)

۱۰۰۔ النمل/۷۔۹

۱۰۱۔ القصص/۲۹۔۳۰

۱۰۲۔ سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۰ کے الفاظ وفتنٰک فتونا (اور ہم نے تم کو خوب خوب پرکھا)۔ انہیں آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد انہیں پیش آئیں۔

۱۰۳۔ طٰہٰ/۱۲۔۱۳

۱۰۴۔ ایضاً/۱۴

۱۰۵۔ النمل/۹

۱۰۶۔ القصص/۳۰

۱۰۷۔ تدبر قرآن، ۳۱/۵

۱۰۸۔ ایضاً

۱۰۹۔ طٰہٰ/۱۴

۱۱۰۔ تدبر قرآن، ۳۲/۵

۱۱۱۔ تفہیم القرآن، ۸۹/۳

۱۱۲۔ طٰہٰ/۱۵۔۱۶

۱۱۳۔ تدبر قرآن، ۳۲/۵

۱۱۴۔ ایضاً، ۳۶/۵

۱۱۵۔ ایضاً، ۳۶/۵

۱۱۶۔ طٰہٰ/۲۷۔۲۳

۱۱۷۔ النمل/۱۰۔۱۲

۱۱۸۔ القصص/۳۱۔۳۲

۱۱۹۔ تدبر قرآن، ۶۷۳/۵

۱۲۰۔ تفہیم القرآن، ۴۸۸/۳

۱۲۱۔ ایضاً

Marfat.com

۱۲۲۔ ایضاً،۳/۹۱

۱۲۳۔ الاعراف/۱۳۳ (فارسلنا علیهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آيات مفصلات فاستكبروا و كانوا قوما مجرمين)

۱۲۴۔ طٰہٰ/۲۴

۱۲۵۔ الشعراء/۱۰۔۱۱

۱۲۶۔ النمل/۱۲

۱۲۷۔ القصص/۳۲

۱۲۸۔ طٰہٰ/۴۷

۱۲۹۔ الاعراف/۱۰۵

۱۳۰۔ الشعراء/۱۶۔۱۷

۱۳۱۔ النازعات/۱۷۔۱۹

۱۳۲۔ تفہیم القرآن،۶/۲۴۲

۱۳۳۔ تفہیم القرآن،۲/۶۴

۱۳۴۔ ایضاً

۱۳۵۔ قصص القرآن،۱/۳۶۱

۱۳۶۔ یونس/۹۲

۱۳۷۔ تفہیم القرآن،۲/۳۱۰

۱۳۸۔ مختصر ابن کثیر،۲/۴۸۴

۱۳۹۔ قصص القرآن،۱/۴۰۰

۱۴۰۔ تفہیم القران،۳/۹۲

۱۴۱۔ تدبر قرآن،۵/۳۹

۱۴۲۔ الزخرف/۵۲

۱۴۳۔ تفہیم القرآن،۳/۹۲

۱۴۴۔ طٰہٰ/۲۵۔۳۵

۱۴۵۔ الشعراء/۱۲۔۱۳

۱۴۶۔ القصص/۳۴

۱۴۷۔ تفہیم القرآن،۳/۹۲

۱۴۸۔ طٰہٰ/۳۶

۱۴۹۔ القصص/۳۵

۱۵۰۔ الشعراء/۱۴

۱۵۱۔ القصص/۳۳

۱۵۲۔ تفہیم القرآن،۳/۶۴۴

۱۵۳۔ الشعراء/۱۵

۱۵۴۔ طٰہٰ/۴۵۔۴۶

۱۵۵۔ سید مودودیؒ کے بقول معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰؑ مصر پہنچ گئے اور حضرت ہارونؑ عملاً ان کے شریک کار ہو گئے اس وقت فرعون کے پاس جانے سے پہلے دونوں نے اللہ کے حضور یہ گذارش کی ہوگی۔ (تفہیم القرآن ۳/۹۵)

۱۵۶۔ تفہیم القرآن،۳/۵۹

۱۵۷۔ طٰہٰ/۴۲۔۴۴

۱۵۸۔ تدبر قرآن،۵/۵۲

۱۵۹۔ ایضاً،۵/۵۳

۱۶۰۔ ایضاً

۱۶۱۔ النازعات/۱۸۔۱۹

۱۶۲۔ الاعراف/۱۰۴۔۱۰۵

۱۶۳۔ الشعراء/۱۶۔۱۷

۱۶۴۔ طٰہٰ/۴۷۔ سورہ شعراء میں دونوں کے لیے رسول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ یہاں تثنیہ کا صیغہ ہے غالباً اس سے واضح کرنا مقصود ہے کہ حضرت ہارونؑ مددگار اور شریک رسالت تھے لیکن بعد ازاں تثنیہ کا صیغہ استعمال کر کے ان کی رسالت بھی بیان کر دی۔

۱۶۵۔ الدخان/۱۷۔۱۹

۱۶۶۔ الشعراء/۱۸۔۱۹

۱۶۷۔ الشعراء/۲۰۔۲۲

۱۶۸۔ تفہیم القرآن،۳/۴۸۵

۱۶۹۔ تدبر قرآن،۵/۵۱۰

۱۷۰۔ قصص القرآن،۱/۴۱۰

۱۷۱۔ الشعراء/۲۳

۱۷۲۔ ایضاً/۲۴۔۲۷

۱۷۳۔ ایضاً/۲۵۔۲۹

۱۷۴۔ طٰہٰ/۴۹۔۵۴۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحیؒ اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شاندار نوٹ لکھے ہیں۔ قرآن کے

Marfat.com

طالب علم کے لیے ان کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

۱۷۵۔ القصص/۳۸
۱۷۶۔ غافر/۳۶_۳۷
۱۷۷۔ النازعات/۲۱_۲۲
۱۷۸۔ تدبر قرآن،۳/۳۵۰
۱۷۹۔ تفہیم القرآن،۳/۹۶_۹۷
۱۸۰۔ ایضاً،۲/۴۸۶_۴۸۷
۱۸۱۔ القصص/۳۸
۱۸۲۔ تفہیم القرآن،۳/۶۲۷_۶۲۸
۱۸۳۔ الاعراف/۱۰۵_۱۰۶
۱۸۴۔ الشعراء/۳۰_۳۱
۱۸۵۔ الاعراف/۱۰۵_۱۰۶
۱۸۶۔ الشعراء/۳۲_۳۵
۱۸۷۔ القصص/۳۶
۱۸۸۔ یونس/۷۵_۷۸
۱۸۹۔ طٰہٰ/۵۶_۵۷
۱۹۰۔ النازعات/۲۰
۱۹۱۔ تدبر قرآن،۵/۵۱۲
۱۹۲۔ خروج،۱،۷_۲۲
۱۹۳۔ تدبر قرآن،۳/۳۴۴_۳۴۵
۱۹۴۔ تفہیم القرآن،۳/۴۸۹
۱۹۵۔ ایضاً،۲/۶۶_۶۷
۱۹۶۔ النازعات/۲۱_۲۴
۱۹۷۔ القصص/۳۹
۱۹۸۔ الاعراف/۱۱۱_۱۱۲
۱۹۹۔ یونس/۷۹
۲۰۰۔ طٰہٰ/۵۸_۶۰
۲۰۱۔ الشعراء/۳۶_۴۰
۲۰۲۔ الاعراف/۱۱۳_۱۱۴
۲۰۳۔ الشعراء/۴۱_۴۲
۲۰۴۔ تفہیم القرآن،۳/۴۹۱
۲۰۵۔ طٰہٰ/۶۱_۶۴
۲۰۶۔ قصص القرآن،۱/۴۳۳
۲۰۷۔ الاعراف/۱۱۵_۱۱۹
۲۰۸۔ طٰہٰ/۶۵_۶۹
۲۰۹۔ الشعراء/۴۳_۴۵
۲۱۰۔ یونس/۸۰_۸۲
۲۱۱۔ قصص القرآن،۱/۴۳۳
۲۱۲۔ الاعراف/۱۲۰_۱۲۲
۲۱۳۔ طٰہٰ/۷۰
۲۱۴۔ الشعراء/۴۶_۴۸
۲۱۵۔ قصص القرآن،۱/۴۳۴
۲۱۶۔ الاعراف/۱۲۳_۱۲۴
۲۱۷۔ طٰہٰ/۷۱
۲۱۸۔ الشعراء/۴۹
۲۱۹۔ تفہیم القرآن،۳/۱۰۵
۲۲۰۔ تدبر قرآن،۵/۶۸
۲۲۱۔ طٰہٰ/۷۲_۷۳
۲۲۲۔ الشعراء/۵۰_۵۱
۲۲۳۔ الاعراف/۱۲۵_۱۲۶
۲۲۴۔ تدبر قرآن،۳/۳۴۸_۳۴۹
۲۲۵۔ قصص القرآن،۱/۴۳۴
۲۲۶۔ یونس/۸۳
۲۲۷۔ تفہیم القرآن،۲/۳۰۴
۲۲۸۔ مکہ کی آبادی میں سے بھی جو لوگ محمد ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے آگے بڑھے تھے وہ قوم کے بڑے بوڑھے اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے بلکہ چند باہمت نوجوان ہی تھے۔ وہ ابتدائی مسلمان جوان آیات کے نزول کے وقت ساری قوم کی شدید مخالفت کے مقابلے میں صداقت اسلامی کی حمایت کر رہے تھے اور ظلم و ستم کے اس طوفان میں جن کے سینے اسلام کے لیے سپر بنے ہوئے تھے ان میں مصلحت کوش بوڑھا کوئی نہ تھا سب کے سب جوان لوگ ہی تھے۔ علی ابن ابی طالبؓ، جعفر طیارؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، مصعب بن عمیرؓ، عبداللہؓ بن مسعود جیسے لوگ قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر تھے اور عمر فاروق ۳۰ اور ۳۵ سال

Marfat.com

کے درمیان عمر کے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کی عمر بھی ایمان لانے کے وقت ۳۸ سال سے زیادہ نہ تھی ۔ ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام ہمیں ملتا ہے جن کی عمر نبیؐ سے زیادہ تھی یعنی عبیدہؓ بن حارث مطلبی اور غالباً پورے گروہ میں ایک ہی صحابی حضورؐ کے ہم عمر تھے یعنی عمار بن یاسرؓ (تفہیم القرآن ۲/۳۰۴_۳۰۵)

۲۲۹۔ تدبر قرآن، ۴/۷۹

۲۳۰۔ تفہیم القرآن، ۲/۳۰۵_۳۰۶

۲۳۱۔ تدبر قرآن، ۴/۷۹

۲۳۲۔ یونس/۸۴_۸۶

۲۳۳۔ تفہیم القرآن، ۲/۳۰۶_۳۰۷

۲۳۴۔ الاعراف/۱۲۷

۲۳۵۔ المومن/۲۳_۲۵

۲۳۶۔ تدبر قرآن، ۳/۳۵۰

۲۳۷۔ قصص القرآن، ۱/۴۳۸

۲۳۸۔ الاعراف/۱۲۸_۱۲۹

۲۳۹۔ تدبر قرآن، ۳/۳۵۲

۲۴۰۔ یونس/۸۷

۲۴۱۔ تدبر قرآن، ۴/۸۱

۲۴۲۔ الاعراف/۱۳۰_۱۳۵

۲۴۳۔ الزخرف/۴۷_۵۰

۲۴۴۔ بنی اسرائیل/۱۰۱_۱۰۲

۲۴۵۔ طٰہٰ/۵۶

۲۴۶۔ النمل/۱۲_۱۴

۲۴۷۔ ابن عباسؓ سے جو قول مروی ہے اس کے مطابق نقص ثمرات بھی ایک معجزہ ہے (ابن کثیر، ۲/۱۱۱) جادوگروں کی برسرعام شکست تو لاٹھی کے اژدھا بننے کا نتیجہ ہے لہذا یہ شاید مستقل بالذات نشانی نہیں ہے۔

۲۴۸۔ تفہیم القرآن، ۴/۵۴۲

۲۴۹۔ القصص/۳۶_۳۷

۲۵۰۔ القمر/۴۱_۴۲

۲۵۱۔ قصص القرآن، ۱/۴۵۳

۲۵۲۔ تفہیم القرآن، ۴/۵۴۴

۲۵۳۔ الزخرف/۵۱_۵۴

۲۵۴۔ بعض مفسرین نے اسے لکنت پر اعتراض قرار دیا ہے حالانکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ شخص الجھی الجھی باتیں کرتا ہے جو فرعون کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

۲۵۵۔ قصص القرآن، ۱/۴۴۰

۲۵۶۔ المومن/۲۶_۲۷

۲۵۷۔ تفہیم القرآن، ۴/۴۰۵_۴۰۶

۲۵۸۔ تفہیم القرآن، ۴/۴۰۴

۲۵۹۔ نوح/۲۱_۲۷

۲۶۰۔ تدبر قرآن، ۴/۸۲

۲۶۱۔ قصص القرآن، ۱/۴۳۹

۲۶۲۔ یونس/۸۸

۲۶۳۔ الدخان/۲۲

۲۶۴۔ ہود/۳۷

۲۶۵۔ یونس/۸۹

۲۶۶۔ الشعراء/۵۲

۲۶۷۔ تفہیم القرآن، ۳/۴۹۵

۲۶۸۔ الشعراء/۵۳_۵۶

۲۶۹۔ تفہیم القرآن، ۳/۴۹۵_۴۹۶

۲۷۰۔ الشعراء/۵۷_۵۹

۲۷۱۔ الدخان/۲۵_۲۹

۲۷۲۔ خروج ۴/۱۱_۱۲

۲۷۳۔ یونس/۹۱

۲۷۴۔ قصص القرآن، ۱/۲۵۷_۲۵۸

۲۷۵۔ ایضاً، ۱/۴۵۹

۲۷۶۔ الشعراء/۶۰_۶۶

۲۷۷۔ طٰہٰ/۷۷_۷۹

۲۷۸۔ الاعراف/۱۳۶

۲۷۹۔ یونس/۹۰_۹۱

۲۸۰۔ القصص/۳۹_۴۰

۲۸۱۔ بنی اسرائیل/۱۰۳

Marfat.com

۲۸۲۔ الذاریات/۴۰
۲۸۳۔ الشعراء/۶۵۔۶۸
۲۸۴۔ تفہیم القرآن،۳/۴۹۹
۲۸۵۔ تفہیم القرآن،۳/۴۰۸
۲۸۶۔ قصص القرآن،۱/۴۷۲
۲۸۷۔ تدبر قرآن،۵/۷۱
۲۸۸۔ ایضاً،۵/۵۱۸۔بائبل میں اس معجزے کے وقوع کی نوعیت بیان کی گئی ہے جسے مولانا اصلاحی نے قبول کیا ہے لیکن وہ بہرکیف واقعہ کی معجزانہ حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں۔
۲۸۹۔ یونس/۹۲
۲۹۰۔ النازعات/۲۰۔۲۶
۲۹۱۔ تدبر قرآن،۴/۸۴۔۸۵
۲۹۲۔ تفہیم القرآن،۲/۳۱۰
۲۹۳۔ قصص القرآن،۱/۴۷۴
۲۹۴۔ ھود/۹۶۔۹۹
۲۹۵۔ القصص/۴۱۔۴۲
۲۹۶۔ المومن/۴۵۔۴۶
۲۹۷۔ تفہیم القرآن،۴/۴۱۳
۲۹۸۔ الدخان/۳۰۔۳۲
۲۹۹۔ الاعراف/۱۳۷
۳۰۰۔ قصص القرآن،۱/۴۷۴
۳۰۱۔ تدبر قرآن،۱/۳۳
۳۰۲۔ تفہیم القرآن،۳/۱۰۹۔۱۱۱
۳۰۳۔ خروج،۵/۱۔۲۳
۳۰۴۔ ایضاً،۶/۱۔۱۳
۳۰۵۔ ایضاً،۶/۱۴۔۳۰
۳۰۶۔ ایضاً،۷/۱۔۱۳
۳۰۷۔ ایضاً،۷/۱۴۔۲۵
۳۰۸۔ ایضاً،۸/۱۔۱۵
۳۰۹۔ ایضاً،۸/۱۶۔۱۹
۳۱۰۔ ایضاً،۸/۲۰۔۳۲
۳۱۱۔ ایضاً،۹/۱۔۷
۳۱۲۔ ایضاً،۹/۸۔۱۲
۳۱۳۔ ایضاً،۹/۱۳۔۳۵
۳۱۴۔ ایضاً،۱۰/۱۔۲۰
۳۱۵۔ ایضاً،۱۰/۲۱۔۲۹
۳۱۶۔ ایضاً،۱۱/۱۔۱۰
۳۱۷۔ ایضاً،۱۲/۱۔۲۸
۳۱۸۔ ایضاً،۱۲/۲۹۔۳۶
۳۱۹۔ ایضاً،۱۲/۳۷۔۵۱
۳۲۰۔ ایضاً،۱۳/۱۔۱۰
۳۲۱۔ ایضاً،۱۳/۱۱۔۲۲
۳۲۲۔ ایضاً،۱۴/۱۔۳۱

حواشی (معجزہ وسحر کا فرق)

۱۔ تفسیر کبیر،۱/۴۲۰
۲۔ احکام القرآن،۱/۴۸
۳۔ ابن کثیر،۱/۱۴۷
۴۔ فتح الباری،۱۰/۱۸۲
۵۔ ایضاً،۱۰/۱۸۴،احکام القرآن،۱/۵۰
۶۔ تفہیم القرآن،۶/۵۵۶۔۵۵۷
۷۔ الاعراف/۱۱۶
۸۔ طٰہٰ/۶۶۔۶۹
۹۔ فتح الباری،۱۰/۱۸۳
۱۰۔ البقرہ/۱۰۲
۱۱۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب فی بطونھم نارا،۳/۱۹۵
۱۲۔ فتح الباری،۱۰/۱۸۳
۱۳۔ الزخرف/۴۹
۱۴۔ تفہیم القرآن،۴/۵۴۳
۱۵۔ تدبر قرآن،۷/۲۳۶
۱۶۔ ایضاً،۳/۳۴۳۔۳۴۴،سورہ طٰہٰ میں بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔
۱۷۔ تدبر قرآن،۵/۶۵
۱۸۔ قصص القرآن

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل کے سلسلے کے آخری نبی ہیں۔ان کی شخصیت تاریخ کی بے حد اہم شخصیت ہے۔ان کے اثرات بنی اسرائیل سے نکل کر عام انسانیت پر مرتب ہوئے ہیں اور پھر ان کے ساتھ ایسے فکری و عملی، اعتقادی و کرشماتی امور وابستہ ہو گئے ہیں جن کے باعث ان کا مطالعہ بہت اہم ہو گیا ہے۔پیغمبرانہ تاریخ دعوت اس مطالعہ کے بغیر نامکمل رہے گی۔ایک اور پہلو سے بھی یہ مطالعہ اہمیت کا حامل ہے اور وہ ہے ان کے پرستاروں کا غلو جس نے انہی پیغمبری سے بلند کر کے الوہیت کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔دینی و روحانی لحاظ سے اس حادثے کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔دور حاضر کی غالب تہذیب جو اپنی روح کے اعتبار سے مادی، غیر اخلاقی اور بے خدا ہے، جس ماحول میں پروان چڑھی ہے وہ مسیحی ماحول تھا اور دعوت اسلامی کو جو چیلنج درپیش ہے وہ اسی تہذیب کا پیدا کردہ ہے۔لہٰذا ان اسباب و علل کا جائزہ لینا ضروری ہے جو مسیحی معاشرے کو مذہبی و روحانی ماحول سے نکال کر خالص مادی اور استحصالی ماحول میں بدلنے کا باعث بنے۔مسیح علیہ السلام کی شخصیت آج بھی موثر ہے اور ان سے روحانی فیوض حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں۔ان پر ایمان لانے والے مسیحی اور مسلمان انہیں اپنے اپنے زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ہم چونکہ قرآنی نقطہ نظر سے دعوت اسلامی کا جائزہ لے رہے ہیں اس لیے مطالعہ کی اساس قرآنی بیانات ہوں گے تاہم مسیحی مآخذ سے استفادہ بھی ہوگا تاکہ مکمل تصویر سامنے آئے۔

تاریخی پس منظر

قرآن مسیح علیہ السلام کے ذکر سے پہلے اُم مسیح کا ذکر کرتا ہے جو اس معجزاتی شخصیت کو دنیا میں متعارف کرانے کا ذریعہ بنی۔قرآن اُم عیسیٰ کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے سے متعلق بیان کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۞ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۞ اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۞ فَلَمَّا وَضَعَتۡہَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُہَاۤ اُنۡثٰی ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَ لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُہَا مَرۡیَمَ

Marfat.com

وَاِنِّیۡۤ اُعِیۡذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ فَتَقَبَّلَھَا رَبُّھَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّ اَنۡۢبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ کَفَّلَھَا زَکَرِیَّا (۱)

اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران (۲) کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لیے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (وہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ میرے پروردگار! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں وہ تیرے ہی کام کے لیے وقف ہوگا۔ میری پیش کش کو قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے۔ پھر جب وہ بچی پیدا ہوگئی تو اس نے کہا: مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ کو اس کی خبر تھی اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا، خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا اور میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرمالیا۔ اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا اور زکریاؑ کو اس کا سرپرست بنا دیا۔

آیت میں "امرات عمران" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اگر عمران کی عورت سے مراد عمران کی بیوی لی جائے تو اس کی معنی یہ ہوں گے کہ وہ عمران نہیں ہیں جو آلِ عمران میں مذکور ہے بلکہ یہ حضرت مریم کے والد تھے جن کا نام شاید عمران ہوگا۔ اور اگر عمران کی عورت سے مراد آلِ عمران کی عورت لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریم کی والدہ اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں ہے جس سے ہم قطعی طور پر ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکیں کیونکہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت مریم کے والد کون تھے اور ان کی والدہ کس قبیلے سے تھیں۔ البتہ اگر یہ روایت صحیح مانی جائے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ اور حضرت مریم کی والدہ آپس میں رشتہ کی بہنیں تھیں تو پھر عمران کی عورت کے معنی قبیلہ عمران کی عورت ہی درست ہوں گے کیونکہ انجیل لوقا میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت ہارون کی اولاد سے تھیں۔ (لوقا: ۵) (۳) ابن کثیر نے آلِ عمران میں عمران سے مراد مریم کے والد لیے ہیں اور مریمؑ کی والدہ کا نام عنہ بنت فاقوز لکھا ہے (۴) لیکن اس کا ماخذ کیا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اور زکریا ابن ادن اور مریم بنت عمران بن ناشی اور یہ دونوں سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے تھے اور مریم کی والدہ کا نام عنہ بنت فاقود تھا اور ان کی بہن اور یحییٰ کی والدہ کا نام ایشاع تھا۔ ابن اسحٰق نے المبتداء میں کہا ہے کہ عنہ عمران کی بیوی تھیں اور ان کی بہن زکریا کی بیوی تھیں۔ عنہ کے اولاد نہیں تھی اور پھر وہ مریم سے حاملہ تھیں کہ عمران کا انتقال ہوگیا۔ (۵)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عمران اپنے وقت میں بنی اسرائیل کے امام صلوۃ تھے۔ عنہ نے بچی کا نام مریم رکھا

Marfat.com

کیونکہ سریانی زبان میں مریم کے معنی خادمہ کے ہیں چونکہ انہیں ہیکل کی نذر کیا تھا لہذا ان کی حیثیت ایک خدمت گزار کی ہوتی تھی۔

مریمؑ کی کفالت

ام مریم نے اپنی نذر کے مطابق بچی کو ہیکل کی نذر کر دیا۔ ہیکل کے مجاوروں میں کفالت اور پرورش کے بارے میں اختلاف ہوا تو قرعہ اندازی پر فیصلہ ہوا۔ قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا تو وہی مریم کے کفیل ٹھہرے۔ قرآن مجید نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَیُّهُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ (۷)

اے محمدؐ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ سے بتا رہے ہیں، ورنہ تم اس وقت وہاں موجود نہ تھے جب ہیکل کے خادم یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ مریمؑ کا سرپرست کون ہو اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے اور نہ تم اس وقت حاضر تھے جب ان کے درمیان جھگڑا برپا تھا۔

علامہ ابن کثیر ابن اسحٰق اور ابن جریر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مریم چونکہ یتیمہ تھیں اور زکریاؑ ان کے خالو تھے لہذا علمی و اخلاقی تربیت کے نقطہ نظر سے انہیں کی کفالت میں آئیں۔ (۸) ابن جریر نے تفصیلاً لکھا ہے کہ ام مریم بیٹی کو لے کر بیت المقدس کے متولیوں کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے اسے ہیکل کی نذر کیا ہے اور حائضہ ہونے کی وجہ سے یہ عبادت گاہ میں داخل نہیں ہو سکتی اور میں اسے گھر بھی نہیں لے جا سکتی زکریا نے خالو ہونے کی وجہ سے کفالت کی ذمہ داری لینے کا عندیہ دیا جبکہ دوسرے مجاوروں نے کہا کہ ہمارے امام کی بیٹی ہے ہم رکھیں گے اور بالآخر تورات لکھنے والے قلموں سے قرعہ اندازی کی گئی اور زکریا کے نام قرعہ نکلا۔ (۹) ابن کثیر اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و کان مع ذلک کبیرهم و سیدهم و عالمهم و امامهم و نبیهم صلوت و سلامه علیه و علی سائر النبیین (۱۰)

اور زکریا بہر کیف ان کے بزرگ، سردار، عالم، امام اور نبی تھے۔ اللہ کی صلوٰۃ و سلام ان پر اور تمام انبیاء پر ہو۔

زکریا علیہ السلام کے زیر کفالت آنے کے بعد مریمؑ نے اپنی مذہبی زندگی کا آغاز کر دیا۔ زکریا نے ہیکل کے قریب ایک کمرہ ان کے لیے مخصوص کر دیا تا کہ دن کے وقت وہ اطمینان سے عبادت الٰہی میں مصروف رہیں۔ جب رات آتی تو ان کو اپنے مکان پر ان کی خالہ ایشاع کے پاس لے جاتے اور وہ وہیں شب بسر کرتیں۔ (۱۱)

Marfat.com

مریمؑ کا خصوصی مرتبہ

مریمؑ شب وروز عبادت میں مشغول رہتیں اور ہیکل کی خدمت کے سلسلے میں اپنے ذمہ کی خدمات بھی انجام دیتیں۔ان کا زہد وتقوی اور رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق بطور مثال ذکر کیا جانے لگا۔زکریا علیہ السلام ضروری نگہداشت کے سلسلے میں کبھی کبھی ان کے کمرے میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔جب کبھی وہ ان کے خلوت کدہ میں داخل ہوتے تو ان کے پاس کھانے کا سامان ہوتا۔زکریاؑ کو اندازہ تھا کہ یہ رزق انسانی داد ودہش کا نتیجہ نہیں تاہم اس عجیب صورت حال کے بارے میں انہوں نے مریمؑ سے سوال کر ہی لیا۔قرآن مجید نے اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ. وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱۲)

زکریاؑ جب کبھی اس کے پاس محراب میں جاتے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتے۔ پوچھتے مریمؑ یہ تیرے ہاں کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے۔اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

زکریاؑ اس وقت تک بے اولاد تھے۔اس نوجوان صالح لڑکی کو دیکھ کر فطرتاً ان کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش اللہ انہیں بھی ایسی ہی نیک اولاد عطا کرے اور یہ دیکھ کر کہ اللہ کس طرح اپنی قدرت سے اس گوشہ نشین لڑکی کو رزق پہنچا رہا ہے۔انہیں یہ امید ہوئی کہ اللہ چاہے تو اس بڑھاپے میں بھی ان کو اولاد دے سکتا ہے"(۱۳) تو انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔قرآن کا بیان ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً. اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ. اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۴)

یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا۔پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دعا سننے والا ہے۔جواب میں فرشتوں نے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔اس میں سرداری اور بزرگی کی شان ہوگی۔کمال درجہ کا ضابطہ ہوگا،نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔

یحییٰ کی بشارت میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ عیسیٰ کی تصدیق کریں گے چنانچہ انہوں نے بنی اسرائیل میں اصلاح کی تحریک شروع کر رکھی تھی جب مسیحؑ اپنے مشن کا آغاز کر رہے تھے۔عہد نامہ جدید میں انہیں John the Baptist کے نام سے پکارا گیا ہے۔ان کے حالات کے لیے متی ۳:۱۱:۱۴،مرقس ۱:۶،لوقا ۱:۳ کو دیکھا جاسکتا ہے۔قرآن یہ

Marfat.com

واضح کرنا چاہتا ہے کہ مریمؑ کی شخصیت بھی معجزانہ قدرت کا مظہر ہے۔ ان کی پیدائش دعا کے نتیجہ میں اور ان کی پرورش میں ربانی حکمت پوری طرح کارفرما ہے۔ حتیٰ کہ یحییٰ کی پیدائش میں ان کی معجزانہ شخصیت کا اثر ہے۔ قرآن مجید نے انہیں برگزیدہ شخصیت قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (۱۵)

پھر وہ وقت آیا جب مریمؑ سے فرشتوں نے آ کر کہا" اے مریمؑ! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لیے چن لیا۔ اے مریمؑ اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ، اس کے آگے سربسجود ہو اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک۔

ان آیات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مریمؑ کو ایک بڑے واقعہ کے لیے تیار کیا گیا۔ انہیں باور کرایا گیا کہ ان کی پیدائش اور پھر ان کے باعث یحییٰ کی پیدائش دراصل تمہید ہے، مسیح کی معجزانہ پیدائش کی۔

مسیح کی پیدائش

مسیح کی پیدائش ایک معجزہ اور ربانی قدرت کا اظہار ہے۔ ام عیسیٰ اپنے خلوت کدہ میں مصروف عبادت رہتی تھیں۔ ایک دن بیٹھی تھیں کہ جبریل امین انسانی شکل میں ظاہر ہوئے۔ مریمؑ نے گھبراہٹ کا اظہار کیا تو انہوں نے تسلی دی کہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں اور انہیں بیٹے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ مریمؑ نے تعجب کا اظہار کیا کہ وہ کسی انسان سے رابطہ نہیں رکھتیں اس لیے بچہ کیسے ہوگا؟ جبریل امین نے بتایا کہ تمہارے پروردگار کا حکم اسی طرح ہے۔ اس حکم کے مطابق یہ بچہ اس کی قدرت کے اظہار کا نشان ہوگا اور اس کا نام مسیح/عیسیٰ ہوگا۔ وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا اور وہ دنیا و آخرت میں صاحب وجاہت ہوگا اور اللہ کا مقرب بندہ ہوگا۔ جبریل امین نے مریمؑ کو یہ بشارت سنا کر ان پر پھونک دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان تک پہنچ گیا۔ مریمؑ نے کچھ عرصہ بعد خود کو حاملہ محسوس کیا جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا گیا ان کے اضطراب میں اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں کی بہتان طرازیوں سے بچنے کے لیے وہ بیت المقدس سے کوہ سراۃ (ساعیر) کے ایک ٹیلے پر چلی گئیں جو اب بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔ چند روز بعد دردزہ کی کیفیات میں وہ سخت مایوسی اور پریشانی کا شکار ہوئیں تو حکم خداوندی کے تحت فرشتہ دوبارہ نمودار ہوا اور مریمؑ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا اور تم تازہ کھجوریں کھاؤ اور پانی پیو اور کسی کا غم نہ کرو۔ فرشتے کی تسلی سے ایک گونہ سکون ہوا اور بچے کی پیدائش سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ قرآن نے اپنے معجزانہ اسلوب میں ان مراحل و کیفیات کو بیان کیا ہے:

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

Marfat.com

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ. قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ. اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ وَرَسُولًا اِلٰى بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ (۱۶)

اور جب فرشتوں نے کہا" اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ ہوگا اور دنیا و آخرت میں معزز ہوگا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا، لوگوں سے گہوارے میں کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور وہ ایک صالح مرد ہوگا۔ یہ سن کر مریمؑ بولی" پروردگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا، ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ (فرشتوں نے پھر اپنے سلسلہ کلام میں کہا) اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا۔ تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔

سورہ مریمؑ میں اسے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِانْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا (۱۷)

اور اے محمد ﷺ اس کتاب میں مریمؑ کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھیں اور پردہ ڈال کر ان سے چھپی بیٹھی تھیں۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (فرشتہ کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مریمؑ یکا یک بول اٹھی کہ "اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا" میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریمؑ نے کہا"

Marfat.com

میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں" فرشتے نے کہا" ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت، اور یہ کام ہو کر رہنا ہے" مریمؑ کو اس بچے کا حمل ہو گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔" فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا" غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا تیرے اوپر تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔

اس تنہائی میں اللہ کی حفاظت اور جبریل امین کی رہنمائی میں مریمؑ نے عیسیٰ کو جنم دیا۔ یہ مرحلہ تو بخوبی انجام پذیر ہوا۔ اب انہیں اگلے مرحلے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ اس بچے کو لے کر ہمیشہ کے لیے تو یہاں نہیں رہ سکتی تھیں۔ آخر کار اپنے لوگوں کے ہاں جانا تھا اور انہیں کیا بتائیں گی کہ بن باپ کے یہ بچہ کیسے آ گیا۔ وہ اس اضطراب اور پریشانی میں تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر رہنمائی کا انتظام ہوا۔ فرشتے نے آ کر یہ پیغام دیا کہ اس بچے کو لے کر اپنی قوم کے پاس جاؤ اور اگر وہ سوال کریں تو کوئی جواب دینے کی بجائے اس بچے کی طرف اشارہ کر دینا اور انہیں سمجھانا کہ تم روزہ سے ہو۔ اس لیے کسی سے کلام نہیں کرنا۔ مریمؑ ہدایت ربانی کے مطابق بچے کو اٹھائے بیت المقدس پہنچ گئیں۔ مریمؑ کو بچے سمیت دیکھ کر ہر طرف شور اٹھا۔ طعن وتشنیع تہمت اور بہتان سے قوم کی زبان درازیاں بڑھیں تو مریمؑ نے حسب حکم بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ حیرت زدہ تھے کہ بچہ کیا جواب دے گا۔ اسی اثناء میں مسیح نے بولنا شروع کیا۔ اس کلام میں نہ صرف اپنا تعارف کرایا بلکہ اپنے پیغام رسالت کو بھی ان تک پہنچایا۔ قرآن اس معجزانہ کلام کے اثرات کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا لیکن سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی زبانیں بند ہو گئی ہوں گی اور الزامات واتہامات کی جو بوچھاڑ ہو رہی ہوگی وہ رک گئی ہوگی۔ مریمؑ کی زندگی تو معجزانہ تھی ہی بچے کا کلام ایک نئی معجزانہ سمت کی طرف اشارہ تھا۔ قرآن مجید نے اسے اپنی معجزانہ تاثیر سے بیان کیا ہے:

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ٥ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ٥ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ٥ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ٥ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ٥ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ٥ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (۱۸)

Marfat.com

پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے، اے مریمؑ! یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا نہ ہی تیری ماں کوئی بدکار عورت تھی۔ مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا! لوگوں نے کہا: "ہم اس سے کیا بات کریں گے جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟" بچہ بول اٹھا۔" میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکواۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔"

"یہ ہے وہ نشانی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر عبرتناک سزا دینے سے پہلے ان پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی زاہدہ وعابدہ لڑکی کو جو بیت المقدس میں معتکف اور حضرت زکریاؑ کے زیر تربیت تھی دوشیزگی کی حالت میں حاملہ کر دیا تا کہ وہ جب بچہ لیے ہوئے آئے تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہو جائے اور لوگوں کی توجہات یکلخت اس پر مرکوز ہو جائیں۔ پھر اس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریمؑ پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کرایا تا کہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر سرفراز ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی قبول کرنے کے بجائے اسے مجرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔ (۱۹)

قرآن پاک میں واقعات کا بیان چونکہ دعوت الی اللہ اور عبرت وموعظت کے حوالے سے ہوتا ہے اس لیے اس میں تاریخی تسلسل اور واقعاتی تفصیلات نہیں ہوتیں۔ موقع کی مناسبت سے مطلوبہ حصے کو بیان کر دیا جاتا ہے لیکن مسیح کی پیدائش کے واقعہ کو غیر معمولی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس وقت کے ساتھ تاریخی تحریفات اور کلامی خرافات وابستہ ہو گئے تھے۔ قرآن نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے حقیقی صورت حال بیان کی ہے۔ قرآن کے مطابق دونوں ماں بیٹا اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہیں۔ قرآن مجید نے مسیحؑ کی ولادت الگ واقعہ کے طور پر بیان کرنے کی بجائے مریمؑ کی شخصیت کے ساتھ اس طرح منسلک کیا کہ دونوں معجزاتی شخصیتیں معلوم ہوں۔ ارشاد باری ہے:

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۰)

اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (۲۱)

Marfat.com

اور ابن مریمؑ اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور چشمے اس میں جاری تھے۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں "ربوہ" اور "ذات قرار و معین" کے سلسلہ میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں جن میں مصر، دمشق، رملہ وغیرہ کا ذکر ہے لیکن اپنی ترجیح کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

ان میں سب سے زیادہ اقرب وہ قول ہے جس کو عوفی نے ابن عباسؓ سے آیت " و بینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین " کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ "معین" سے نہر جاری مراد ہے اور یہ اسی نہر کا ذکر ہے جس کو آیت قد جعل ربک تحتک سریا میں بیان کیا گیا ہے اور ضحاک وقتادہ کا یہی قول ہے کہ " الی ربوۃ ذات قرار و معین " سے بیت المقدس کی سرزمین مراد ہے۔ یہی قول زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں بیت المقدس (کی نہر) ہی کا ذکر ہے اور قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے اور تفسیر آیات میں پہلی حیثیت اسی تفسیر کو حاصل ہے۔ اس کے بعد صحیح احادیث کے ذریعہ سے تفسیر کا اور اس کے بعد آثار کے ذریعہ سے تفسیر کا درجہ ہے۔ (۲۲)

مسیحی روایت

قرآن مجید نے تو مسیحؑ کے ذکر سے پہلے مریمؑ کی پیدائش اور یحییٰ کی پیدائش کا تذکرہ کیا اور یوں ایک معجزانہ تسلسل ہے جو ان تینوں شخصیتوں کے حوالے سے قائم ہے۔ لیکن مسیحی روایات میں مریمؑ کی پیدائش کا ذکر نہیں ہے۔ مرقس اور یوحنا کی اناجیل میں تو مسیحؑ کی پیدائش کا واقعاتی تذکرہ بھی نہیں ہے البتہ متی اور لوقا میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ لوقا میں واقعاتی ترتیب کا انداز قرآن سے ملتا جلتا ہے کیونکہ اس میں آغاز زکریا اور ان کی بیوی کی راست بازی اور ان کے بے اولاد ہونے سے ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم متی اور لوقا کے متعلقہ حصے نقل کرتے ہیں تاکہ قاری کے سامنے تقابلی تصویر آجائے۔

متی میں پہلے مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ بیان کیا گیا ہے جس میں مسیحؑ سے ابراہیمؑ تک چوالیس پشتیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر مسیحؑ کی پیدائش کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریمؑ کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریمؑ کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔

Marfat.com

اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔
یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ:
" دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔"

جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ ہے پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور اس کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام یسوع رکھا۔ (۲۳)

لوقا میں مسیحؑ کی پیدائش کے واقعہ کو یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے منسلک کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا بیان قرآن حکیم کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔ ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے:

یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں سے زکریا نام ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام وقوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ اور ان کی اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔ جب وہ خدا کے حضور اپنے فریق کی باری پر کہانت کا کام انجام دیتا تھا تو ایسا ہوا کہ کہانت کے دستور کے موافق اس کے نام کا قرعہ نکلا کہ خداوند کے مقدس میں جا کر خوشبو جلائے۔ اور لوگوں کی ساری جماعت خوشبو جلاتے وقت باہر دعا کر رہی تھی کہ خداوند کا فرشتہ خوشبو کے مذبح کی داہنی طرف کھڑا ہوا اس کو دکھائی دیا اور زکریا دیکھ کر گھبرایا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ مگر فرشتہ نے اس سے کہا اے زکریا! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لیے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی وخرمی ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے۔ کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے اور نہ کوئی اور شراب پئے گا اور اپنے ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا۔ اور وہ ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لیے ایک مستعد قوم تیار کرے۔ زکریاہ نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔ فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا میں جبرائیل ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھ سے کلام کروں اور تجھے ان باتوں کی خوشخبری دوں۔ اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔ [۲۴] اور لوگ زکریاہ کی راہ دیکھتے اور تعجب کرتے تھے کہ اسے مقدس میں کیوں دیر لگی۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے

Marfat.com

کرتا تھا اور گونگا ہی رہا۔ پھر ایسا ہوا کہ جب اس کی خدمت کے دن پورے ہو گئے تو وہ اپنے گھر گیا۔

ان دنوں کے بعد اس کی بیوی الیشبع حاملہ ہوئی اور اس نے پانچ مہینے تک اپنے تئیں یہ کہہ کر چھپائے رکھا کہ جب خداوند نے میری رسوائی لوگوں میں سے دور کرنے کے لیے مجھ پر نظر کی ان دنوں میں اس نے میرے لیے ایسا کیا۔

چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرۃ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریمؑ تھا۔ اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے اور خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبر ا گئی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریمؑ خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔ مریمؑ نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟ اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے وہ مولود مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا اور دیکھ تیری رشتہ دار الیشبع کے بڑھاپے میں بیٹا ہونے والا ہے اور اس کو جو بانجھ کہلاتی تھیں چھٹا مہینہ ہے۔ کیونکہ جو قول خدا کی طرف سے ہے وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہوگا۔ مریمؑ نے کہا دیکھ میں خداوند کی بندی ہوں۔ میرے لیے تیرے قول کے موافق ہو۔ تب فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔

انہی دنوں مریمؑ اٹھی اور جلدی سے پہاڑی ملک میں یہوداہ کے ایک شہر کو گئی۔ اور زکریاہ کے گھر میں داخل ہو کر الیشبع کو سلام کیا۔ اور جونہی الیشبع نے مریمؑ کا سلام سنا تو ایسا ہوا کہ بچہ اس کے رحم میں اچھل پڑا اور الیشبع روح القدس سے بھر گئی اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگی کہ تو عورتوں میں مبارک اور تیرے رحم کا پھل مبارک ہے۔ اور مجھ پر یہ فضل کہاں سے ہوا کہ میرے خداوند کی ماں میرے پاس آئی۔ کیونکہ دیکھ جونہی تیرے سلام کی آواز میرے کان میں پہنچی بچہ مارے خوشی کے میرے رحم میں اُچھل پڑا۔ اور مبارک ہے وہ جو ایمان لائی کیونکہ جو باتیں خداوند کی طرف سے اس سے کہی گئی تھیں وہ پوری ہوں گی۔ پھر مریمؑ نے کہا کہ:

میری جان خداوند کی بڑائی کرتی ہے۔

اور میری روح میرے منجی خدا سے خوش ہوئی۔

کیونکہ اس نے اپنی بندی کی پست حالی پر نظر کی

اور دیکھ اب سے لے کر ہر زمانہ کے لوگ مجھ کو مبارک کہیں گے۔

کیونکہ اس قادر نے میرے لیے بڑے کام کیے ہیں

اور اس کا نام پاک ہے۔

Marfat.com

اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے۔
اس نے اپنے بازو سے زور دکھایا اور جو اپنے تئیں بڑا سمجھتے تھے ان کو پراگندہ کیا۔ اس نے اختیار والوں کو تخت سے گرادیا اور پست حالوں کو بلند کیا اس نے بھوکوں کو اچھی چیزوں سے سیر کردیا۔
اور دولت مندوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا۔
اس نے اپنے خادم اسرائیل کو سنبھال لیا
تاکہ اپنی اس رحمت کو یاد فرمائے۔
جو ابراہام اور اس کی نسل پر ابد تک رہے گی۔
جیسا اس نے ہمارے باپ دادا سے کہا تھا۔
اور مریمؑ تین مہینے کے قریب اس کے ساتھ رہ کر اپنے گھر کو لوٹ گئی۔ (۲۵)
اسی کے بعد یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے اور پھر مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔
ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگوسں کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے کے لیے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرۃ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لیے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا۔ تاکہ اپنی منگیتر مریمؑ کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔
جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے وضع حمل کا وقت آ پہنچا اور اس کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا کیونکہ ان کے واسطے سرائے میں جگہ نہ تھی۔ (۲۶)

مسیحؑ کی پیدائش کے بارے میں یہ تفصیلات ہیں جو اولین مسیحی مصادر میں موجود ہیں۔ قرآن مجید نے پیدائش کے بعد ان کی زندگی کے احوال کی تفصیلات نہیں مہیا کی ہیں۔ ان کا بچپن اور جوانی کیسے گزرا؟ دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ ہمارے مفسرین نے اسرائیلی روایات کے ذریعے اپنی کتابوں میں کچھ تفاصیل دی ہیں لیکن ان کے مآخذ کی حتمی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ مسیح کے احوال حیات پر مسیحی مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ہمارے پیش نظر چونکہ ان کی سوانح حیات لکھنا نہیں ہے اس لیے ان تفاصیل سے اعتنا ممکن ہے البتہ اناجیل اربعہ میں جو واقعات درج ہیں انہیں بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان کی زندگی کے وہ گوشے بھی سامنے آجائیں جنہیں قرآن نے بیان نہیں کیا۔ ہم ان واقعات کی صحت وصداقت کی بحث میں نہیں پڑتے تاہم مسیحی لٹریچر میں اناجیل اربعہ کی اولین حیثیت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ مسلم لٹریچر میں اسرائیلی روایات کو جو مواد منقول ہے وہ زیادہ تر وھب بن منبہ سے ہے لہٰذا ہر روایت کا اختتام وہیں پر ہوتا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ صرف ان واقعات کو درج کیا جائے جو اناجیل اربعہ میں مذکور ہیں تاکہ صحت وعدم صحت کی بات ایک معلوم ماخذ کے حوالے

Marfat.com

سے ہو سکے۔ لیکن مآخذ کے بارے میں الفرڈ ایڈرشیم (Alferf Edersheim) کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:

That silence, in contrast to the almost plasphamous absurdities of the Apocryphalcgospels teaches us once more and most impressively, that the Gospels furnish a history of the Saviour, not a biography of jesus of Nazareth (۲۷)

مسیح علیہ السلام کی ابتدائی زندگی

متی نے مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے موقع سے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا جس کی حیثیت بشارت کی بھی ہو سکتی ہے۔ متی لکھتے ہیں:

جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسی پورب سے یروشلیم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ کیونکہ پورب میں اس کا ستارہ دیکھ کر ہم اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔ یہ سن کر ہیرودیس بادشاہ اور اس کے ساتھ یروشلیم کے سب لوگ گھبرا گئے۔ اور اس نے قوم کے سب سردار کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہئے؟ انہوں نے اس سے کہا کہ یہوداہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے کہ:

اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے
تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔
کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا
جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔

اس پر ہیرودیس نے مجوسیوں کو چپکے سے بلا کر ان سے تحقیق کی کہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا تھا اور یہ کہہ نہیں بیت لحم کو بھیجا کہ جا کر اس بچے کی بابت ٹھیک ٹھیک دریافت کرو اور جب وہ ملے تو مجھے خبر دو تا کہ میں بھی آ کر اسے سجدہ کروں۔ وہ بادشاہ کی بات سن کر روانہ ہوئے اور دیکھا جو ستارہ انہوں نے پورب میں دیکھا تھا وہ ان کے آگے آگے چلا۔ یہاں تک کہ اس جگہ کے اوپر جا کر ٹھہر گیا جہاں وہ بچہ تھا۔ وہ ستارے کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ اور اس گھر میں پہنچ کر بچے کو اس کی ماں مریمؑ کے پاس دیکھا اور اس کے آگے گر کر سجدہ کیا اور اپنے ڈبے کھول کر سونا اور لبان اور مر اس کو نذر کیا۔ اور ہیرودیس کے پاس پھر نہ جانے کی ہدایت خواب میں پا کر دوسری راہ سے اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔

جب وہ روانہ ہو گئے تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو تلاش کرنے کو ہے تا کہ اسے ہلاک کرے۔ پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا۔

Marfat.com

اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا۔ جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصے ہوا اور آدمی بھیج کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے۔ اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی۔ اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کی گئی تھی کہ رامہ میں آواز سنائی دی۔

رونا اور بڑا ماتم

راخل اپنے بچوں کو رو رہی ہے

اور تسلی قبول نہیں کرتی اس لیے کہ وہ نہیں ہیں۔

جب ہیرودیس مر گیا تو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ اس بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے۔ پس وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اسرائیل کے ملک میں آ گیا۔ مگر جب سنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہو گیا۔ اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔ (۶۸)

لوقا نے بھی پیدائش کے واقعہ کو بشارت کے انداز میں بیان کیا ہے اور ان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں درج ذیل مختصر معلومات مہیا کی ہیں:

اسی علاقے میں چرواہے سے جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلہ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ اور خداوند کا فرشتہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور خداوند کا جلال ان کے چوگرد چمکا اور وہ نہایت ڈر گئے۔ مگر فرشتہ نے ان سے کہا ڈرومت کیونکہ دیکھو میں تمہیں بڑی خوشی کی بشارت دیتا ہوں جو ساری امت کے واسطے ہوگی کہ آج داؤد کے شہر میں تمہارے لیے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند اور اس کا تمہارے لیے یہ نشان ہے کہ تم ایک بچہ کو کپڑے میں لپٹا اور چرنی میں پڑا ہوا پاؤ گے اور یکایک اس فرشتہ کے ساتھ آسمانی لشکر کی ایک تعداد خدا کی حمد کرتی اور یہ کہتی ہوئی ظاہر ہوئی کہ

عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح۔

جب فرشتے ان کے پاس سے آسمان پر چلے گئے تو ایسا ہوا کہ چرواہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ بیت لحم تک چلیں اور یہ بات جو ہوئی ہے اور جس کی خداوند نے ہم کو خبر دی ہے دیکھیں۔ پس انہوں نے جلدی سے جا کر مریمؑ اور یوسف کو دیکھا اور اس بچہ کو چرنی میں پڑا پایا۔ اور انہیں دیکھ کر وہ بات جو اس لڑکے کے حق میں ان سے کہی گئی تھی مشہور کی۔ اور سب سننے والوں نے ان باتوں پر جو چرواہوں نے ان سے کہیں تعجب کیا۔ مگر مریمؑ ان سب باتوں کو اپنے دل میں رکھ کر غور کرتی رہی اور چرواہے جیسا ان سے کہا گیا تھا ویسا ہی سب کچھ سن کر اور دیکھ کر خدا کی تمجید اور حمد

Marfat.com

کرتے ہوئے لوٹ گئے۔

جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتہ نے اس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یروشلیم میں لائے تا کہ خداوند کے آگے حاضر کریں۔ (جیسا کہ خداوند کی شریعت میں لکھا ہے کہ ہر ایک پہلوٹا خداوند کے لیے مقدس ٹھہرے گا)۔ اور خداوند کی شریعت کے اس قول کے موافق قربانی کریں کہ قمریوں کا ایک جوڑا یا کبوتر کے دو بچے لاؤ۔ اور دیکھو یروشلیم میں شمعون نامی ایک آدمی تھا اور وہ آدمی راستباز اور خداترس اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا اور روح القدس اس پر تھا۔ اور اس کو روح القدس سے آگاہی ہوئی تھی کہ جب تک تو خداوند کے مسیح کو دیکھ نہ لے موت کو نہ دیکھے گا۔ وہ روح کی ہدایت سے ہیکل میں آیا اور جس وقت ماں باپ اس لڑکے یسوع کو اندر لائے تا کہ اس کے لیے شریعت کے دستور پر عمل کریں۔ تو اس نے اسے اپنے گود میں لیا اور خدا کی حمد کر کے کہا کہ۔

اے مالک اب تو اپنے خادم کو اپنے قول کے موافق سلامتی سے رخصت کرتا ہے۔

کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے۔ جو تو نے سب امتوں کے روبرو تیار کی ہے۔ تا کہ غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور اور تیری امت اسرائیل کا جلال بنے۔

اور اس کا باپ اور اس کی ماں ان باتوں پر جو اس کے حق میں کہی جاتی تھیں تعجب کرتے تھے اور شمعون نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور اس کی ماں مریمؑ سے کہا دیکھ یہ اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اور اٹھنے کے لیے اور ایسا نشان ہونے کے لیے مقرر ہوا ہے جس کی مخالفت کی جائے گی بلکہ خود تیری جان بھی تلوار سے چھد جائے گی تا کہ بہت لوگوں کے دلوں کے خیال کھل جائیں۔ اور اشر کے قبیلہ میں سے حناہ نام فنوایل کی بیٹی ایک نبیہ تھی۔ وہ بہت عمر رسیدہ تھی اور اس نے اپنے کنوار پن کے بعد سات برس ایک شوہر کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ چوراسی برس سے بیوہ تھی اور ہیکل سے جدا نہ ہوتی تھی بلکہ رات دن روزوں اور دعاؤں کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھی اور وہ اس گھڑی وہاں آ کر خدا کا شکر کرنے لگی اور ان سب سے جو یروشلیم کے چھٹکارے کے منتظر تھے اس کی بابت باتیں کرنے لگی۔

اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرۃ کو پھر گئے۔

اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔

اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلیم کو جایا کرتے تھے اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلیم کو گئے۔ جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسوع یروشلیم میں رہ گیا اور اس کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی مگر یہ سمجھ کر کہ وہ قافلہ میں ہے ایک منزل نکل گئے اور اسے اپنے رشتہ داروں اور جان پہچانوں میں ڈھونڈنے لگے۔ جب نہ ملا تو اسے ڈھونڈتے ہوئے یروشلیم تک واپس گئے اور تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انہوں نے

Marfat.com

اسے ہیکل کے استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا اور جتنے ان کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کی ماں نے اسے کہا کہ بیٹا تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا؟ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے؟ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں ہونا ضرور ہے؟ مگر جو بات اس نے ان سے کہی اسے وہ نہ سمجھے اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرۃ میں آیا اور ان کے تابع رہا اور اس کی ماں نے یہ سب باتیں اپنے دل میں رکھیں۔

اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔ (۲۹)

یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات

مسیح علیہ السلام کی یحییٰ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے یحییٰ سے بپتسمہ لیا۔ اس واقعہ کو اناجیل میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً متی لکھتے ہیں:

ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی معرفت یوں ہوا کہ

بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اس کے راستے سیدھے بناؤ۔

یہ یوحنا اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے رہتا تھا اور اس کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا۔ اس وقت یروشلیم اور سارے یہودیہ اور یردن کے گرد و نواح کے سب لوگ نکل کر اس کے پاس گئے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا۔ مگر جب اس نے بہت سے فریسیوں اور صدوقیوں کو بپتسمہ کے لیے اپنے پاس آتے دیکھا تو ان سے کہا کہ اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔

اس وقت یسوع گلیل سے یردن کے کنارے یوحنا کے پاس اس سے بپتسمہ لینے آیا۔ مگر یوحنا یہ کہہ کر اسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے؟ یسوع نے جواب میں اس سے کہا

Marfat.com

ب تو ہونے ہی دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنا مناسب ہے۔اس پر اس نے ہونے دیا۔ اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو اس کے لیے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کے روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ (۳۰)

یوحنا کا بیان ہے:

اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لادی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تا کہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیا نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ یوحنا نے جواب دیا میں نے ان سے کہا کہ میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے۔یعنی میرے بعد کا آنے والا جس کی جوتی کا تسمہ میں کھولنے کے لائق نہیں یہ باتیں یردن کے پار بیت عنیاہ میں واقع ہوئیں جہاں یوحنا بپتسمہ دیتا تھا۔

دوسرے دن اس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا دیکھو یہ خدا کا برہ ہے۔جو دنیا کا گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔یہ وہی ہے جس کی بابت میں نے کہا تھا کہ ایک شخص میرے بعد آتا ہے جو مجھ سے مقدم ٹھہرا ہے کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا۔اور میں تو اسے پہچانتا نہ تھا مگر اس لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوا آیا کہ وہ اسرائیل پر ظاہر ہو جائے۔اور یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اترتے دیکھا ہے اور وہ اس پر ٹھہر گیا۔اور میں تو اسے پہچانتا نہ تھا مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا اور گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے۔ (۳۱)

مرقس لکھتے ہیں:

یسوع مسیح ابن خدا کی خوشخبری کا شروع

جیسا یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ

دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں

Marfat.com

جو تیری راہ تیار کرے گا

بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ

خداوند کی راہ تیار کرو۔

اس کے راستے سیدھے بناؤ۔

یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کے منادی کرتا تھا۔ اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے اور انہوں نے اپنی گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا۔ اور یوحنا اونٹ کے بالوں کا لباس پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے رہتا اور ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتا تھا۔ اور یہ منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زورآور ہے۔ میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔ میں نے تو تم کو پانی سے بپتسمہ دیا مگر وہ تم کو روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔

اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرۃ سے آکر یردن سے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا۔ اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔ (۳۲)

لوقا بیان کرتے ہیں:

تبریس قیصر کی حکومت کے پندرھویں برس جب پطیس پیلاطس یہودیہ کا حاکم تھا اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخونی تس کا اور لسانیاس ابلینے کا حاکم تھا۔ اور حنا اور کائفا سردار کاہن تھے اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریاہ کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا اور وہ یردن کے سارے گردونواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا۔ جیسا یسعیاہ نبی کے کلام کی کتاب میں لکھا ہے کہ:

بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ

خداوند کی راہ تیار کرو۔

اس کے راستے سیدھے بناؤ۔

ہر ایک گھاٹی بھر دی جائے گی

اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ نیچا کیا جائے گا

اور جو ٹیڑھا ہے سیدھا

اور جو اونچا نیچا ہے ہموار راستہ بنے گا۔

Marfat.com

اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا۔

پس جو لوگ اس سے بپتسمہ لینے کو نکل کر آتے تھے وہ ان سے کہتا تھا اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتایا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنا شروع نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے اور اب تو درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہے پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا پھر ہم کیا کریں؟ اس نے جواب میں ان سے کہا جس کے پاس دو کُرتے ہوں وہ اس کو جسے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے اور محصول لینے والے بھی بپتسمہ لینے کو آئے اور اس سے پوچھا کہ اے استاد ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا جو تمہارے لیے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا۔ اور سپاہیوں نے بھی اس سے پوچھا کہ ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی سے ناحق کچھ لو اور تنخواہ پر کفایت کرو۔

جب لوگ منتظر تھے اور سب اپنے اپنے دل میں یوحنا کی بابت سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں۔ تو یوحنا نے ان سب سے جواب میں کہا میں تو تمہیں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں مگر جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں۔ وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے تاکہ وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے اور گیہوں کو اپنے کھتے میں جمع کرے مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔

پس وہ اور بہت سی نصیحت کر کے لوگوں کو خوشخبری سناتا رہا۔ لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودیس نے کی تھیں یوحنا سے ملامت اٹھا کر۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ اس کو قید میں ڈالا۔

جب سب لوگوں نے بپتسمہ لیا اور یسوع بھی بپتسمہ پا کر دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ آسمان کھل گیا۔ اور روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی مانند اس پر نازل ہوا اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔ (۴۴)

مسیح علیہ السلام کی آزمائش

اناجیل اربعہ میں مسیح علیہ السلام کی آزمائش کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے جس کے مطابق ابلیس نے مسیح کے ایمان کو مختلف طریقوں سے جانچنے کی کوشش کی لیکن آپ ہر بار اس کے داؤ سے محفوظ رہے۔ متی اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اس وقت روح یسوع کو جنگل میں لے گیا تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے۔ اور چالیس دن اور چالیس

Marfat.com

رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی۔ اور آزمانے والے نے پاس آ کر اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں۔ اس نے جواب میں کہا" لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے، تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے کیونکہ لکھا ہے کہ

وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا

اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے

ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔

یسوع نے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ

" تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر"۔ پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچی پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی۔ اور اس سے کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آ کر اس کی خدمت کرنے لگے۔ (۳۴)

مرقس اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اور فی الفور روح نے اسے بیابان میں بھیج دیا۔ اور وہ بیابان میں چالیس دن تک شیطان سے آزمایا گیا اور جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا کیا اور فرشتے اس کی خدمت کرتے رہے۔ (۳۵)

لوقا کا بیان بھی متی کی تائید کرتا ہے۔ (۳۶)

مسیحؑ کی شخصیت

مسیحؑ کی شخصی تصویر کا کوئی خاکہ سامنے نہیں آتا۔ ایک اسرائیلی شخصیت جو بچپن سے جوانی تک اسرائیلی ماحول میں پروان چڑھی ہو اس کا سراپا معلوم کرنا یوں بھی مشکل ہی ہے صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آنحضور ﷺ کے بعض ارشادات سے ایک تصویر بنتی ہے۔ ہم بخاری سے وہ بیان نقل کرتے ہیں جو راوی کے بقول حضور اکرم ﷺ نے مسیحؑ کی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ربعة احمر كانما خرج من ديماس يعنى الحمام (۳۷)

میانہ قد، سرخ رنگ گویا ابھی دیماس یعنی حمام سے نکلے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

وارانی اللیة عندا لکعبة فی المنام فاذا رجل آدم کا حسن ما یری من ادم الرجال تضرب لمته بین منکبیه رجل الشعر یقطر راسه ماء (۳۸)

مجھے رات کے وقت خواب میں کعبہ کے پاس دکھایا گیا کہ ایک شخص جو گندمی رنگ کا تھا ایسا جو آدمیوں میں بہت اچھا گندمی رنگ لگے۔ کاکل کندھوں تک لٹکے ہوئے تھے اور بال کچھ گھنگھریالے تھے اور سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

مسیحؑ کی شخصیت غیر معمولی کشش رکھتی تھی۔ معجزاتی شخصیت ہونے کے باعث بے پناہ تاثیر رکھتے تھے۔ اللہ نے ظاہری و باطنی خوبیوں سے نوازا تھا۔

امام مسلم نے نواس بن سمعان سے طویل حدیث نقل کی جس کے ایک حصہ میں مسیحؑ کے نزول کا ذکر ہے۔ آنحضورؐ سے منقول اس حدیث میں مسیحؑ کی شخصیت کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے۔

اذ بعث الله المسیح بن مریم ؑ علیه السلام فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق بین مهر و دتین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین اذا طاء طاء راسه قطر و اذا رفعه تحدر منه جمان کالولو...... "(۳۹)

اللہ جب مسیحؑ بن مریمؑ کو بھیجے گا تو وہ مسجد دمشق کے مشرقی جانب کے سفید منارہ پر اتریں گے اور ان کے بدن پر (سرخی مائل) گہری زرد رنگ کی دو چادریں ہوں گی اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لیے ہوں گے۔ جب سر جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپکنے لگے گا۔ اور جب سر اٹھائیں گے پانی کے قطرے موتیوں کی طرح چمکیں گے۔ (گویا نہا کر آ رہے ہوں گے)۔

آنحضورﷺ کی ایک روایت کے مطابق آپ عروہ بن مسعود کے مشابہ تھے۔ (۴۰) مسیحؑ کی شخصیت انبیاء کی خصوصیات کی حامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بگڑی ہوئی جرائم پیشہ قوم کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا اس لیے انہیں خصوصی تاثیر اور تائید سے نوازا۔ ان کے لیے "و ایدناہ بروح القدس" کے الفاظ استعمال کیے اور مجرمین سے محفوظ رکھنے کے لیے خصوصی انتظام کیا۔

بعثت و رسالت

مسیحؑ نے گہوارے میں اپنی نبوت و رسالت اور کتاب الٰہی ملنے کا اعلان کیا تھا۔ اس لیے سنِ شعور کو پہنچتے ہی کار دعوت میں مشغول ہو گئے۔ قرآن نے عمر کا تعین نہیں کیا البتہ لوقا میں ہے کہ جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا۔ (۴۱) اور دینی امور میں دلچسپی تو پہلے سے ہی تھی۔ لوقا کے مطابق بارہ برس کی عمر میں انہوں نے اسے ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا۔ (۴۲) مسیحؑ کی بعثت بنیادی طور پر یہودیوں کے لیے تھی۔ (۴۳) اس لیے بنی اسرائیل کی دینی و اخلاقی حالت کا جاننا ضروری ہے۔

Marfat.com

مسیحؑ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل اپنے اخلاقی زوال کی گرفت میں تھے۔ اور ایک عرصے سے وہ ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ انفرادی اور اجتماعی عیوب ونقائص کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ان سے بچ رہا ہو وہ اعتماد و عمل دونوں ہی قسم کی گمراہیوں کا مرکز ومحور بن گئے تھے۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی بے راہ روی کو مفصل بیان کیا ہے۔ قرآن کے مطابق وہ جن جرائم کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے ان میں سے ایک قتل انبیاء بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ. ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۴۴)

آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل نکل جاتے تھے۔

جہاں تک انبیاء کی توہین اور ان کے قتل کا تعلق ہے تو بنی اسرائیل نے اپنی تاریخ میں خود اسے بیان کیا ہے۔ یہاں چند ایک واقعات نقل کیے جاتے ہیں جن سے ان کی سنگ دلی واضح ہوتی ہے۔

(۱) حضرت سلیمانؑ کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہوکر دو ریاستوں یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ کی دولت اسرائیل میں بٹ گئی تھی تو ان میں باہم لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے مدد مانگی۔ اس پر خدا کے حکم سے حنانی نبی نے یہودیہ کے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہہ کی مگر آسا نے اس تنبیہہ کو قبول کرنے کے بجائے خدا کے پیغمبر کو جیل بھیج دیا۔ (۴۵)

(۲) الیاس (Alisa) علیہ السلام نے جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ اخی اب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا۔ بائبل کے مطابق اخی رب نے صیدنیوں کے بادشاہ بعل کی بیٹی ایزبل سے بیاہ کیا اور جا کر بعل کی پرستش کرنے اور اسے سجدہ کرنے لگا[۴۶] الیاس نے اس پر ٹوکا تو انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ جان بچانے کے لیے جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔[۴۷] بائبل میں ان کی التجا ان الفاظ میں منقول ہے: خداوند لشکروں کے خدا کے لیے مجھے بڑی غیرت آئی کیونکہ بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔ (۴۸)

(۳) اسی بادشاہ نے ایک اور نبی میکایا کو قید کا حکم دیتے ہوئے کہا:

Marfat.com

اس شخص کو قید خانہ میں ڈال دو اور اسے مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا جب تک میں سلامت نہ آؤں۔ (۴۹)

(۴) جب یہویدع کاہن کے بیٹے زکریاہ نے بنی اسرائیل کو بلند جگہ سے پکارا اور کہا: " خدا یوں فرماتا ہے کہ تم خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ (۵۰)

اس نصیحت کا اثر تو یہ ہونا چاہیے کہ سب لوگ یکسو ہو کر خداوند کی طرف رجوع کرتے لیکن انہوں نے الٹا کام کیا۔ بائبل کے مطابق: تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا۔ (۵۱)

(۵) جب سامریہ کی اسرائیلی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی تھی اور یروشلم کی یہودی ریاست پر تباہی کا طوفان تلا کھڑا تھا تو یرمیاہ نبی اپنی قوم کے زوال پر انہیں متنبہ کر رہے تھے اور قوم انہیں نہ صرف نظرانداز کر رہی تھی بلکہ امراء نے انہیں قید کیا۔ ان پر غداری کا الزام لگایا۔ یرمیاہ کا پورا صحیفہ ان کے حالات، پیغام اور مصائب پر گواہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امراء یرمیاہ پر غضب ناک ہوئے اور اسے مارا اور یونیتن منشی کے گھر میں اسے قید کر دیا کیونکہ انہوں نے اس گھر کو قید خانہ بنا رکھا تھا۔ (۵۲)

یرمیاہ نبی نے ریاست پر آنے والی ہلاکتوں کے بارے میں اپنا بیان جاری رکھا جس پر مشتعل ہو کر امراء نے ان کے قتل کا مشورہ دیا۔ بادشاہ نے انہیں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کو کہا تو انہوں نے یرمیاہ نبی کو پکڑ کر ملکیاہ شہزادے کے حوض میں جو قید خانہ کے صحن میں تھا ڈال دیا اور انہوں نے یرمیاہ کو رسے سے باندھ کر لٹکایا اور حوض میں کچھ پانی نہ تھا بلکہ کیچڑ تھا اور یرمیاہ اس میں دھنس گیا (۵۳) اور بالآخر شاہی خواجہ سرا عبد ملک کی سفارش پر بادشاہ کے حکم سے انہیں حوض سے نکالا گیا۔

(۶) بنی اسرائیل کے ایک اور نبی عاموس نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو اس کی گمراہیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان حرکات کے برے انجام سے خبردار کیا تو انہیں ملک سے نکل جانے کا کہا گیا۔ عاموس کے صحیفہ میں ہے: تب بیت ایل کے کاہن امصیاہ نے شاہ اسرائیل یربعام کو کہلا بھیجا کہ عاموس نے تیرے خلاف بنی اسرائیل میں فتنہ برپا کیا ہے اور ملک میں اس کی باتوں کی برداشت نہیں۔ کیونکہ عاموس یوں کہتا ہے کہ یربعام تلوار سے مارا جائے گا اور اسرائیل یقیناً اپنے وطن میں اسیر ہو کر جائے گا۔ اور رمعیاہ عاموس سے کہا اے غیب گو تو یہوداہ کے ملک کو بھاگ جا وہیں کھا پی اور نبوت کر پر بیت ایل میں پھر کبھی نبوت نہ کرنا کیونکہ یہ بادشاہ کا مقدس اور شاہی محل ہے۔ (۵۴)

(۷) یحییٰ کا واقعہ تو مسیح کی زندگی کا واقعہ ہے۔ یحییٰ قوم کو ان کی بداعمالیوں پر ٹوکتے اور مذہبی قیادت کی

Marfat.com

بے عملیوں پر انہیں ملامت کرتے۔ متی لکھتے ہیں کہ: مگر جب اس نے بہت سے فریسیوں اور صدوقیوں کو بپتسمہ کے لیے اپنے پاس آتے دیکھا تو ان سے کہا اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟ پس تم یہ کہ موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ (۵۵)

مرقس نے یحییٰ کی تفصیل لکھی ہے:

" کیونکہ ہرودیس نے ایک آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے بیاہ کر لیا تھا۔ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھے روا نہیں۔ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر خوشی سے سنتا تھا اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور اپنے فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی۔ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا۔ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی۔ (۵۶)

ابو حاتم نے عبیدہ بن الجراح سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

یا ابا عبیدہ قتلت بنو اسرائیل ثلاثة و اربعین نبیا من اول النهار فی ساعة واحدة فقام مائة و سبعون رجلا من بنی اسرائیل فامروا من قتلهم بالمعروف و نهوا عن المنکر فقتلوهم جمیعا من آخر النهار من ذلک الیوم (۵۷)

اے ابوعبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن کے پہلے حصے کی ایک ہی ساعت میں چونتیس نبیوں کو قتل کیا تو ان میں سے ایک سو ستر لوگ کھڑے ہوئے اور قاتلوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو بنی اسرائیل نے اس دن آخری ساعتوں میں ان سب کو بھی قتل کر دیا۔

Marfat.com

ابوحاتم اور طیالسی نے عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل کی ہے کہ:

قتلت بنی اسرائیل ثلاثمائة نبی من اول النهار واقاموا سوق بقلهم من آخره (۵۸)

بنی اسرائیل نے ایک ہی دن کے پہلے حصے میں تین سونبیوں کو قتل کیا اور اسی دن کے آخری حصے میں سبزیوں کا بازار لگایا۔

قتل انبیاء کے علاوہ عقیدہ وعمل ہر فساد ان میں سرایت کر چکا تھا اور انبیاء انہیں بار بار متنبہ کرتے اور اصلاح احوال کی کوشش کرتے لیکن بنی اسرائیل کا فساد زدہ ذہن ہر بار انکار وتکذیب کا اظہار کرتا اور تباہی کا شکار ہوتا۔ قرآن مجید نے ان کے فسادی رویہ کو بالصراحت بیان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (۵۹)

اور ہم نے اپنی کتاب (۶۰) میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آخر کار جب ان میں پہلی سرکشی کا موقعہ پیش آیا، تو اے بنی اسرائیل، ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔

بنی اسرائیل کے فساد کو سمجھنے کے لیے ان کی تاریخ کا مختصر جائزہ مفید ہو گا۔

بنی اسرائیل جب حضرت موسیٰ کی قیادت میں فلسطین کے علاقے میں آئے تو انہیں ہدایات تھیں کہ یہ سرزمین ان لوگوں سے چھین لینا اور ان سے میل جول رکھنے کے بجائے انہیں ختم کر دینا۔ تورات میں ہے:

جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لیے تو جا رہا ہے پہنچا دے اور تیرے آگے ان بہت سے قوموں کو یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں نکال دے۔ اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مار لے تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا تو ان سے شادی بیاہ بھی نہ کرنا، نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا اور نہ اپنی بیٹیوں کے لیے ان کی بیٹیاں لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹوں کو میری پیروی سے برگشتہ کر دیں گے تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں۔ یوں خدا کا غضب تم پر بھڑکے گا اور وہ تجھ کو جلد ہلاک کر دے گا۔ بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذبحوں کو ڈھا دینا، ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلا دینا۔ (۶۱)

Marfat.com

لیکن بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ ان ہدایات کو بھول گئے ۔انہوں نے اپنی کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی ۔قبائلی عصبیت کی وجہ سے ہر قبیلہ نے مفتوحہ علاقہ کا ایک حصہ لیا اور اپنا انتظام کیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مشرک قوموں کو ختم نہ کر سکے اور ان کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوئے اور ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی مشرک شہری ریاستیں موجود رہیں ۔اسی بات کی طرف زبور میں اشارہ کیا گیا ہے:

> انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا کہ خداوند نے انہیں حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان کے سے کام سیکھ گئے اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لیے پھندا بن گئے بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لیے قربان کیا اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا خون بہایا جن کو انہوں نے کنعان کے بتوں کے لیے قربان کر دیا اور ملک خون سے ناپاک ہو گیا۔یوں وہ اپنے ہی کاموں سے آلودہ ہو گئے اور اپنے فعلوں سے بے وفا بنے ۔اس لیے خدا کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہو گئی اور اس نے ان کو ان قوموں کے قبضے میں کر دیا اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران ہو گئے ۔ (۶۲)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں شرک اور دوسری اخلاقی گندگیاں راہ پا گئیں اور فکری و عملی فساد شروع ہوا جو آگے چل کر ان کا قومی خاصہ بن گیا۔اس کا اولین اشارہ ہمیں قضاۃ میں ملتا ہے:

> اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی اور بعلیم کی پرستش کرنے لگے اور انہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو جو ان کے چوگرد کی قوموں کے دیوتاؤں میں سے تھے پیروی کرنے اور ان کو سجدہ کرنے لگے اور خداوند کو غصہ دلایا اور وہ خداوند کو چھوڑ کر بعل اور عستارات کی پرستش کرنے لگے اور خداوند کا قہر اسرائیل پر بھڑکا اور اس نے ان کو غارت گروں کے ہاتھوں میں کر دیا جو ان کو لوٹنے لگے اور اس نے ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھ جو آس پاس تھے بیچا سو وہ پھر اپنے دشمنوں کے سامنے کھڑے نہ ہو سکے ۔ (۶۳)

اسی فساد کی وجہ سے اردگرد کی قومیں ان پر غالب آ گئیں اور خداوند کے عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) تک ان سے چھین لیا گیا۔بالآخر ۱۰۲۰ ق م میں سموئیل نبی نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا اور ایک متحدہ سلطنت کی بنیاد پڑی جسے طالوت (۱۰۲۰۔۱۰۰۴ ق م) نے مستحکم کیا اور یوں موسیٰؑ کا چھوڑا ہوا کام مکمل ہوا۔لیکن سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل پر دنیا پرستی کا پھر شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے لڑ کر اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کر لیں ۔شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل جس کا پایہ تخت سامریہ قرار پایا اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہودیہ جس کا پایہ تخت یروشلم رہا۔ان دونوں سلطنتوں میں سخت رقابت اور کشمکش اول روز سے شروع ہو گئی اور آخر تک رہی ۔ان میں سے اسرائیلی ریاست کے باشندے اخلاقی فساد کا سب سے پہلے شکار ہوئے اور اس کے بعد یہودیہ کے ۔ان

Marfat.com

دونوں سلطنتوں کے حکمرانوں اور باشندوں کو انبیاء بنی اسرائیل کے ذریعہ سے مسلسل تنبیہات ہوتی رہیں لیکن ان کے فساد زدہ مزاجوں نے ان تنبیہات کو قبول نہ کیا۔

بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے بڑھیں تو یرمیاہ نبی کو انجام سامنے نظر آنے لگا۔ انہوں نے ان کی بدکاریوں کے خلاف آواز بلند کی اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ یرمیاہ کا صحیفہ ان تنبیہات سے بھرا پڑا ہے جو اس مفسد قوم کو راہ راست پر لانے کے لیے کی گئیں۔ بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں بنی اسرائیل کے فساد اور اس کے برے نتائج کے حوالے ملتے ہیں۔ انہیں یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقی ایل کے ذریعہ سے مسلسل تنبیہات کی گئیں اور ان کی بدکاریوں پر انہیں سرزنش کی گئی۔ ذیل میں ہم چند حوالے درج کرتے ہیں جن سے ان کی حالت پر روشنی پڑتی ہے:

بنی اسرائیل کے بگاڑ کا نقشہ یسعیاہ نبی کے صحیفہ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ملتا ہے:

آہ خطا کار گروہ، بدکاری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل، مکار اولاد جنہوں نے خداوند کو ترک کیا، اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے۔ تم کیوں زیادہ بغاوت کر کے مار کھاؤ گے۔" (۶۴)

وفادار بستی کیسی بدکار ہو گئی، وہ تو انصاف سے معمور تھی اور راستبازی اس میں بستی تھی لیکن اب خونی رہتے ہیں۔ تیری چاندی میل ہو گئی، تیری مئے میں پانی مل گیا، تیرے سردار گردن کش اور چوروں کے ساتھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک رشوت دوست اور انعام کا طالب ہے۔ وہ یتیموں کا انصاف نہیں کرتے اور بیواؤں کی فریاد ان تک نہیں پہنچتی۔ اس لیے رب الافواج اسرائیل کا قادر یوں فرماتا ہے کہ آہ میں ضرور اپنے مخالفوں سے آرام پاؤں گا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا۔ (۶۵)

" اور خدا فرماتا ہے، چونکہ صیہون کی بیٹیاں متکبر ہیں اگر گردن کشی اور شوخ چشمی سے خراماں ہوتی ہیں اور اپنے پاؤں سے ناز رفتاری کرتی ہیں اور گھنگھرو بجاتی جاتی ہیں اس لیے خداوند صیہون کی بیٹیوں کے سر گنجے اور یہوداہ ان کے بدن بے پردہ کر دے گا۔ اس دن خداوند ان کے خلخال کی زیبائش اور جالیاں اور چاند لے گا اور آویزے اور پنچیاں اور نقاب اور تاج اور پازیب اور پٹکے اور عطر دان اور تعویذ اور انگوٹھیاں اور نتھ۔ اور نفیس پوشاکیں اور اوڑھنیاں اور دوپٹے اور کیسے اور آرسیاں اور باریک کتانی لباس اور دستاریں اور برقعے اور یوں ہوگا کہ خوشبو کے عوض سڑاہٹ ہوگی اور پٹکے کے بدلے رسی اور گندھے ہوئے بالوں کی جگہ چندلا پن اور نفیس لباس کی جگہ ٹاٹ اور حسن کے بدلے داغ، تیرے بہادر تہ تیغ ہوں گے اور تیرے پہلوان جنگ میں قتل ہوں گے۔ اس کے پھاٹک ماتم اور نوحہ کناں ہوں گے اور وہ اجاڑ ہو کر خاک پر بیٹھے گی۔ (۶۶)

پھر جب معاملات حد سے زیادہ خراب ہوئے تو یرمیاہ نبی نے اپنے پیغمبرانہ منصب کے تقاضے پر صدا بلند کی۔ انہوں نے کہا:

Marfat.com

اے اہلِ یعقوب اور اہلِ اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادا نے مجھ میں کون سی بے انصافی پائی جس کے سبب وہ مجھ سے دور ہو گئے اور بطلان کی پیروی کر کے باطل ہوئے؟ اور انہوں نے یہ نہ کہا کہ خداوند کہاں ہے جو ہم کو ملک مصر سے نکال لایا اور بیابان اور بنجر اور گڑھوں کی زمین میں سے خشکی اور موت کے سایہ کی سرزمین میں سے جہاں سے نہ کوئی گزرتا ہے اور نہ کوئی بود و باش کرتا تھا ہم کو لے آیا؟ اور میں تم کو باغوں والی زمین میں لایا کہ تم اس کے میوے اور اس کے اچھے پھل کھاؤ لیکن جب تم داخل ہوئے تو تم نے میری زمین کو ناپاک کر دیا اور میری میراث کو مکروہ بنایا۔ کاہنوں نے نہ کہا کہ خداوند کہاں ہے؟ اور اہلِ شریعت نے مجھے نہ جانا اور چرواہوں نے مجھ سے سرکشی کی اور نبیوں نے بعل کے نام سے نبوت کی اور ان چیزوں کی پیروی کی جن سے کچھ فائدہ نہیں۔ اس لیے خداوند فرماتا ہے میں پھر تم سے جھگڑوں گا اور تمہارے بیٹوں کے بیٹوں سے جھگڑا کروں گا۔ کیونکہ پار گزر کر کتیم کے جزیروں میں دیکھو اور قیدار میں قاصد بھیج کر دریافت کرو اور دیکھو کہ ایسی بات کہیں ہوئی ہے؟ کیا کسی قوم نے اپنے معبودوں کو حالانکہ وہ خدا نہیں، بدل ڈالا؟ پر میری قوم نے اپنے جلال کو بے فائدہ چیز سے بدلا۔ خداوند فرماتا ہے اے آسمانو! اس سے حیران ہو۔ شدت سے تھرتھراؤ اور بالکل ویران ہو جاؤ۔ کیونکہ میرے لوگوں نے دو برائیاں کیں۔ انہوں نے میرے آبِ حیات کے چشمہ کو ترک کر دیا اور اپنے لیے حوض کھودے ہیں۔ شکستہ حوض جن میں پانی نہیں ٹھہر سکتا کیا اسرائیل غلام ہے؟ کیا وہ خانہ زاد ہے؟ وہ کس لیے لوٹا گیا؟ جوان شیر ببر اس پر غرائے اور گرجے اور انہوں نے اس کا ملک اجاڑ دیا۔ اس کے شہر جل گئے۔ وہاں کوئی بسنے والا نہ رہا۔ بنی نوف اور بنی تحفنیس نے بھی تیری کھوپڑی پھوڑی۔ کیا تو خود ہی یہ اپنے اوپر نہیں لائی کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو ترک کیا۔ جبکہ وہ تیری راہبری کرتا تھا۔ اور اب سیحور کا پانی پینے کو مصر کی راہ میں تجھے کیا کام؟ اور دریائے فرات کا پانی پینے کو اسور کی راہ میں تیرا کیا مطلب؟ تیری ہی شرارت تیری تادیب کرے گی اور تیری برگشتگی تجھ کو سزا دے گی۔ خداوند رب الافواج فرماتا ہے دیکھ اور جان لے کہ یہ برا اور نہایت بے جا کام ہے کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو ترک کیا اور تجھ کو میرا خوف نہیں۔ کیونکہ مدت ہوئی کہ تو نے اپنے جوئے کو توڑ ڈالا اور اپنے بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے اور کہا کہ میں تابع نہ رہوں گی۔ ہاں ہر ایک اونچے پہاڑ اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے تو بدکاری کے لیے لیٹ گئی۔ میں نے تو تجھے کامل تاک لگایا اور عمدہ بیج بویا تھا پھر تو کیونکر میرے لیے بے حقیقت جنگلی انگور کا درخت ہو گئی؟ ہر چند تو اپنے کو سجی سے دھوئے اور بہت سا صابون استعمال کرے تو بھی خداوند فرماتا ہے تیری شرارت کا داغ میرے حضور عیاں ہے۔ تو کیونکر کہتی ہے میں ناپاک نہیں ہوں۔ میں نے بعلیم کی پیروی نہیں کی؟ وادی میں اپنی روش

Marfat.com

دیکھ اور جو کچھ تو نے کیا ہے معلوم کر۔ تو تیز رو اونٹنی کی مانند ہے جو ادھر اُدھر دوڑتی ہے مادہ گورخر کی مانند جو بیابان کی عادی ہے۔ جو شہوت کے جوش میں ہوا کو سونگھتی ہے۔ اس کی مستی کی حالت میں کون اسے روک سکتا ہے؟ اس کے طالب ماندہ نہ ہوں گے۔ اس کی مستی کے ایام میں وہ اسے پالیں گے۔ تو اپنے پاؤں کو برہنگی سے اور اپنے حلق کو پیاس سے بچا لیکن تو نے کہا کہ کچھ امید نہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ میں بیگانوں پر عاشق ہوں اور ان ہی کے پیچھے جاؤں گی۔ جس طرح چور پکڑا جانے پر رسوا ہوتا ہے اسی طرح اسرائیل کا گھرانہ رسوا ہوا۔ وہ اور اس کے بادشاہ اور امراء اور کاہن اور نبی جو لکڑی سے کہتے ہیں کہ تو میرا باپ ہے اور پتھر سے کہ تو نے مجھے جنم دیا کیونکہ انہوں نے میری طرف منہ نہ کیا بلکہ پیٹھ کی پر اپنی مصیبت کے وقت وہ کہیں گے کہ اٹھ کر ہم کو بچا۔ لیکن تیرے بت کہاں ہیں جن کو تو نے اپنے لیے بنایا؟ اگر وہ تیری مصیبت کے وقت تجھے بچا سکتے ہیں تو اٹھیں کیونکہ اے یہوداہ جتنے تیرے شہر ہیں اتنے ہی تیرے معبود ہیں۔ (۶۷)

"خداوند نے مجھ سے فرمایا، کیا تو نے دیکھا کہ برگشتہ اسرائیل (یعنی سامریہ کی اسرائیلی ریاست) تو نے کیا کیا؟ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ اور ہر ایک درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی اور جب وہ یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا وہ میری طرف واپس آئے گی پر وہ نہ آئی اور اس کی بے وفا بہن یہوداہ (یعنی یروشلم کی یہودی ریاست) نے یہ حال دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زنا کاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دے دی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری بلکہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زنا کاری کی یعنی بت پرستی۔ (۶۸)

" اب یروشلم کے کوچوں میں ادھر اُدھر گشت کرو اور دیکھو اور دریافت کرو اور اس کے چوکوں میں ڈھونڈو اگر کوئی آدمی وہاں ملے جو انصاف کرنے والا اور سچائی کا طالب ہو تو میں اسے معاف کر دوں گا۔ اور اگرچہ وہ کہتے ہیں "زندہ خدا کی قسم" تو بھی یقیناً وہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔ اے خداوند! کیا تیری آنکھیں سچائی پر نہیں ہیں؟ تو نے ان کو مارا ہے پر انہوں نے افسوس نہیں کیا۔ تو نے ان کو غارت کیا پر وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہروں کو چٹان سے بھی زیادہ سخت بنایا۔ انہوں نے واپس آنے سے انکار کیا ہے۔ تب میں نے کہا کہ یقیناً یہ بے چارے جاہل ہیں کیونکہ یہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو نہیں جانتے۔ میں بزرگوں کے پاس جاؤں گا اور ان سے کلام کروں گا کیونکہ وہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو جانتے ہیں لیکن انہوں نے جوا بالکل توڑ ڈالا اور بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس لیے جنگل کا شیر ببر ان کو پھاڑے گا۔ بیابان کا بھیڑیا ان کو ہلاک کرے گا۔ چیتا ان کے شہروں کی

Marfat.com

گھات میں بیٹھا رہے گا۔ جو کوئی ان میں سے نکلے پھاڑا جائے گا کیوں کہ ان کی سرکشی بہت ہوئی اور ان کی برگشتگی بڑھ گئی۔ میں تجھے کیونکر معاف کروں؟ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں۔ جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی؟

اس کی دیواروں پر چڑھ جاؤ اور توڑ ڈالو لیکن بالکل برباد نہ کرو۔ اس کی شاخیں کاٹ دو کیونکہ وہ خداوند کی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ خداوند فرماتا ہے اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے نے مجھ سے نہایت بے وفائی کی۔ انہوں نے خداوند کا انکار کیا اور کہا کہ وہ نہیں ہے۔ ہم پر ہرگز آفت نہ آئے گی اور تلوار اور کال کو ہم نہ دیکھیں گے۔ اور نبی محض ہوا ہو جائیں گے اور کلام ان میں نہیں ہے۔ ان کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ پس اس لیے کہ تم یوں کہتے ہو خداوند رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں اپنے کلام کو تیرے منہ میں آگ اور ان لوگوں کو لکڑی بناؤں گا اور وہ ان کو بھسم کر دے گی۔ اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں۔ وہ سب بہادر مرد ہیں اور وہ تیری فصل کا اناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں اور بیٹیوں کے کھانے کی تھی کھا جائیں گے۔ تیرے گائے بیل اور تیری بھیڑ بکریوں کو چٹ کر جائیں گے۔ تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے۔ تیرے حصین شہروں کو جن پر تیرا بھروسا ہے تلوار سے ویران کر دیں گے۔ لیکن خداوند فرماتا ہے ان ایام میں بھی میں تم کو بالکل برباد نہ کروں گا اور یوں ہوگا کہ جب وہ کہیں گے کہ خداوند ہمارے خدا نے یہ سب کچھ ہم کیوں کیا؟ تو تو ان سے کہے گا کہ جس طرح تو نے مجھے چھوڑ دیا اور اپنے ملک میں غیر معبودوں کی عبادت کی اسی طرح تم اس ملک میں جو تمہارے نہیں ہیں اجنبیوں کی خدمت کرو گے۔ (۶۹)

اس قوم کی لاشیں ہوائی پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہوں گی اور ان کو کوئی نہ ہنکائے گا۔ میں یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلم کے بازاروں میں خوشی اور شادمانی کی آواز موقوف کروں گا کیونکہ یہ ملک ویران ہو جائے گا۔ (۷۰)

ان کو میرے سامنے سے نکال دے کر چلے جائیں۔ اور جب وہ پوچھیں کہ ہم کدھر جائیں تو ان سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ جو موت کے لیے ہیں وہ موت کی طرف اور جو تلوار کے لیے ہیں وہ تلوار کی طرف اور جو کال کے لیے ہیں وہ کال کو اور جو اسیری کے لیے ہیں وہ اسیری کو۔ (۷۱)

Marfat.com

پھر حزقی ایل نبی اٹھے اور انہوں نے اپنے ارشادات سے اس قوم کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ پورا صحیفہ تنبیہات اور سرزنشوں سے بھرا ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس خطاب کو نقل کرتے ہیں جو انہوں نے یروشلم کو کہا:

خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ اے شہر تو اپنے اندر خونریزی کرتا ہے تا کہ تیرا وقت آ جائے اور تو اپنے واسطے بتوں کو اپنے ناپاک کرنے کے لیے بناتا ہے تو اس خون کے سبب سے جو تو نے بہایا مجرم ٹھہرا اور تو بتوں کے باعث جن کو تو نے بنایا ہے ناپاک ہوا تو اپنے وقت کو نزدیک لاتا ہے اور اپنے ایام کے خاتمے تک پہنچا ہے۔ اس لیے میں نے تجھے اقوام کی ملامت کا نشانہ اور ممالک کا ٹھٹھا بنایا ہے۔ تجھ سے دور نزدیک کے سب لوگ تیری ہنسی اڑائیں گے کیونکہ تو فسادی اور بدنام مشہور ہے۔ دیکھ اسرائیل کے امراء سب کے سب جو تجھ میں ہیں مقدور بھر خونریزی پر مستعد تھے۔ تیرے اندر انہوں نے ماں باپ کو حقیر جانا ہے۔ تیرے اندر انہوں نے پردیسیوں پر ظلم کیا ہے۔ تیرے اندر انہوں نے یتیموں اور بیواؤں پر ستم کیا ہے۔ تو نے میری پاک چیزوں کو ناچیز جانا اور میرے یتیموں اور بیواؤں پر ستم کیا ہے اور میرے سبتوں کو ناپاک کیا۔ تیرے اندر وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کر کے خون کرواتے ہیں اور تیرے اندر وہ ہیں جو بتوں کی قربانی سے کھاتے ہیں۔ تیرے اندر وہ ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں۔ تیرے اندر وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنے باپ کی حرم شکنی کی۔ تجھ میں انہوں نے اس عورت سے جو ناپاکی کی حالت میں تھی مباشرت کی۔ کسی نے دوسرے کی بیوی سے بدکاری کی۔ کسی نے اپنی بہو سے بدذاتی کی اور کسی نے اپنی بہن اور اپنے باپ کی بیٹی کو تیرے اندر رسوا کیا۔ تیرے اندر انہوں نے خونریزی کے لیے رشوت خوری کی۔ تو نے بیاج اور سود لیا اور ظلم کر کے اپنے پڑوسی کو لوٹا اور مجھے فراموش کیا۔ خداوند خدا فرماتا ہے۔ دیکھ تیرے ناروا نفع کے سبب سے جو تو نے لیا اور تیری خونریزی کے باعث جو تیرے اندر ہوئی میں نے تالی بجائی کیا تیرا دل برداشت کرے گا اور تیرے ہاتھوں میں زور ہوگا جب میں تیرا معاملہ فیصل کروں گا؟ میں، خداوند نے فرمایا، اور میں ہی کر دکھاؤں گا۔ ہاں میں تجھ کو قوموں میں سے پراگندہ اور ملکوں میں تتر بتر کروں گا اور تیری گندگی تجھ میں نابود کردوں گا اور تو قوموں کے سامنے اپنے آپ میں ناپاک ٹھہرے گا اور معلوم کرے گا کہ میں خداوند ہوں۔ (۷۲)

آخرکار انبیاء کی فہمائشوں کو نظر انداز کر دینے اور خدا کی بغاوت پر آمادہ رہنے کے باعث اللہ کا غضب اشوریوں کی شکل میں دولت اسرائیل کی طرف متوجہ ہوا۔ ۷۲۱ قبل مسیح میں اشور کے سخت گیر حکمران سارگون نے سامریہ کو فتح کر کے دولت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا۔ ہزارہا اسرائیلی تہ تیغ کیے گئے۔ ۲۷ ہزار سے زیادہ بااثر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں تتر بتر کر دیا گیا اور دوسرے علاقوں سے لا کر غیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بسایا گیا۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کی دوسری سلطنت یہودیہ بھی اسی فساد کا شکار تھی اور انبیاء کے نصائح و انداز کے باوجود وہ فساد میں سرگرم عمل رہے۔ ۵۹۸ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو مسخر کر لیا اور پھر یہودیوں کی شرارتوں اور بغاوت کے باعث ۵۸۷ قبل مسیح میں ایک سخت حملہ کر کے یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوندِ خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ کھڑی نہ رہی۔ یہودیوں کی بڑی تعداد کو ان کے علاقے سے نکال کر ملک ملک تتر بتر کر دیا۔ جو یہودی علاقے میں رہ گئے وہ بھی ہمسایہ قوموں کے ہاتھوں بری طرح ذلیل اور پامال ہو کر رہے۔

اللہ پاک نے ایک مرتبہ ان پر مہربانی کی اور ان کے نیک لوگوں کی اصلاحی کوششوں اور توبہ اور انابت کی ترغیب کے باعث ان میں رجوع الی اللہ پیدا ہوا۔ بابل کے زوال پر ۵۳۹ ق م میں ایرانی فاتح سائرس (خسرو) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال ایک فرمان کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو واپس وطن جانے اور وہاں پر آباد ہونے کی اجازت دے دی اور یوں ایک بار پھر بیت المقدس آباد ہوا اور یہودی تہذیب و مذہب کا مرکز بن گیا۔

ایرانی سلطنت کے زوال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو پھر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سکندر کی وفات کے بعد شام کا علاقہ جس کے زیر انتظام آیا وہ انٹیوکس ثالث تھا اس کا پایہ تخت انطاکیہ تھا۔ اس نے ۱۹۸ ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یونانی فاتح مذہباً مشرک اور اخلاقاً اباحیت پسند تھے۔ انہوں نے پوری قوت سے یونانی تہذیب کے فروغ کے لیے کام کیا۔ اور یہودی مذہب کی تہذیب کی بیخ کنی شروع کی۔ ۱۷۵ ق م میں انٹیوکس چہارم تخت نشین ہوا تو اس نے پوری قوت کے ساتھ یہودی مذہب اور اس کے شعائر کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن یہودی ردِعمل مکابی تحریک کی صورت میں نمودار ہوا اور بالآخر یہودی یونانیوں کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی آزاد دینی ریاست قائم کر لی جو ۶۷ ق م تک رہی۔ حسب سابق ان کے آپس کے اختلافات اور اخلاقی کمزوریوں نے اپنا رنگ دکھایا اور خود انہوں نے رومی فاتح پومپی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کو ختم کر دیا۔ رومی بالواسطہ حکمرانی کو پسند کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے فلسطین میں ایسی ریاست قائم کی جس کا حکمران مقامی آدمی تھا لیکن وہ روم کے نام پر حکومت کرتا تھا۔ یہی حکومت ۴۰ ق م میں ہیرود نامی چالاک یہودی کے قبضے میں آئی۔ اس کی فرمانروائی پورے فلسطین اور شرق اردن پر ۴۰ ق م سے ۴ ق م تک رہی۔ وہ مذہبی پیشواؤں کو خوش رکھتا اور دوسری طرف رومی تہذیب کے فروغ دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑتا۔ اس زمانہ میں یہودیوں کی دینی و اخلاقی حالت پستی کی انتہائی حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کے تین بیٹے تھے جو اس کے بعد مختلف حصوں کے حکمران ہوئے۔

اس کا ایک بیٹا ارخلاؤس سامریہ، یہودیہ اور ادومیہ کا فرمانروا ہوا مگر ۶ء میں قیصر آگسٹس نے اسے معزول کر کے پوری ریاست کا انتظام اپنے گورنر کے ہاتھ میں دے دیا اور ۴۱ء تک یہی انتظام رہا۔ یہی زمانہ تھا جب مسیح بنی

Marfat.com

اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے اور یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی۔

اس کا دوسرا بیٹا ہیرودانیٹی پاس شمالی فلسطین کے علاقہ گلیل اور شرق اردن کا حکمران ہوا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی نذر کیا۔

اس وقت عام یہودیوں کے اخلاقی انحطاط اور ان کے مذہبی طبقے کی بدعملی، ریاکاری اور پستی کے لیے مسیحؑ کی تنقیدیں صحیح تصویر کشی کرتی ہیں۔ جب یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کیا گیا تو ایک آواز بھی اس کے خلاف نہ اٹھی اور جب مسیحؑ کو پھانسی دلوانے کی کوششیں ہو رہی تھیں تو کوئی آواز ان کے حق میں نہ اٹھی۔ ان کی بے حسی اور اخلاقی پستی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب پونس پیلاطس نے ان بدبختوں سے پوچھا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق سزائے موت کے مستحق مجرموں میں سے ایک کو چھوڑنے کا اختیار رکھتا ہوں۔ تم بتاؤ کہ یسوع کو چھوڑوں یا براباڈاکو کو؟ تو سب لوگوں نے بیک آواز کہا کہ برابا کو چھوڑ دو۔ مسیحؑ نے اپنی قوم کے شدید اخلاقی زوال پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کرلوں مگر تو نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ (۷۳)

یہ تھا وہ تاریخی پس منظر اور ایسی تھی وہ قوم جس کی طرف مسیحؑ کو بھیجا گیا تھا۔ قرآن مجید نے مسیح علیہ السلام کی بعثت کے ذکر میں اس پس منظر کو اپنے معجزانہ ایجاز کے ساتھ بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ. بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (۷۴)

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے، آخر کار عیسیٰ بن مریمؑ کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔ پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا، تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔ وہ کہتے ہیں۔ ہمارے دل محفوظ ہیں، نہیں اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے، اس لیے وہ کم ایمان لاتے ہیں۔

اسی طرح قرآن نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ قرآن نے ورسولا الی بنی اسرائیل (۷۵) (یعنی وہ رسول ہے بنی اسرائیل کی طرف) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک

Marfat.com

اور مقام پر مسیحؑ کے خطاب میں یہ دعویٰ نقل کیا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (۷۶)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریمؑ نے کہا: اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

مسیح علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے آخری رسول تھے اپنی قوم کی اصلاح کی دعوت لے کر اٹھے۔ان کی دعوت کوئی انوکھی دعوت نہ تھی اور قوم کا ردِعمل بھی سابقہ ہلاک شدہ قوموں سے مختلف نہ تھا۔البتہ مسیحؑ کا واسطہ کافروں کے بجائے منافقوں سے تھا۔اس لیے آپ کے خطابات کا اسلوب منفرد ہے۔

مسیح علیہ السلام کی دعوت

بنی اسرائیل بگڑے ہوئے مسلمان تھے۔ان کے ہاں وحی والہام کا تصور موجود تھا وہ انبیاء کے طریق دعوت اور طرزِ عمل سے آگاہ تھے۔ان کے ہاں مذہبی قیادت موجود تھی جو شریعت موسوی کا علم رکھتی اور ان قوانین کی تشریح وتعبیر کرتی تھی۔اس لیے مسیح علیہ السلام کی دعوت میں جہاں دعویٰ رسالت ہے وہاں یہ بھی ہے کہ وہ سابقہ شریعت کی تصدیق کرتے ہیں پھر ان کی دعوت دیگر انبیاء ورسل جیسی ہے اس کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو اس سے پہلے ہر نبی و رسول دہراتا رہا ہے۔قرآن مجید نے اختصار کے ساتھ ان کی دعوت کے نکات بیان کیے ہیں:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ. فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِo اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ. هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۷۷)

میں اس تعلیم کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی لہٰذا تم اس کی بندگی اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کے بھی بنیادی نکات یہی تین تھے:

ایک یہ کہ اقتدارِ اعلیٰ جس کے مقابلے میں بندگی کا رویہ اختیار کیا جائے اور جس کی اطاعت پر اخلاق وتمدن کا پورا نظام قائم ہوتا ہے صرف اللہ کے لیے مختص تسلیم کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اس مقتدرِ اعلیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کے کلمہ کی اطاعت کی جائے۔

تیسرے یہ کہ انسانی زندگی کو حلت وحرمت اور جواز وعدم جواز کی پابندیوں سے جکڑنے والا قانون وضابطہ

Marfat.com

صرف اللہ کا ہو۔ دوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ کر دیئے جائیں۔

پس در حقیقت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ اور دوسرے انبیاءؑ کے مشن میں یک سرمو فرق نہیں ہے جن لوگوں نے پیغمبروں کے مختلف مشن قرار دیئے ہیں اور ان کے درمیان مقصد و نوعیت کے اعتبار سے فرق کیا ہے انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ مالک الملک کی طرف سے اس کی رعیت کی طرف جو شخص بھی مامور ہو کر آئے گا اس کے آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہی نہیں کہ وہ رعایا کو نافرمانی اور خود مختاری سے روکے اور شرک (یعنی اس بات سے کہ وہ اقتدار اعلیٰ میں کسی حیثیت سے دوسروں کو مالک الملک کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور اپنی وفاداریوں اور عبادت گزاریوں میں منقسم کریں) سے منع کرے اور اصل مالک کی خالص بندگی و اطاعت اور پرستاری و وفاداری کی طرف دعوت دے۔ (۷۸)

حضرت مسیح کی دعوت میں بندگی رب، اطاعت رسول، حلت و حرمت کا الٰہی قانون، تورات کی تصدیق اور محمد کی آمد کی بشارت نمایاں نکات ہیں۔

بندگی رب

بندگی رب پیغمبرانہ دعوت کا اصل الاصول ہے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر مسیح علیہ السلام تک ہر نبی کی دعوت میں یہ اصول موجود رہا ہے بلکہ ہر نبی نے آغاز اسی سے کیا ہے۔ انسانوں کی انفرادی گمراہی اور اجتماعی فساد کا سبب بندگی رب سے انحراف اور دوسروں کی بندگی اختیار کرنا ہے۔ بنی اسرائیل بھی شرک میں مبتلا تھے۔ گذشتہ صفحات میں انبیاء بنی اسرائیل کی تنبیہات میں یہ نکتہ بہت نمایاں رہا ہے۔ مسیحؑ نے اسے پوری قوت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کے دیگر مقامات پر بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔

مسیحؑ کی زبانی اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۷۹)

(اور عیسیٰ نے کہا تھا) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی پس تم اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ. هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۸۰)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

موجودہ اناجیل کا زور اگرچہ دوسرے امور پر ہے تاہم بندگی رب کی طرف کچھ اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً شیطان کے ساتھ مکالمے میں مسیحؑ کہتے ہیں:

خداوند اپنے خدا کو سجدہ اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (۸۱)

وہ خدا کے تکوینی امر کی طرح تشریعی امر کی اطاعت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ جو دعا انہوں نے سکھلائی

Marfat.com

اس کے الفاظ ہیں:

"تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔" (۸۲)

اطاعتِ رسول

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیگر انبیاء کی طرح اپنی اطاعت کی دعوت دی ہے قرآن نے اسے خصوصیت کے ساتھ نقل کیا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۸۳)۔

لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قرآن نے ان کی نبوت کے تذکرے میں انجیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ رسول کی کتاب دراصل اطاعت کا ایک پروگرام ہوتا ہے۔ اس کتاب کی تعلیمات حکمت ربانی کا اظہار ہوتی ہیں۔ لہذا نبی رب کائنات کے نمائندہ کی حیثیت سے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن نے کہا:

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ (۸۴)

میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ (۸۵)

ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریمؑ کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۸۶)

پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا۔ تورات میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی۔ جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خداترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

مسیح علیہ السلام اطاعت کا جو مطالبہ کرتے وہ خدا تعالیٰ کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے کرتے اور انجیل اس نمائندگی کی تصدیق تھی۔ سید مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کے متعدد اقوال سے معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے جب اپنے وطن ناصرۃ سے دینی دعوت کا آغاز کیا تو ان کے اپنے ہی

Marfat.com

بھائی بند اور اہل شہر ان کی مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس پر متی، مرقس اور لوقا تینوں کی متفقہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا" اور جب یروشلم میں ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کہیں اور چلے جائیں تو انہوں نے جواب دیا: ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو"(۸۷) آخری مرتبہ جب وہ یروشلم میں داخل ہو رہے تھے تو ان کے شاگردوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا "مبارک ہے وہ بادشاہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے" اس پر یہودی علماء ناراض ہوئے اور انہوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ آپ اپنے شاگردوں کو چپ کرائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا" اگر یہ چپ رہیں گے تو پتھر پکار اٹھیں گے "(۸۸) ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:

"اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو، سب میرے پاس آؤ، میں تم کو آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو...... میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا" (متی، ۱۱/ ۲۸-۳۰) (۸۹)

حلت وحرمت کا الٰہی قانون

انبیاء کی دعوت کا ایک اساسی اصول قوانین الٰہی کی پابندی ہے۔ حیات انسانی کی تنظیم اور افراد کی تنظیف و تزکیہ اور تعلیم و تربیت کا دارومدار ان قوانین پر ہے جو بذریعہ وحی بتائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کے وہی پیمانے درست ہیں جو رب کائنات کے عطا کردہ ہیں۔ انسانوں کی بغاوت کا ایک اظہار قانون سازی بھی ہے۔ انسان نے ہر دور میں شریعت الٰہیہ کے دیئے ہوئے اصولوں کے بجائے اپنے قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں اور انہی کے مطابق زندگی کی تنظیم کی ہے۔ انبیاء نے ہر دور میں انسانوں کو اللہ کے ضابطوں کا پابند بنانے کی جدوجہد کی ہے۔ بنی اسرائیل نے بھی من مانے قوانین بنا رکھے تھے اور اس کے مذہبی گروہ نے خود ساختہ شریعت مسلط کر رکھی تھی۔ لہٰذا مسیح علیہ السلام نے ان کی خود ساختہ شریعت کی جگہ حلت وحرمت کا الٰہی دستور متعارف کرایا۔ قرآن نے مسیحؑ کی زبان سے بیان کیا:

وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (۹۰)

اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔

یعنی تمہارے جہلاء کے توہمات، تمہارے فقیہوں کی قانونی موشگافیوں، تمہارے رہبانیت پسند لوگوں کے تشددات اور غیر مسلم قوموں کے غلبہ و تسلط کی بدولت تمہارے ہاں اصل شریعت الٰہی پر جن قیود کا اضافہ ہو گیا ہے، میں ان کو منسوخ کروں گا اور تمہارے لیے وہی چیزیں حلال اور وہی حرام قرار دوں گا جنہیں اللہ نے حلال و حرام کیا ہے۔ (۹۱)

Marfat.com

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام انسانی ساخت کے قوانین کے بجائے خدائی قانون کی اطاعت کرانا چاہتے تھے متی اور مرقس کی اس روایت سے صاف طور پر مترشح ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اعتراض کیا کہ آپ کے شاگرد بزرگوں کی روایات کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھا لیتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا تم ریاکاروں کی حالت وہی ہے جس پر یسعیاہ نبی کی زبان سے یہ طعنہ دیا گیا: " یہ امت زبان سے تو میری تعظیم کرتی ہے مگر دل مجھ سے دور ہیں کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ تم لوگ خدا کے حکم کو تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنے ماں باپ سے یہ کہہ دے کہ میری جو خدمات تمہارے کام آ سکتی تھیں انہیں میں خدا کی نذر کر چکا ہوں، اس کے لیے بالکل جائز ہے کہ وہ پھر ماں یا باپ کی کوئی خدمت نہ کرے۔" (۹۲)

تورات کی تصدیق

مسیح علیہ السلام کی دعوت کا ایک اور بنیادی اصول دین موسوی کی تصدیق تھا۔ مسیح کے دور تک شریعت موسوی تعبیر و تشریح اور تحریف و تعبیر کے کئی مراحل طے کر چکی تھی۔ بنی اسرائیل کی بداعمالیاں اور ان کے مذہبی گروہ کی ریاکاریاں ان کے سامنے تھیں۔ اسی کی اصلاح کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے لیکن وہ دین موسیٰ کو بدلنے نہیں بلکہ اس کی اصلی روح کے مطابق نافذ کرنے کے لیے آئے تھے۔ قرآن نے اس پہلو کا خصوصی ذکر کیا ہے:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ (۹۳)

اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو توراۃ میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے۔

اسی طرح کے الفاظ سورہ صف میں بھی موجود ہیں (۹۴) اور سورہ مائدہ میں بھی (۹۵)

سورہ مائدہ میں انجیل کے لیے بھی مصدق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۹۶)

اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

گویا مسیح علیہ السلام اس صحیح تعلیم کی تصدیق کر رہے ہیں جو ان سے پہلے حضرت موسیٰؑ کو عطا ہوئی تھی قرآن کے اس بیان کی تائید موجودہ اناجیل سے بھی ہوتی ہے۔ مسیحؑ کے مشہور پہاڑی کے وعظ میں اس جانب اشارے موجود ہیں۔

" یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" (۹۷)

Marfat.com

ایک یہودی عالم نے جب پوچھا کہ احکام دین میں اولین حکم کون سا ہے؟ تو مسیحؑ نے جواب دیا: خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کے مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تورات اور انبیاء کے صحیفوں کا دار و مدار ہے۔ (۹۸)

مذہبی قیادت پر مسیح علیہ السلام کی تنقید کوئی مخفی بات نہیں لیکن شریعت کے احکام کے بارے میں وہ ان کی بات کا احترام ضروری قرار دیتے ہیں۔ اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں:

"فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھتے ہیں جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو مگر ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں" (۹۹)

قرآن و انجیل دونوں گواہ ہیں کہ حضرت مسیحؑ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تکمیل کرنے آئے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے۔ شریعت کو منسوخ کرنا مسیحؑ کا مشن نہیں تھا۔ یہ سینٹ پال کا کرشمہ ہے کہ شریعت کو نظر انداز کر دیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ کی بشارت

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کا ایک بنیادی نکتہ جسے قرآن مجید نے نقل کیا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت ہے۔ سورہ الصف میں جہاں تورات کی تصدیق کا بیان ہے وہیں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ. (۱۰۰)

اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودیؒ نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو اس موضوع پر ایک جامع و مانع بیان ہے۔ اسی سے استفادہ کرتے ہوئے ہم ذیل میں مختصر توضیح لکھیں گے۔ اس بشارت کے سلسلے میں پہلی غور طلب بات تو یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے واقعی کوئی ایسا بیان دیا ہے؟ قرآن کی شہادت تو حتمی ہے اور ایک مسلمان کے لیے یہ کافی ہے لیکن عام قاری کے لیے بڑی اطمینان کی بات ہوگی اگر کسی اور مصدر سے بھی اسی طرح کا بیان آجائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنیادی مآخذ تو اناجیل ہی ہیں۔ ان میں سے یوحنا کی انجیل میں مختلف مقامات پر مسیحؑ سے منسوب پیش گوئیاں موجود ہیں جنہیں ہم ترتیب وار نقل کرتے ہیں۔

۱۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے، یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے۔ (۱۰۱)

۲۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد

Marfat.com

دلائے گا۔ (۱۰۲)

۳۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (۱۰۳)

۴۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۰۴)

۵۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۱۰۵)

۶۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھادے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبر دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبر دے گا۔ (۱۰۶)

ان تمام بیانات میں مسیحؑ اپنے بعد میں آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ "دنیا کا سردار" (سرور عالم) ہوگا "ابد تک رہے گا"۔ "سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا" اور خود ان کی (یعنی عیسیٰؑ کی گواہی دے گا)۔

لیکن ان تمام جملوں کے ساتھ "روح القدس" اور "سچائی" کی روح کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ جو عیسائیوں کے مطابق اس پیش گوئی کا مصداق ہے۔ ان کی تعبیر کے مطابق مسیح، روح القدس کی ابدی موجودگی کی بات کر رہے تھے۔ یہی روح القدس ان کے عقیدے کے اہم بنیاد اور تثلیث کا اہم جزو ہے۔ یوحنا ۱۴/۱۶ میں اردو کا لفظ مددگار استعمال کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجموں میں Assistant, Advocate,Comforter, اور "Consoler" وغیرہ الفاظ اختیار کیے ہیں۔ یہ تراجم عیسائی علماء کے مطابق دراصل یونانی لفظ Paracletus کے ہیں۔ عیسائیوں کا اصرار ہے کہ یوحنا کے یونانی نسخہ میں یہی لفظ تھا اور اس کے مختلف معانی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس سے کوئی انسانی شخصیت مراد نہ لی جاسکے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یونانی زبان ہی کا ایک دوسرا لفظ Periclytos ہے جس کے معنی ہیں "تعریف کیا ہوا" یہ لفظ بالکل محمد کا ہم معنی ہے اور تلفظ میں اس کے اور Paracletus کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ مسیحی حضرات نے اس پیش گوئی کو اپنے عقیدے کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے املاء میں ذرا سا تغیر کر دیا ہو۔ چونکہ اس انجیل کے مصنف کا اصلی یونانی نسخہ کہیں موجود نہیں اس لیے اس کی جانچ پڑتال بھی ممکن نہیں۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کے ہاں کتابوں میں ردوبدل کرنے کا سلسلہ رہا ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

انہوں نے اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا ہوگا۔

یہاں ایک اور حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ مسیح علیہ السلام اور ان کے ہم عصر اہلِ فلسطین کی عام زبان آرامی زبان کی وہ بولی تھی جسے سریانی (Syriac) کہا جاتا ہے۔ مسیح کی پیدائش سے دو ڈھائی سو برس پہلے ہی سلوقی (Seleucide) اقتدار کے زمانے میں اس علاقے سے عبرانی رخصت ہو چکی تھی اور سریانی نے اس کی جگہ لے لی تھی اگرچہ سلوقی اور پھر رومی سلطنتوں کے اثر سے یونانی زبان بھی اس علاقے میں پہنچ گئی تھی مگر وہ صرف اس طبقے تک محدود رہی جو سرکاری دربار میں رسائی پاکر یا رسائی حاصل کرنے کے لیے یونانیت زدہ ہوگیا تھا۔ فلسطین کے عام لوگ سریانی کی خاص بولی (Dialect) استعمال کرتے تھے جس کے لہجے اور تلفظات اور محاورات دمشق کے علاقے میں بولی جانے والی بولی سے مختلف تھے۔ (۱۰۷)

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ بائبل کی چاروں انجیلیں ان یونانی بولنے والے عیسائیوں کی لکھی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے تھے۔ ان تک حضرت عیسیٰؑ کے اقوال واعمال کی تفصیلات سریانی بولنے والے عیسائیوں کے ذریعہ سے کسی تحریر کی صورت میں نہیں بلکہ زبانی روایات کی شکل میں پہنچی تھیں اور ان سریانی روایات کو انہوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے درج کیا تھا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی ۷۰ء سے پہلے کی لکھی ہوئی نہیں ہے اور انجیل یوحنا تو حضرت عیسیٰؑ کے ایک صدی بعد غالباً ایشیائے کوچک کے شہر افسس میں لکھی گئی ہے۔ مزید یہ کہ ان انجیلوں کا کوئی بھی اصل نسخہ اس یونانی زبان میں محفوظ نہیں ہے جس میں ابتداءً یہ لکھی گئی تھیں۔ مطبع کی ایجاد سے پہلے جتنے یونانی مسودات جگہ جگہ سے تلاش کر کے جمع کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی چوتھی صدی سے پہلے کا نہیں ہے اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ تین صدیوں کے دوران ان کے اندر کیا کچھ ردوبدل ہوئے ہوں گے۔ اس معاملہ کو جو چیز خاص طور پر مشتبہ بنا دیتی ہے وہ یہ ہے کہ عیسائی اپنی انجیلوں میں اپنی پسند کے مطابق دانستہ تغیر و تبدل کرنے کو بالکل جائز سمجھتے رہے ہیں۔ (۱۰۸)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> " اناجیل میں ایسے نمایاں تغیرات دانستہ کیے گئے ہیں جیسے مثلاً پوری پوری عبارتوں کو کسی دوسرے مآخذ سے لے کر کتاب میں شامل کر دینا............ یہ تغیرات صریحاً کچھ لوگوں نے بالقصد کیے ہیں جنہیں اصل کتاب کے اندر شامل کرنے کے لیے کہیں سے کوئی مواد مل گیا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتے رہے کہ کتاب کو بہتر یا زیادہ مفید بنانے کے لیے اس کے اندر اپنی طرف سے اس مواد کا اضافہ کر دیں............ بہت سے اضافے دوسری صدی میں ہو گئے تھے اور کچھ معلوم نہیں کہ ان کا ماخذ کیا تھا۔ (۱۰۹)

مسلمانوں نے جب فلسطین فتح کیا تو عیسائی باشندوں کی زبان سریانی تھی اور نویں صدی تک یہی زبان استعمال ہوتی رہی کیونکہ عربی زبان نویں صدی میں نافذ کی گئی لہٰذا مسلمان علماء کو ان تین صدیوں میں اہل فلسطین کے

Marfat.com

ذریعہ سے عیسائی روایات کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ان لوگوں کی معلومات کی بہ نسبت زیادہ معتبر ہونی چاہئیں جنہیں سریانی سے یونانی اور پھر یونانی سے لاطینی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر یہ معلومات پہنچیں کیونکہ مسیح کے زبان سے نکلے ہوئے اصل سریانی الفاظ ان کے ہاں محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات تھے۔

اس لیے اس پیش گوئی کے صحیح الفاظ اور ان کی تشریح کے لیے ابن اسحاق (م ۷۶۸ء) اور ابن ہشام (م ۸۲۸ء) کا بیان زیادہ وقیع ہے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان تک جو روایات پہنچی ہیں ان میں رسول اللہؐ کی صفت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وہ قول بھی پہنچا ہے جو مسیحؑ نے اہلِ انجیل کے لیے انجیل میں بیان کیا ہے۔ اور جسے یوحنا حواری نے بھی انجیل لکھتے ہوئے مسیحؑ کے حالات میں باقی رکھا ہے۔ مسیحؑ نے کہا:

جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ رب سے بغض رکھتا ہے۔ اگر میں ان میں وہ کام نہ کرتا جو کسی دوسرے نے مجھ سے پہلے نہیں کیے تو وہ گنہگار نہ ٹھہرتے مگر اب تو انہوں نے اترا کر مجھے ناپسند کیا اور انہوں نے سمجھا کہ مجھ پر اور رب پر غالب آ گئے ہیں۔ لیکن یہ لازم ہے کہ وہ قول پورا ہو جو شریعت میں لکھا ہے کہ انہوں نے مجھ سے ناجائز طور پر عداوت رکھی ہے لیکن جب وہ منحمنا آئے گا جسے اللہ اپنے ہاں سے، تمہاری طرف بھیجے گا اور روح القدس جو رب کی طرف سے صادر ہوتی ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔ میں نے اس بارے میں تم سے بات کی ہے تاکہ تمہیں شک وشبہ نہ رہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ سریانی میں منحمنا کا معنی محمد ہے اور رومی زبان میں برقلیطس ہے۔ (۱۱۰)

عیسائیوں کے ہاں مسیحؑ کی بشارت کا تصور موجود تھا اور مشرقی عیسائی اسے مانتے تھے۔ اس کی اولین شہادت نجاشی کے بیان میں ملتی ہے۔ کتب سیرت وحدیث میں مہاجرین حبشہ کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں وہ اس بشارت کی تائید کرتی ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نجاشی نے جب مہاجرین حبشہ کو اپنے دربار میں بلایا اور جعفر طیارؓ نے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات کی تفصیلات بیان کیں تو اس نے کہا:

مرحبا بکم و بمن جئتم من عنده، اشهد انه رسول الله وانه الذی نجد فی الانجیل وانه الذی بشر به عیسی ابن مریم (۱۱۰ء)

مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہ ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریمؑ نے دی تھی۔

یہ قصہ جعفر طیارؓ اور ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت نجاشی کو اس پیش گوئی کا علم تھا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پیش گوئی کا اشارہ انجیل میں تھا جس کی وجہ سے نجاشی کو رائے قائم کرنے میں کوئی

Marfat.com

تامل نہ ہوا کہ محمدؐ ہی اس پیش گوئی کے مصداق ہیں۔

پھر قرآن مجید کے اسلوب کو دکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی تصدیق اور نبی کریمؐ کی بشارت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بہت اہم ہے کیونکہ تورات میں نبی کریمؐ کی آمد کی بشارت موجود ہے۔ لہٰذا مسیحؑ کا نبی کریمؐ کے بارے میں بیان دینا دراصل تورات کی تصدیق کا ایک پہلو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے اس بشارت کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

" خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان ہے، یعنی تیرے بھائیوں ہی میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن خورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو، تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں نے ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا۔" (۱۱۲)

ظاہر ہے کہ یہاں بھائیوں سے مراد اسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان یا کوئی دوسری ایسی ہی قوم ہو سکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو لہٰذا بنی اسرائیل کے ساتھ بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس پیش گوئی کے حوالے سے تورات اور انجیل دونوں کا نام لیا ہے۔ سورہ اعراف میں موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں بیان کیا گیا ہے کہ ستر افراد اللہ پاک سے ملانے لے گئے تو وہ اپنی نادانی کے باعث زلزلے کی زد میں آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے معافی کی درخواست کرتے ہیں اور ان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی لکھ دینے کی درخواست کرتے ہیں اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا:

عَذَابِیٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ. وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ. (۱۱۳)

سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہونے کے لیے اتباع محمدی شرط ہے اور اس کے لیے وہی تقویٰ و زکوٰۃ ادا کرنے کی صفات ہیں جو موسیٰؑ کے زمانہ میں تھیں اور محمدؐ وہی ہیں جن کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ

Marfat.com

عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ. فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (۱۱۴)

اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے (آج رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امّی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یوحنا کی انجیل میں یحییٰ علیہ السلام کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل اس بشارت کے باعث ایک نبی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مسیح اور ایلیا (الیاس) کا بھی انتظار کر رہے تھے۔ یوحنا کے الفاظ ہیں:

اور یوحنا (یحییٰ) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے، تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو "وہ" نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے۔ بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ "وہ" نبی تو پھر تو بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ یوحنا نے جواب میں کہا میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں۔ (۱۱۵)

گویا مسیح یہ کہنا چاہتے تھے کہ تورات کی بشارت کے مطابق میں اپنی تصدیق بھی کرتا ہوں اور آنے والے نبی کا بھی انتظار، بنی اسرائیل کا کلچر بن گیا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ جن کا وہ انتظار کر رہے تھے انہی کی تکذیب کو اپنا کلچر بنا لیا۔ مسیحؑ کا انکار اور ان کے قتل کا منصوبہ نبی کریمؐ کی تکذیب اور آنؐ کے قتل کا منصوبہ۔

قرآن نے مسیحؑ کی بشارت کو بیان کرتے ہوئے آپؐ کا اسم گرامی احمد کہا ہے۔ اسلام دشمن مصنفین نے اسی نام کی وجہ سے زہر افشانی کی ہے۔ اسی کی وضاحت میں ہم سید مودودیؒ کا بیان نقل کرتے ہیں:

" اس میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی احمد بتایا گیا ہے۔ احمد کے دو معنی ہیں، ایک وہ شخص جو اللہ کی سب سے

Marfat.com

زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ دوسرے وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو، یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی حضورؐ کا ایک نام تھا۔ مسلم [۱۱۶] اور ابوداؤد اور طیالسی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا انا محمد و انا احمد و الحاشر .... میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں حاشر ہوں .... اسی مضمون کی روایات حضرت جبیر بن مطعم سے امام مالک (۱۱۷) بخاری (۱۱۸) مسلم (۱۱۹) دارمی (۱۲۰) ترمذی (۱۲۱) اور نسائی نے نقل کی ہیں۔ حضورؐ کا یہ اسم گرامی صحابہ میں معروف تھا۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے:

صلی علی له ومن یحف بعرشه والطیبون علی المبارک احمد

اللہ نے اور اس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں اور سب پاکیزہ ہستیوں نے احمد پر درود بھیجا ہے۔

تاریخ سے بھی یہ ثابت ہے کہ حضور کا نام مبارک صرف محمد ہی نہ تھا بلکہ احمد بھی تھا۔ عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ حضور سے پہلے کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو اور حضور کے بعد احمد اور غلام احمد اتنے لوگوں کے نام رکھے گئے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک تمام امت میں آپ کا یہ اسم گرامی معلوم و معروف رہا ہے۔ اگر حضور کا یہ اسم گرامی نہ ہوتا تو اپنے بچوں کے نام غلام احمد رکھنے والوں نے آخر کس احمد کا غلام ان کو قرار دیا تھا؟ (۱۲۲)

چونکہ محمد اور احمد میں مشترک مفہوم تعریف کیا جاتا ہے اس لیے دونوں نام بشارت کا مصداق بنتے ہیں۔ اگر ضد اور تعصب نہ ہو تو حضور کی شخصیت کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اعمال صالحہ کا انتظام

عبادت رب اور اطاعت رسول کے ساتھ تقویٰ کا ذکر مذکورہ آیات میں دیا جا چکا ہے۔ (۱۲۳) انبیاء کی دعوت میں عقیدہ و فکر کی اصلاح کے ساتھ عملی زندگی کی درستی بھی اہم ہوتی ہے اور اس کے لیے تقویٰ کی جامع اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ نوح علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام تک ہر نبی نے تقویٰ کی بات کی ہے۔ انبیاءؑ نے صرف تقویٰ اختیار کرنے ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ اور اس پیغمبرانہ طریقہ میں دو امور بہت بنیادی اہمیت رکھتے ہیں ایک عبادت اور دوسرے حسن اخلاق۔ اسی کے مجموعہ کا نام اعمال صالحہ ہے جسے قرآن نے دعوت اسلامی میں ایمان اور عمل صالح کے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مسیحؑ نے اپنے گہوارے کے کلام میں عبادت اور حسن خلق کی بات ان الفاظ میں کی تھی۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا o وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا o وَّ بَرًّام بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا (۱۲۴)

Marfat.com

اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔

جس طرح عبادات میں نماز اور زکوۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی طرح حسن اخلاق میں والدین سے اچھا رویہ اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ بائبل نے اگرچہ انہیں درشت خو دکھایا ہے لیکن قرآن نے انہیں پیغمبرانہ حسن اخلاق کا نمونہ بتایا ہے۔

مسیح علیہ السلام کی تعلیمات عہد نامہ جدید کی روشنی میں

عہد نامہ جدید کی موجودہ کتب اربعہ میں حضرت مسیحؑ کی دعوت اور ان کی تعلیمات کے بارے میں جو کچھ موجود ہے اسے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ بہت کچھ ردوبدل کے باوجود ایسی عبارات موجود ہیں جو پیغمبرانہ دعوت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ توحید، اقتدار اعلیٰ، حق و باطل کی کشمکش، فکر آخرت، دنیا کی بے ثباتی، صبر و استقامت اور مذہبی گروہ کی ریاکاری اور دنیا پرستی پر تنقید جیسے موضوعات پر آپ کے ارشادات موجود ہیں۔ ان کو پڑھتے ہوئے پیغمبرانہ حکمت کی روشنی صاف دکھائی دیتی ہے۔

توحید

توحید انبیاء کی دعوت کی اساس ہے اور یہودیوں کے تمام زوال کے باوجود اور مشرک قوموں کے بداثرات کے ہوتے ہوئے بھی خدائے واحد کا تصور مستحکم تھا۔ مسیحؑ اس اساسی نظریہ کو کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے۔ قرآن نے تو اسے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اناجیل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے:

" اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے۔ وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں سے اول حکم کون سا ہے۔ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے کہ " اے اسرائیل سن خداوند ہمارے خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ فقیہ نے کہا: اے استاد کیا خوب تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ " (۱۲۵)

" لوقا نے مسیحؑ کا شیطان سے جو مکالمہ نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے مسیحؑ کو اپنے سامنے سجدہ کرنے کا لالچ دیا تو اس کے جواب میں انہوں نے تورات کا حکم دہراتے ہوئے کہا:

" لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ " (۱۲۶)

Marfat.com

اقتدارِ اعلیٰ

توحید کا ایک اہم پہلو رب کائنات کو مقتدر اعلیٰ ماننا ہے۔ خالق کائنات تکوینی طور پر تو اس کا منتظم ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے البتہ تشریعی طور پر اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنا انسانی تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ شیطان نے انسان کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اس دنیا میں مختار مطلق ہے لہذا اسے اپنے اختیار کو استعمال کر کے اپنی مرضی کے مطابق قوانین بنانے اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کا عمل جاری رکھنا چاہیے۔ یہی رویہ فساد کی جڑ ہے اور اسی کی اصلاح کے لیے انبیاء نے کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اختیار سے دنیوی زندگی میں مقتدر اعلیٰ ماننا ایمان کا اہم تقاضا ہے۔ بنی اسرائیل میں جو فساد رونما ہوا تھا اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خدا کی ذات دنیوی زندگی کے معاملات میں متعلق نہیں رہی تھی لہذا مسیح اس غلط فہمی کو دور کرتے ہیں۔ متی کے مطابق آپ نے فرمایا:

پس تم اس طرح دعا مانگو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔" (۱۲۷)

خدا کی مرضی کا زمین پر پورا ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا قانون زمین میں نافذ ہو۔ اس سے روحانی بادشاہت مراد لینا دور از کار تاویل ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مسیح کا مقصد یہ تھا کہ زمین پر خدا کا قانون اور اس کا حکم شرعی اسی طرح جاری ہو جس طرح تمام کائنات میں اس کا قانون طبعی نافذ ہے۔ اسی انقلاب کے لیے وہ لوگوں کو تیار کر رہے تھے۔

انقلابی جدوجہد

مسیح کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی محدود مذہبی و روحانی زندگی کے لیے کوشاں نہیں تھے بلکہ ان کے سامنے پورے نظام تمدن و سیاست کو بدل دینے کا نقشہ تھا انہیں رومی سلطنت، یہودی ریاست، فقیہوں اور فریسیوں کے اقتدار اور تمام بندگان نفس سے مقابلہ درپیش تھا۔ وہ حق و باطل کی اس کشمکش کو واضح طور پر دیکھ رہے تھے اس لیے انقلابی جدوجہد کے لیے تیاری کرتے ہوئے وہ ان خطرات اور مشکلات کا کھلا ذکر کرتے ہیں۔ اسی انقلابی جدوجہد میں مشکلات و مصائب ہیں، کھلی کشمکش ہے، آزمائش و ابتلاء ہے اور صبر و استقامت ہے۔ موجودہ اناجیل میں ان سب پہلوؤں پر راہنمائی ملتی ہے۔

حق و باطل کا تصور

حق و باطل کی کشمکش کارگہہ حیات کا مستقل منظر ہے۔ پیغمبر کے سامنے اس کشمکش کا پورا منظر ہوتا ہے۔ اور وہ اس میں کسی مفاہمت کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک دوستی و دشمنی کا معیار حق کے ساتھ وابستگی ہوتا ہے۔ مسیح اپنے پیروؤں کو اس کشمکش کی شدت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں!

Marfat.com

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔ جو کوئی باپ ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔" (۱۲۸)

قربانی کے لیے تیاری

اس جدوجہد کا دوسرا پہلو مصائب و مشکلات برداشت کرنے اور جان و مال کی قربانی کے لیے تیار ہونا ہے۔ مسیح اپنے ماننے والوں کو آزمائش کے لیے تیار کرتے اور قربانی کے لیے آمادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ایمان لانے والوں کو بتاتے ہیں کہ انہیں شدید تکالیف حتی کہ موت کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے ان سے منقول ہے "اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔"(۱۲۹) جو کوئی میرے پیچھے آنا چاہے وہ اپنی خودی (۱۳۰) سے انکار کر دے اور اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہو لے۔ (۱۳۱) بھائی کو بھائی قتل کے لیے حوالے کرے گا اور بیٹے کو باپ اور بیٹے اپنے ماں باپ کے خلاف کھڑے ہو کر انہیں مروا ڈالیں گے اور میرے نام کے باعث سب لوگ تم سے عداوت کریں گے مگر جو آخرت تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔" (۱۳۲)

"دیکھو میں تم کو بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں۔ پس سانپوں کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بے آزار بنو۔ مگر آدمیوں سے خبردار رہو کیونکہ وہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کر دیں گے اور اپنے عبادت خانوں میں تمہیں کوڑے ماریں گے اور تم میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔" (۱۳۳) اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں، بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی (۱۳۴) نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا کیونکہ تم میں ایسا کون ہے کہ جب وہ برج بنانا چاہے تو پہلے بیٹھ کر لاگت کا حساب نہ کرے کہ آیا میرے پاس اس کے تیار کرنے کا سامان ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ جب نیو ڈال کر تیار نہ کر سکے تو سب دیکھنے والے یہ کہہ کر ہنسنا شروع کر دیں کہ اس شخص نے عمارت تو شروع کی مگر تیار نہ کر سکا۔ یا کون ایسا بادشاہ ہے جو دوسرے بادشاہ سے لڑنے جاتا ہو اور پہلے بیٹھ کر مشورہ نہ کرے کہ آیا میں دس ہزار سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں یا نہیں جو بیس ہزار لے کر مجھ پر چڑھا آتا ہے۔ نہیں تو جب وہ ہنوز دور ہی ہے ایلچی بھیج کر شرائط صلح کی درخواست کرے گا۔ پس اس طرح تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔" (۱۳۶)

صبر کی تلقین

انقلابی جدوجہد صبر آزما مساعی کا سلسلہ ہے۔ اس کے مختلف مراحل کا ادراک اور اس کے مطابق درست طرز

Marfat.com

عمل اس جدوجہد کی کامیابی کو یقینی بناتے ہیں۔ جس طرح شدید کشمکش اور مسلح مزاحمت ایک ضروری مرحلہ ہے اسی طرح دکھ سہنے، مصائب برداشت کرنے اور خاموشی سے دعوت کے کام کو جاری رکھنا بھی اہم مرحلہ ہے اور دعوتی زندگی میں اس مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس مرحلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ شر اپنے غلبے کی وجہ سے دعوت کو روکتا ہے اور دعوت کے کارکنوں پر ظلم کرتا ہے ایسے حالات میں دعوت کے کارکنوں کا سب سے بڑا ہتھیار صبر و استقامت اور قبل از وقت تصادم سے بچاؤ ہے۔ مسیح علیہ السلام نے ایسے ہی صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے:

" شر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھ کو ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔" (۱۳۷)

" جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کرتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کرسکتا ہے۔" (۱۳۸)

ان ارشادات کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ داعی منفعل بن کر ظلم سہنے اور ظالموں کو کھل کھیلنے کا موقعہ دینے کی پالیسی اختیار کرے اور ظلم و جبر کے اقتدار کو چیلنج نہ کرے۔ یہ تعبیر نہ صرف انبیاء کی مجموعی دعوتی حکمت عملی کے خلاف ہے بلکہ مسیح کے دیگر ارشادات اور ان کے طرز عمل کے بھی خلاف ہے۔ یہ صرف ایک ایسے مرحلے کی پالیسی ہے جب دعوت کے کارکن کمزور ہیں اور کھلے تصادم سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ مسیح کی جدوجہد پر نظر رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ انہیں کس طرح کے حالات کا سامنا تھا۔ ایک بے خدا نظام تمدن و سیاست کا غلبہ تھا۔ تمام وسائل حیات ریاست کے کنٹرول میں تھے۔ منتظم، ظالم، بدراہ اور فاسق و فاجر تھے۔ ان کے مقابلے میں اصلاح کی تحریک اٹھانا مشکلات و مصائب کو دعوت دینا تھا اس لیے مسیح کی تعلیمات میں جہاں تحمل شدائد کی بات ہے وہاں صبر و استقامت اور جان و مال کی قربانی کا ذکر بھی ہے۔ کارکنوں کو مصائب کی شدت برداشت کرنے کے لیے تیار کرنا بے حد ضروری تھا۔ دعوت کے اس مرحلے میں جانوں کا نذرانہ دینا مالی خسارہ برداشت کرنا اور ظلم و ستم سہنا ایک معمول کی بات قرار پاتی ہے۔ دعوتی زندگی میں ان حالات کا پیش آنا ناگزیر ہے اور اس کے لیے تیار رہنا داعی کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔

فکر آخرت کی دعوت اور حب دنیا کی نفی

توحید و رسالت کی طرح آخرت کا عقیدہ انبیاء کی دعوت کا اساسی عنصر ہے۔ دنیا میں فساد اور ظلم و استحصال اور لالچ و حرص کا سبب آخرت سے غفلت ہے۔ حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔ ایک مرتبہ انسان حرص و لالچ کی راہ پر چل پڑے تو پھر وہ کسی بلند نصب العین کے لیے بیکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے انبیاء نے آخرت کے سلسلے میں دو طریقوں پر کام کیا ہے۔ ایک تو اللہ کے سامنے پیش ہونے اور اس کے قادر مطلق رزاق ہونے کا شعور پختہ کیا

Marfat.com

دوسرے دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی محدودیتوں کو واضح کیا۔ مسیحؑ کے ارشادات میں بھی فکر آخرت کی دعوت اور حب دنیا کی نفی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ چونکہ دنیا میں دولت پرستی کے مقاصد اللہ سے تعلق سے متصادم ہوتے ہیں اس لیے ایک کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اس لیے مسیحؑ اپنے مخاطبین کو خدا سے مستحکم تعلق قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ یہی وسیلہ نجات ہے۔ فرماتے ہیں: " مانگو تو تمہیں دیا جائے گا، ڈھونڈو تو پاؤ گے، دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جاتا ہے" (۱۳۹)

مزید فرماتے ہیں:

" کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔" (۱۴۰)

توکل علی اللہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ انہیں کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں تو میں بھی تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کرے گا آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔" (۱۴۱)

جب مال کے سلسلے میں آپ کا مندرجہ ذیل ارشاد حقیقت پر مبنی ہے: "تو اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کر، جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو۔" (۱۴۲)

مذہبی قیادت پر تنقید

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت دراصل بنی اسرائیل کی اصلاح کا ایک پروگرام تھا

Marfat.com

اور بنی اسرائیل کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک ان کی مذہبی قیادت کے حالات درست نہ ہوں۔ مذہبی قیادت کو جو اثر و رسوخ حاصل تھا اس کا تقاضا تھا کہ انہیں اس دعوت کی حقیقت سمجھائی جائے لیکن یہ گروہ دنیا پرستی میں ڈوبا ہوا اور ریاکاری کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس لیے مسیح علیہ السلام نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ان کی حیثیت کا احساس دلایا تاکہ وہ کسی طرح درست ہو جائیں لیکن یہ تنقید اتنی واضح تھی کہ اس میں انہیں اپنی اصلی شکل دکھائی دینے لگی، انہیں دعوت تو کیا قبول تھی الٹا صریح دشمنی پر اُتر آئے۔ مسیحؑ کے الفاظ میں تلخی ہے لیکن صورت حال کی سچی عکاسی ہے۔ آپ سے منقول ہے:

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم آسمان کی بادشاہی لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔" (۱۴۳)

"اے اندھے راہ بتانے والے تم پر افسوس! جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔" (۱۴۴)

"اے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔" (۱۴۵)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور اس طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔" (۱۴۶)

متی کا ۲۳واں باب یہودی علماء و مشائخ پر تنقید پر مشتمل ہے۔ اس باب کے آغاز میں شاگردوں سے مسیحؑ کا خطاب ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

"فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں مگر آپ انہیں اپنی انگلی سے ہلانا بھی نہیں چاہتے۔ وہ اپنے سب کام لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ اپنے تعویز بڑے بناتے اور اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے اور ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو۔" (۱۴۷)

دعوت کی نوعیت کا جامع بیان

حضرت مسیحؑ نے مختلف اوقات میں دعوت الی اللہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحتیں کی ہیں۔ متی نے نقل کیا ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے لوگوں کو آرام واطمینان کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ متی لکھتے ہیں:

" اس وقت یسوع نے کہا: اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔" (۱۴۸)

اس کے بعد کہا:

" اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا۔ میر اجوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن۔ تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔" (۱۴۹)

سید مودودیؒ نے اسے حکومت الٰہیہ کا مینی فیسٹو قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

شاید حکومت الٰہیہ کا مینی فیسٹو اس سے زیادہ مختصر اور پُر اثر الفاظ میں مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ انسان پر انسانی حکومت کا جوا بڑا ہی سخت اور بڑا ہی بوجھل ہے اس بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کو الٰہی حکومت کا نقیب جو پیغام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ جس حکومت کا جوا میں تمہارے اوپر رکھنا چاہتا ہوں وہ نرم بھی ہے خفیف بھی۔" (۱۵۰)

مسیح کی تعلیمات میں حکومت کی نوعیت پر بھی ارشادات ملتے ہیں۔ مثلاً آپ حکومت کو خدمت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

" غیر قوموں کے بادشاہ ان پر حکومت چلاتے ہیں اور جو ان پر اختیارات رکھتے ہیں وہ خداوند نعمت کہلاتے ہیں مگر تم ایسے نہ ہونا بلکہ جو تم میں سے بڑا ہے وہ چھوٹے کے مانند اور جو سردار ہے وہ خدمت کرنے والے کے مانند۔" (۱۵۱)

مسیح کی تعلیمات کا جامع بیان وہ وعظ ہے جسے پہاڑی کا وعظ کہتے ہیں۔ اس میں مقاصد دعوت پر بہترین روشنی یہ تین ابواب (۵۔۷) پر مشتمل ہے:

وہ اس بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب بیٹھ گیا تو اس کے شاگرد اس کے پاس آئے اور وہ اپنی زبان کھول کر ان کو یوں تعلیم دینے لگا:

" مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔
مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ زمین کے وارث ہوں گے۔
مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔
مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔
مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔

Marfat.com

مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔ جب میرے سبب لوگ تم کو لعن وطعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لیے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔
تم زمین کے نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا؟ پھر وہ کسی کام کا نہیں سوائے اس کے کہ باہر پھینکا جائے اور آدمیوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے۔ تم دنیا کے نور ہو۔ جو شہر پہاڑ پر بسا ہے وہ چھپ نہیں سکتا اور چراغ جلا کر پیمانہ کے نیچے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تو اس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے۔ اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں۔
یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔
تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہو گا اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہو گا۔ پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزرانتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آ کر اپنی نذر گذران۔ جب تک تو اپنے مدعی کے ساتھ راہ میں ہے اس سے جلد صلح کر لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعی تجھے منصف کے حوالے کر دے اور منصف تجھے سپاہی کے حوالے کر دے اور تو قید خانہ میں ڈالا جائے۔ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک تو کوڑی کوڑی ادا نہ کرے گا وہاں سے ہرگز نہ چھوٹے گا۔
تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا، لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو

Marfat.com

اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر تیرا داہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہا اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔

پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھاؤ بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا نہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے۔ نہ زمین کی کیونکہ وہ اس کے پاؤں کی چوکی ہے۔ نہ یروشلم کی کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے۔ نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کر سکتا۔ بلکہ تمہارا کلام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے وہ بدی سے ہے۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لیے دعا کرو، تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارے لیے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں ہی کو سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو؟ کیا غیر قوموں کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے؟ پس چاہیے کہ تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔

خبردار اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لیے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لیے کچھ اجر نہیں ہے۔

پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا جیسا ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اس صورت میں تیرا

Marfat.com

باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔
اور جب تم دعا کرو تو ریاکاروں کی مانند نہ بنو کیونکہ وہ عبادت خانوں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہو کر دعا کرنا پسند کرتے ہیں تا کہ لوگ ان کو دیکھیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ جب تو دعا کرے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا کر۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے دے گا اور دعا کرتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب سے ہماری سنی جائے گی۔ پس ان کی مانند نہ بنو کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو۔ پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے اور جس طرح ہم نے اپنے قرض داروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ (آمین) اس لیے کہ اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا ۔ اور اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔

اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تا کہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو تا کہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔

اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔ بدن کا چراغ آنکھ ہے پس اگر تیری آنکھ درست ہے تو تیرا سارا بدن بھی روشن ہوگا۔ اور اگر تیری آنکھ خراب ہے تو تیرا سارا بدن بھی تاریک ہوگا۔ پس اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی۔ کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے

Marfat.com

۔تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے ۔اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں ۔تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان وشوکت کے ان میں سے کسی کی مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ۔ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے ۔کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی کو تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی ۔پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کرے گا آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔

عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری عیب جوئی نہ کی جائے ۔کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں ۔اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔

پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑیں۔

مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے ۔دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا ۔کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا۔ تم میں سے ایسا کون سا آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے ۔یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے پس جبکہ تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔

تنگ دروازہ سے داخل ہو کیونکہ وہ دروازہ چوڑا ہے اور وہ راستہ کشادہ ہے جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اس سے داخل ہونے والے بہت ہیں ۔کیونکہ وہ دروازہ تنگ ہے اور راستہ سکڑا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے اور اس کے پانے والے تھوڑے ہیں۔

جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے

Marfat.com

والے بھیڑیے ہوتے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لو گے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت برا پھل نہیں لاسکتا نہ برا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔ جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ پس ان کے پھولوں سے تم ان کو پہچان لو گے۔ جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے کہ اے خداوند! خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے۔ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقل مند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچایا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔

جب یسوع نے یہ باتیں ختم کیں تو ایسا ہوا کہ بھیڑ اس کی تعلیم سے حیران ہوئی کیونکہ وہ ان کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح ان کو تعلیم دیتا تھا۔ (۱۵۲)

مسیح علیہ السلام کا اسلوبِ دعوت

ہم مختلف انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کو دیکھ چکے ہیں۔ ان کے ہاں اعلان نبوت کے ساتھ دعوت کے بنیادی موضوعات پر اظہار خیال ہوتا ہے۔ دلائل و براہین دیئے جاتے ہیں، مخالفین کے اعتراضات کے جوابات ہوتے ہیں اور بالآخر ان کے مطالبہ پر معجزات دکھائے جاتے ہیں۔ دعوت کے عمومی موضوعات کے ساتھ کبھی خصوصی موضوع بھی ہوتا ہے جس کا تعلق مخاطب قوم کے معاشی یا اخلاقی جرم سے ہوتا ہے جیسے لوط اور شعیب علیہما السلام کی قوموں کے جرائم۔ انبیاء سابقین کے برعکس حضرت مسیحؑ کی دعوت کا آغاز ہی معجزہ سے ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دی جاسکتی ہے جس میں شروع ہی سے معجزہ دکھا دیا گیا لیکن اس میں بھی صرف اتنی مماثلت ہے کہ دعوت کے آغاز میں معجزہ دکھایا گیا ورنہ وہ معجزہ دکھانے سے پہلے اپنی دعوت پیش کر چکے تھے اور اس دعوت کی تائید میں معجزہ دکھایا تھا۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور مشیت نے انہیں پیغمبرانہ صفات سے نوازا ہوتا ہے۔ یہ صلاحیتیں ان کی شخصیت کا حصہ ہوتی ہیں لیکن ان کے اظہار کے لیے قدرت کی طرف سے ایک وقت متعین ہوتا ہے۔

Marfat.com

جس وقت اعلان نبوت کرتے ہیں تو ان کے شخصی حسن اور باطنی لطافت کے چھپے گوشے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کی حیثیت منفرد ہے کہ انہوں نے گہوارے میں ہی اعلان نبوت کیا لیکن جس وقت انہوں نے کارِ نبوت کی دشوار گزار گھاٹیوں میں قدم رکھا تو انہوں نے ابلاغ مطالب اور احقاق حق کے لیے کئی اسالیب اختیار کیے۔ ان اسالیب کو دو بڑے عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک معجزانہ اور دوسرا معلمانہ۔

معجزانہ اسلوب

قرآن مجید نے معجزہ کے لیے آیۃ اور بیـــــــنۃ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ عام قانون قدرت سے جدا اور اسباب و وسائل اور تحصیل علم و فن کے بغیر نبی کے ذریعہ سے ایسے امور عجیبہ کا مظاہرہ جس سے عوام و خواص اس کے مقابلے سے عاجز و درماندہ ہو جائیں، معجزہ کہلاتا ہے۔ قرآن مجید نے کئی انبیاء کے معجزات کے لیے آیۃ کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً صالح علیہ السلام کی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَ كُمْ عَذَابٌ اَلِيْم (۱۵۳)

یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اور اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ. (۱۵۴)

اور ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں (معجزات) عطا کیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔

اسی طرح مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. (۱۵۵)

اور ہم نے عیسیٰ ابن مریمؑ کو نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۱۵۶)

پھر جب تو بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں منکر حق تھے انہوں نے کہا یہ نشانیاں جادوگری کے سوا کچھ نہیں۔

بینہ کی اصطلاح موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے لیے بھی استعمال ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جَآءَ كُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ (۱۵۷)

اور تمہارے پاس موسیٰ کیسی کیسی روشن نشانیوں کے ساتھ آئے۔

مسیح کی پیدائش بھی معجزانہ تھی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے کئی معجزانہ کام کرائے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے

Marfat.com

کہ ان کا پیغام اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے اور انہیں اپنے رب سے خصوصی ربط حاصل ہے۔ قرآن نے ایک جگہ مریمؑ کا ذکر کرتے ہوئے دونوں ماں بیٹے کو اللہ کی نشانی قرار دیا۔ ارشاد باری ہے:

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۵۸)

اور وہ عورت (مریمؑ) جس نے اپنی پاک دامنی کو قائم رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے جن معجزات کا قرآن مجید نے بالصراحت ذکر کیا ہے وہ چار ہیں۔

۱۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیتے تھے۔

۲۔ پیدائشی نابینا کو بینا اور جذامی کو اچھا کر دیا کرتے تھے۔

۳۔ وہ مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک دیتے تھے تو اللہ کے حکم سے اس میں زندگی آ جاتی تھی۔

۴۔ وہ یہ بھی بتا دیتے تھے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور گھر میں کیا ذخیرہ محفوظ کر رکھا ہے؟

قرآن مجید نے ان معجزات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ. وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ. وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ. فِىْ بُيُوْتِكُمْ. اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۵۹)

اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہوں نے کہا میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر رکھتے ہو۔ اس میں تمہارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ. وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ. (۱۶۰)

جب تو میرے حکم سے مٹی کا پتلا پرندے کی شکل کا بناتا اور اس میں پھونکتا تھا اور میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، تو مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا تو مردوں کو میرے حکم سے نکالتا تھا۔

اناجیل اربعہ میں بھی مسیحؑ کے معجزات کا تذکرہ ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ معجزات ہی ان کے تعارف

Marfat.com

کا ذریعہ بنے۔ بیماروں کو ٹھیک کرنا، بدروحوں کو نکالنا اور کھانے میں برکت ہونا وہ معجزات ہیں جو چاروں انجیلوں میں موجود ہیں۔ ذیل میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کو ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرتا رہا اور اس کی شہرت تمام سوریہ میں پھیل گئی اور لوگ سب بیماروں کو جو طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں میں گرفتار تھے اور ان کو جن میں بدروحیں تھیں اور مرگی والوں اور مفلوجوں کو اس کے پاس لائے اور اس نے ان کو اچھا کیا اور گلیل اور دکپلس اور یروشلم اور یہودیہ اور یردن کے پار سے بڑی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی۔ (۱۶۱)

جب وہ اس پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند! اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہو گیا۔ یسوع نے اس سے کہا خبردار! کسی سے نہ کہنا بلکہ جا کر اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور جو نذر موسیٰ نے مقرر کی ہے اسے گذران تا کہ ان کے لیے گواہی ہو۔

اور جب وہ کفرنحوم میں داخل ہوا تو ایک صوبہ دار اس کے پاس آیا اور اس کی منت کر کے کہا۔ اے خداوند! میرا خادم فالج کا مارا گھر میں پڑا ہے اور نہایت تکلیف میں ہے۔ اس نے اس سے کہا میں آ کر اس کو شفا دوں گا۔ صوبہ دار نے جواب میں کہا اے خداوند! میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے بلکہ صرف زبان سے کہہ دے تو میرا خادم شفا پا جائے گا۔ کیونکہ میں بھی دوسرے کے اختیار میں ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں اور جب ایک سے کہتا ہوں کہ جا تو وہ جاتا ہے اور دوسرے سے کہ آ تو وہ آتا ہے اور اپنے نوکر سے کہ یہ کر تو وہ کرتا ہے۔ یسوع نے یہ سن کر تعجب کیا اور پیچھے آنے والوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے اسرائیل میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آ کر ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے۔ مگر بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا اور یسوع نے صوبہ دار سے کہا جا جیسا تو نے اعتقاد کیا تیرے لیے ویسا ہی ہو اور اسی گھڑی خادم نے شفا پائی۔

اور یسوع نے پطرس کے گھر میں آ کر اس کی ساس کو تپ میں پڑی دیکھا۔ اس نے اس کا ہاتھ چھوا اور تپ اس پر سے اتر گئی اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور خدمت کرنے لگی۔ جب شام ہوئی تو اس کے پاس بہت سے لوگوں کو لائے جن میں بدروحیں تھیں اس نے روحوں کو زبان سے ہی کہہ کر نکال دیا اور سب بیماروں کو اچھا کر دیا۔ تا کہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ اس نے آپ ہی ہماری

Marfat.com

کمزوریاں لے لیں اور بیماریاں اٹھالیں۔

جب یسوع نے اپنے گرد بہت سی بھیڑ دیکھی تو پار چلنے کا حکم دیا ایک فقیہ نے پاس آ کر اس سے کہا اے استاد جہاں کہیں تو جائے گا میں تیرے پیچھے چلوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے لیے سر دھرنے کی جگہ نہیں۔ ایک شاگرد نے اس سے کہا اے خداوند مجھے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں۔ یسوع نے اس سے کہا تو میرے پیچھے چل اور مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔

جب وہ کشتی میں چڑھا تو اس کے شاگرد اس کے ساتھ ہو لیے اور دیکھو جھیل میں ایسا بڑا طوفان آیا کہ کشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وہ سوتا تھا۔ انہوں نے پاس آ کر اسے جگایا اور کہا اے خداوند ہمیں بچا! ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں اس نے ان سے کہا اے کم اعتقادو! ڈرتے کیوں ہو؟ تب اس نے اٹھ کر ہوا اور پانی کو ڈانٹا اور بڑا امن ہو گیا۔ اور لوگ تعجب کر کے دیکھنے لگے یہ کس طرح کا آدمی ہے کہ ہوا اور پانی بھی اس کا حکم مانتے ہیں۔

جب وہ اس پار گدرینیوں کے ملک میں پہنچا تو آدمی جن میں بدروحیں تھیں قبروں سے نکل کر ان سے ملے ۔وہ ایسے تندمزاج تھے کہ کوئی اس راستہ سے گذر نہیں سکتا تھا۔ اور دیکھو انہوں نے چلا کر کہا اے خدا کے بیٹے ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو اس لیے یہاں آیا ہے کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالے؟ ان سے کچھ دور بہت سے سوروں کا غول چر رہا تھا۔ پس بدروحوں نے اس کی منت کر کے کہا کہ اگر تو ہم کو نکالتا ہے تو ہمیں سوروں کے غول میں بھیج دے۔ اس نے ان سے کہا جاؤ۔ وہ نکل کر سوروں کے اندر چلی گئیں اور دیکھو سارا غول کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور پانی میں ڈوب مرا۔ اور چرانے والے بھاگے اور شہر میں جا کر سب ماجرا اور ان کا احوال جن میں بدروحیں تھیں بیان کیا اور دیکھو سارا شہر یسوع سے ملنے کو نکلا اور اسے دیکھ کر منت کی کہ ہماری سرحدوں سے باہر چلا جا۔

پھر وہ کشتی چڑھ کر پار گیا اور اپنے شہر میں آیا۔ اور دیکھو لوگ ایک مفلوج کو چار پائی پر پڑا ہوا اس کے پاس لائے۔ یسوع نے ان کا ایمان دیکھ کر مفلوج سے کہا بیٹا خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں کہا یہ کفر بکتا ہے۔ یسوع نے ان کے خیال معلوم کر کے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں برے خیال لاتے ہو۔ آسان کیا ہے۔ یہ کہنا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہنا کہ اٹھ اور چل پھر؟ لیکن اس لیے کہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے (اس نے مفلوج سے کہا) اٹھ اپنی چار پائی اٹھا اور اپنے گھر چلا جا۔ وہ اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا۔ (۱۶۴)

Marfat.com

" اور وہ ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ ایک سردار نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا: میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائے گی۔ یسوع اٹھ کر اپنے شاگردوں سمیت اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھو ایک عورت نے جس کے بارہ برس سے خون جاری تھا اس کے پیچھے آ کر اس کی پوشاک کا کنارہ چھوا۔ کیونکہ وہ اپنے جی میں کہتی تھی کہ اگر صرف اس کی پوشاک ہی چھولوں گی تو اچھی ہو جاؤں گی۔ یسوع نے پھر کر اسے دیکھا اور کہا بیٹی! خاطر جمع رکھ تیرے ایمان نے تجھے اچھا کر دیا۔ پس وہ عورت اسی گھڑی اچھی ہو گئی۔ جب یسوع سردار کے گھر میں آیا اور بانسری بجانے والوں کو اور بھیڑ کو غل مچاتے دیکھا تو کہا ہٹ جاؤ کیونکہ لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے وہ اس پر ہنسنے لگے۔ مگر جب بھیڑ نکال دی گئی تو اس نے اندر جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور لڑکی جی اٹھی اس بات کی شہرت تمام علاقہ میں پھیل گئی۔ جب یسوع وہاں سے آگے بڑھا تو دو اندھے اس کے پیچھے یہ پکارتے ہوئے چلے کہ اے ابن داؤد ہم پر رحم کر۔ جب وہ گھر میں پہنچا تو وہ اندھے اس کے پاس آئے اور یسوع نے ان سے کہا کیا تم کو اعتقاد ہے کہ میں یہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے اس سے کہا ہاں خداوند! تب اس نے ان کی آنکھوں کو چھو کر کہا تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہارے لیے ہو اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور یسوع نے ان کو تاکید کر کے کہا خبردار کوئی اس بات کو نہ جانے مگر انہوں نے نکل کر اس تمام علاقہ میں اس کی شہرت پھیلا دی۔ جب وہ باہر جا رہے تھے تو دیکھو لوگ ایک گونگے کو جس میں بدروح تھی اس کے پاس لائے جب وہ بدروح نکال دی گئی تو گونگا بولنے لگا اور لوگوں نے تعجب کر کے کہا کہ اسرائیل میں ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا۔ (۱۶۳)

مرقس مسیحؑ کے معجزات کے بارے میں نقل کرتا ہے:

پھر وہ کفرنحوم میں داخل ہوا اور فی الفور سبت کے دن عبادت خانہ میں جا کر تعلیم دینے لگا اور لوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے کیونکہ وہ فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا اور فی الفور ان کے عبادت خانہ میں ایک شخص ملا جس میں ناپاک روح تھی۔ وہ یوں کہہ کر چلایا۔ کہ اے یسوع ناصری! ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو ہم کو ہلاک کرنے آیا ہے؟ میں تجھے جانتا ہوں کہ تو کون ہے۔ خدا کا قدوس ہے۔ یسوع نے اسے جھڑک کر کہا چپ رہ اور اس میں سے نکل جا۔ پس وہ ناپاک روح اسے مروڑ کر اور بڑی آواز سے چلا کر اس میں سے نکل گئی اور سب لوگ حیران ہوئے اور آپس میں یہ کہہ کر بحث کرنے لگے کہ یہ کیا ہے؟ یہ تو نئی تعلیم ہے! وہ ناپاک روحوں کو بھی اختیار کے ساتھ حکم دیتا ہے اور وہ اس کا حکم مانتی ہیں اور فی الفور اس کی شہرت گلیل کی اس تمام نواحی میں ہر جگہ پھیل گئی۔

اور وہ فی الفور عبادت خانہ سے نکل کر یعقوب اور یوحنا کے ساتھ شمعون اور اندریاس کے گھر آئے۔ شمعون کی ساس تپ میں پڑی تھی اور انہوں نے فی الفور اس کی خبر اسے دی۔ اس نے پاس جا کر اور اس

Marfat.com

کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور تپ اس پر سے اتر گئی اور وہ خدمت کرنے لگی۔

شام کو جب سورج ڈوب گیا تو لوگ سب بیماروں کو اور ان کو جن میں بدروحیں تھیں اس کے پاس لائے۔ اور سارا شہر دروازہ پر جمع ہو گیا اور اس نے بہتوں کو جو طرح طرح کی بیماریوں میں گرفتار تھے اچھا کیا اور بہت سی بدروحوں کو نکالا اور بدروحوں کو بولنے نہ دیا کیونکہ وہ اسے پہچانتی تھیں۔

اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا کی اور شمعون اور اس کے ساتھی اس کے پیچھے گئے اور جب وہ ملا تو اس سے کہا کہ سب لوگ تجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس نے ان سے کہا آؤ ہم اور کہیں آس پاس کے شہروں میں چلیں تاکہ میں وہاں بھی منادی کروں کیونکہ میں اسی لیے نکلا ہوں اور وہ تمام گلیل میں ان کے عبادت خانوں میں جا جا کر منادی کرتا اور بدروحوں کو نکالتا رہا۔

اور ایک کوڑھی نے اس کے پاس آ کر اس کی منت کی اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس سے کہا اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے اس نے اس پر ترس کھا کر ہاتھ بڑھایا اور اسے چھو کر اس سے کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ اور فی الفور اس کا کوڑھ جاتا رہا اور وہ پاک صاف ہو گیا اور اس نے اسے تاکید کر کے فی الفور رخصت کیا اور اس سے کہا خبردار کسی سے کچھ نہ کہنا مگر جا کر اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور اپنے پاک صاف ہو جانے کی بابت ان چیزوں کو جو موسیٰ نے مقرر کیں نذر گذران تاکہ ان کے لیے گواہی ہو۔ لیکن وہ باہر جا کر بہت چرچا کرنے لگا اور اس بات کو ایسا مشہور کیا کہ یسوع شہر میں پھر ظاہراً داخل نہ ہو سکا بلکہ باہر ویران مقاموں میں رہا اور لوگ چاروں طرف سے اس کے پاس آتے تھے۔ (۱۶۴)

لوقا بھی مسیح کے معجزات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور وہ ناصرہ میں آیا جہاں اس نے پرورش پائی تھی اور وہ اپنے دستور کے موافق سبت کے دن عبادت گاہ میں گیا اور پڑھنے کو کھڑا ہوا۔ اور یسعیاہ نبی کی کتاب اس کو دی گئی اور کتاب کھول کر اس نے وہ مقام نکالا جہاں یہ لکھا تھا کہ:

خداوند کا روح مجھ پر ہے۔
اس لیے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لیے مسح کیا۔
اس نے مجھے بھیجا کہ قیدیوں کو رہائی
اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔
کچلے ہوؤں کو آزاد کروں۔
اور خداوند کے سال مقبول کی منادی کروں۔

پھر وہ کتاب بند کر کے اور خادم کو واپس دے کر بیٹھ گیا اور جتنے عبادت خانہ میں تھے سب کی آنکھیں اس

Marfat.com

پڑ لگی تھیں۔ وہ ان سے کہنے لگا کہ آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہوا اور سب نے اس پر گواہی دی اور ان پُرفضل باتوں پر جو اس کے منہ سے نکلتی تھیں تعجب کر کے کہنے لگے کیا یہ یوسف کا بیٹا نہیں؟ اس نے ان سے کہا تم البتہ یہ مثل مجھ پر کہو گے کہ اے حکیم اپنے آپ کو تو اچھا کر۔ جو کچھ ہم نے سنا ہے کہ کفرنحوم میں کیا گیا یہاں اپنے وطن میں بھی کر۔ اور اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایلیاہ کے دنوں میں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا یہاں تک کہ سارے ملک میں سخت کال پڑا بہت سی بیوائیں اسرائیل میں تھیں لیکن ایلیاہ ان میں سے کسی کے پاس نہ بھیجا گیا مگر ملک صیدا کے شہر صارپت میں ایک بیوہ کے پاس۔ اور الیشع نبی کے وقت میں اسرائیل کے درمیان بہت سے کوڑھی تھے لیکن ان میں سے کوئی پاک وصاف نہ کیا گیا مگر نعمان سوریانی ۔ جتنے عبادت خانہ میں تھے ان باتوں کو سنتے ہی قہر سے بھر گئے اور اٹھ کر اس کو شہر سے باہر نکالا اور اس پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے جس پر ان کا شہر آباد تھا تا کہ اسے سر کے بل گرادیں۔ مگر وہ ان کے بیچ میں سے نکل کر چلا گیا۔

پھر وہ گلیل کے شہر کفرنحوم کو گیا اور سبت کے دن انہیں تعلیم دے رہا تھا اور لوگ اس کی تعلیم سے حیران تھے کیونکہ اس کا کلام اختیار کے ساتھ تھا۔ اور عبادت خانہ میں ایک آدمی تھا جس میں ناپاک دیو کی روح تھی اور وہ بڑی آواز سے چلا اٹھا کہ اے یسوع ناصری ہمیں تجھ سے کیا کام۔ کیا تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے؟ میں تجھے جانتا ہوں کہ تو کون ہے، خدا کا قدوس ہے۔ یسوع نے اسے جھڑک کر کہا کہ چپ رہ اور اس میں سے نکل جا۔ اس پر بدروح اسے بیچ میں ٹپک کر بغیر ضرر پہنچائے اس میں سے نکل گئی۔ اور سب حیران ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیسا کلام ہے؟ کیونکہ وہ اختیار اور قدرت سے ناپاک روحوں کو حکم دیتا ہے اور وہ نکل جاتی ہیں اور گردونواح میں ہر جگہ اس کی دھوم مچ گئی۔

پھر وہ عبادت خانہ سے اٹھ کر شمعون کے گھر میں داخل ہوا اور شمعون کی ساس کو بڑی تپ چڑھی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کے لیے اس سے عرض کیا وہ کھڑا ہو کر اس کی طرف جھکا اور تپ کو جھڑکا تو اتر گئی اور وہ اسی دم اٹھ کر ان کی خدمت کرنے لگی۔

اور سورج کے ڈوبتے وقت وہ سب لوگ جن کے ہاں طرح طرح کی بیماریوں کے مریض تھے انہیں اس کے پاس لائے اور اس نے ان میں سے ہر ایک پر ہاتھ رکھ کر انہیں اچھا کیا اور بدروحیں بھی چلا کر اور یہ کہہ کر کہ تو خدا کا بیٹا ہے بہتوں میں سے نکل گئیں اور وہ انہیں جھڑکتا۔

معلمانہ اسلوب

ہر پیغمبر بنیادی طور پر ایک معلم ہوتا ہے جس کا کام خیر کی تعلیم دینا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خاص علم وحکمت سے

Marfat.com

نوازتا ہے اور اسی کی بنیاد پر تعلیم دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے انبیاء کے خصوصی علم و حکمت کی بات کی ہے۔ ابراہیم نے اپنے باپ سے مخاطب ہوئے کہا تھا:

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (۱۶۶)

ابا جان مجھے ایسا علم ہے جو آپ کو نہیں ملا آپ میرا ساتھ دیں میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔

لوطؑ اور سلیمانؑ کے بارے میں بھی خصوصی علم کی بات ان الفاظ میں کی ہے:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (۱۶۷)

اور لوطؑ کو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا۔

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (۱۶۸)

اور ہم نے دونوں (داؤد و سلیمان) کو حکم اور علم بخشا تھا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۱۶۹)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کے بارے میں بھی اسی طرح کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے نہ صرف کار نبوت کی یکسانی کا پتہ چلتا ہے بلکہ وحدت مصدر کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ تمام انبیاء کے علم اور حکمت کا مصدر ذات الٰہی ہوتا ہے اور تمام انبیاء کا مقصد دعوت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے متعین ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے مسیح علیہ السلام کی نبوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (۱۷۰)

اور وہ اسے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھائے گا۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ (۱۷۱)

اور جب عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے۔ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو سمجھاؤں۔

مسیح علیہ السلام بھی جملہ انبیاء کی طرح علم الٰہی اور حکمت ربانی کے تحت دعوت الی اللہ اور اصلاح معاشرہ کا کام کرتے تھے۔ ان کے اسلوب دعوت کی ایک خصوصیت تمثیلی انداز ہے۔ وہ خیر و شر اور نیکی و بدی کے تصورات و معاملات کو خوبصورت تمثیلوں کے ذریعہ سے بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ اناجیل اربعہ میں اسی تمثیلی انداز کے نمونے ملتے ہیں۔ ایک معلم جب اپنی بات سمجھاتا ہے تو اسے آسان مثالوں اور عمدہ تمثیلوں کے ذریعہ سے واضح کرتا ہے۔ معلم کے پیش نظر اپنے علم کا اظہار اور شخصیت کا رعب نہیں ہوتا اس کے پیش نظر معانی و مفاہیم کا ابلاغ ہوتا ہے اس

Marfat.com

کے لیے مسیحؑ نے جو اسلوب اپنایا وہ تمثیلی ہے۔ ذیل میں ہم ان تمثیلوں کے بعض نمونے پیش کرتے ہیں۔ متی لکھتا ہے:

شاگردوں نے پاس آ کر اس سے کہا تو ان سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے؟ اس نے جواب میں ان سے کہا اس لیے کہ تم کو آسمان کی بادشاہی کے بھیدوں کی سمجھ دی گئی ہے مگر ان کو نہیں دی گئی۔ کیونکہ جس کے پاس ہے اسے دیا جائے گا اور اس کے پاس زیادہ ہو جائے گا اور جس کے پاس نہیں ہے اس سے وہ بھی لے لیا جائے گا۔ جو اس کے پاس ہے میں ان سے تمثیلوں میں اس لیے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔ اور ان کے حق میں یسعیاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی ہے کہ متی سطر تم کانوں سے سنو گے پر ہرگز نہ سمجھو گے۔

اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز معلوم نہ کرو گے۔

کیونکہ اس امت کے دل پر چربی چھا گئی ہے۔

اور وہ کانوں سے اونچا سنتے ہیں

اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں

تاکہ ایسا نہ ہو کہ آنکھوں سے معلوم کریں

اور کانوں سے سنیں

اور رجوع کریں

اور میں ان کو شفا بخشوں

لیکن مبارک ہیں تمہاری آنکھیں اس لیے کہ وہ دیکھتی ہیں اور تمہارے کان اس لیے کہ وہ سنتے ہیں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سے نبیوں اور راستبازوں کو آرزو تھی کہ جو کچھ تم دیکھتے ہو دیکھیں مگر نہ دیکھا اور جو باتیں تم سنتے ہو سنیں مگر نہ سنیں پس بولنے والے کی تمثیل سنو۔ جب کوئی بادشاہی کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو اس کے دل میں بویا گیا تھا اسے وہ شریر آ کر چھین لے جاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا تھا۔ اور جو پتھریلی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اسے فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا بلکہ چند روزہ ہے اور جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور دنیا کی فکر اور دولت کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے۔ کوئی سو گنا پھلتا ہے کوئی ساٹھ گنا، کوئی تیس گنا۔ اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس آدمی کی مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا۔ مگر لوگوں کے سوتے میں اس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی

Marfat.com

بو گیا۔ پس جب پتیاں نکلیں اور بالیں آئیں تو وہ کڑوے دانے بھی دکھائی دیئے۔ نوکروں نے آ کر گھر کے مالک سے کہا اے خداوند کیا تو نے اپنے کھیت میں اچھا بیج نہ بویا تھا؟ اس میں کڑوے دانے کہاں سے آ گئے؟۔ اس نے ان سے کہا یہ کسی دشمن کا کام ہے۔ نوکروں نے اس سے کہا تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم جا کر ان کو جمع کریں۔ اس نے کہا نہیں ایسا نہ ہو کہ کڑوے دانے جمع کرنے میں تم ان کے ساتھ گیہوں بھی اکھاڑ لو۔ کٹائی تک دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو اور کٹائی کے وقت میں کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے کڑوے دانے جمع کر لو اور جلانے کے لیے ان کے گٹھے باندھ لو اور گیہوں میرے کھتے میں جمع کر دو۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کو سنائی کہ آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانہ آٹے میں ملا دیا اور وہ ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔

یہ سب باتیں یسوع نے بھیڑ سے تمثیلوں میں کہیں اور بغیر تمثیل کے وہ ان سے کچھ نہ کہتا تھا تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ

میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولوں گا۔

میں ان باتوں کو ظاہر کروں گا جو بنائے عالم سے پوشیدہ رہی ہیں۔

اس کے بعد وہ بھیڑ کو چھوڑ کر گھر میں گیا اور اس کے شاگردوں نے اس کے پاس آ کر کہا کہ کھیت کے کڑوے دانوں کی تمثیل ہمیں سمجھا دیں۔ اس نے جواب میں کہا کہ اچھے بیج کا بونے والا ابن آدم ہے۔ اور کھیت دنیا ہے اور اچھا بیج بادشاہی کے فرزند اور کڑوے دانے اس شریر کے فرزند ہیں۔ جس دشمن نے ان کو بویا وہ ابلیس ہے اور کٹائی دنیا کا آخر ہے اور کاٹنے والے فرشتے ہیں۔ پس جیسے کڑوے دانے جمع کیے جاتے اور آگ میں جلائے جاتے ہیں ویسے ہی دنیا کے آخر میں ہوگا۔ ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ سب ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راستباز اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے جس کے کان ہوں وہ سن لے۔

آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے خزانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے پا کر چھپا دیا اور خوشی کے مارے جا کر جو کچھ اس کا تھا بیچ ڈالا اور اس کھیت کو مول لے لیا۔

پھر آسمان کی بادشاہی اس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ موتیوں کی تلاش میں تھا۔ جب اسے ایک بیش قیمت موتی ملا تو اس نے جا کر جو کچھ اس کا تھا سب بیچ ڈالا اور اسے مول لے لیا۔

Marfat.com

پھر آسمان کی بادشاہی اس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈالا گیا اور اس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے اور بیٹھ کر اچھی اچھی تو برتنوں میں جمع کر لیں اور جو خراب تھیں پھینک دیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ کیا تم یہ سب باتیں سمجھ گئے؟ انہوں نے اس سے کہا ہاں۔ اس نے ان سے کہا اس لیے ہر فقیہہ جو آسمان کی بادشاہی کا شاگرد بنا ہے اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو اپنے خزانہ میں سے نئی اور پرانی چیزیں نکالتا ہے۔ (۱۷۲)

مرقس لکھتے ہیں:

وہ گھر میں آیا اور اتنے لوگ پھر جمع ہو گئے کہ وہ کھانا بھی نہ کھا سکے۔ جب اس کے عزیزوں نے یہ سنا تو اسے پکڑنے کو نکلے کیونکہ کہتے تھے وہ بے خود ہے اور فقیہہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول ہے اور یہ بھی کہ وہ بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔ وہ ان کو پاس بلا کر ان سے تمثیلوں میں کہنے لگا کہ شیطان کو شیطان کس طرح نکال سکتا ہے؟ اور اگر کسی سلطنت میں پھوٹ پڑ جائے تو وہ سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کسی گھر میں پھوٹ پڑ جائے تو وہ گھر قائم نہ رہ سکے گا اور اگر شیطان اپنا ہی مخالف ہو کر اپنے میں پھوٹ ڈالے تو وہ قائم نہیں رہ سکتا بلکہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن کوئی آدمی کسی زورآور کے گھر میں گھس کر اس کے اسباب کو لوٹ نہیں سکتا جب تک وہ پہلے اس زورآور کو نہ باندھ لے تب اس کا گھر لوٹ لے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بنی آدم کے سب گناہ اور جتنا کفر وہ بکتے ہیں معاف کیا جائے گا۔ لیکن جو کوئی روح القدس کے حق میں کفر بکے وہ ابد تک معافی نہ پائے گا بلکہ ابدی گناہ کا قصوروار ہے۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اس میں ناپاک روح ہے۔

پھر اس کی ماں اور اس کے بھائی آئے اور باہر کھڑے ہو کر اسے بلوا بھیجا۔ اور بھیڑ اس کے آس پاس بیٹھی تھی اور انہوں نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر تجھے پوچھتے ہیں۔ اس نے ان کو یہ جواب دیا میری ماں اور میرے بھائی کون ہیں؟۔ اور ان پر جو اس کے گرد بیٹھے تھے نظر کر کے کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں!۔ کیونکہ جو کوئی خدا کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے۔

وہ پھر جھیل کے کنارے تعلیم دینے لگا اور اس کے پاس ایسی بڑی بھیڑ جمع ہو گئی کہ وہ جھیل میں ایک کشتی میں جا بیٹھا اور ساری بھیڑ خشکی پر جھیل کے کنارے رہی۔ اور وہ ان کو تمثیلوں میں بہت سی باتیں سکھانے لگا اور اپنی تعلیم میں ان سے کہا۔ سنو! دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا۔ اور بوتے وقت یوں ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آ کر اسے چگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کی سبب سے جلد اُگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا اور کچھ جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبا لیا اور وہ پھل نہ لایا اور کچھ اچھی زمین پر

Marfat.com

گرا اور وہ اُگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا کوئی سو گنا پھل لایا۔ پھر اس نے کہا جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔

جب وہ اکیلا رہ گیا تو اس کے ساتھیوں نے ان بارہ سمیت اس سے ان تمثیلوں کی بابت پوچھا۔ اس نے ان سے کہا کہ تم کو خدا کی بادشاہی کا بھید دیا گیا ہے مگر ان کے لیے جو باہر ہیں سب باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں تا کہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں۔ پھر اس نے ان سے کہا کیا تم یہ تمثیل نہیں سمجھے؟ پھر سب تمثیلوں کو کیونکر سمجھو گے؟۔ بونے والا کام بوتا ہے۔ جو راہ کے کنارے ہیں جہاں کلام بویا جاتا ہے یہ وہ ہیں کہ جب انہوں نے سنا تو شیطان فی الفور آ کر اس کلام کو جو ان میں بویا گیا تھا اٹھا لے جاتا ہے اور اسی طرح جو پتھریلی زمین میں بوئے گئے یہ وہ ہیں جو کلام کو سن کر فی الفور خوشی سے قبول کر لیتے ہیں اور اپنے اندر جڑ نہیں رکھتے بلکہ چندروزہ ہیں۔ پھر جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور جو جھاڑیوں میں بوئے گئے وہ اور ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے کلام سنا اور دنیا کی فکر اور دولت کا فریب اور چیزوں کا لالچ داخل ہو کر کلام کو دبا دیتے ہیں اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے اور جو اچھی زمین میں بوئے گئے یہ وہ ہیں جو کلام کو سنتے اور قبول کرتے اور پھل لاتے ہیں۔ کوئی تیس گنا، کوئی ساٹھ گنا اور کوئی سو گنا۔

اور اس نے ان سے کہا کیا چراغ اس لیے لاتے ہیں کہ پیمانہ یا پلنگ کے نیچے رکھا جائے؟ کیا اس لیے نہیں کہ چراغدان پر رکھا جائے۔ کیونکہ کوئی چیز چھپی نہیں مگر اس لیے کہ ظاہر ہوئے اور پوشیدہ نہیں ہوئی مگر اس لیے کہ ظہور میں آئے۔ اگر کسی کے سننے کے کان ہوں تو سن لے۔ پھر اس نے ان سے کہا خبردار رہو کہ کیا سنتے ہو جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لیے ناپا جائے گا اور تم کو زیادہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جس کے پاس ہے اسے دیا جائے گا اور جس کے پاس نہیں ہے اس سے وہ بھی جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے گا۔

اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا۔

پھر اس نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟۔ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سایہ میں بسیرا کر سکتے ہیں۔

اور وہ ان کو اس قسم کی بہت سی تمثیلیں دے دے کر ان کی سمجھ کے مطابق کلام سناتا تھا اور بے تمثیل ان

Marfat.com

سے کچھ نہ کہتا تھا لیکن خلوت میں اپنے خاص شاگردوں سے سب باتوں کے معنی بیان کرتا تھا۔ (۱۷۳)

لوقا بیان کرتے ہیں:

اور اس نے ان سے ایک تمثیل یہ بھی کہی کہ کیا اندھے کو اندھا راہ دکھا سکتا ہے؟ کیا دونوں گڑھے میں نہ گریں گے؟ شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں بلکہ ہر ایک جب کامل ہوگا تو اپنے استاد جیسا ہوگا۔ تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟ اور جب تو اپنی آنکھ کے شہتیر نہیں دیکھتا تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ بھائی لا اس تنکے کو جو تیری آنکھ میں ہے نکال دوں؟ پھر اس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ کیونکہ کوئی اچھا درخت نہیں جو برا پھل لائے اور نہ کوئی برا درخت ہے جو اچھا پھل لائے۔ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے کیونکہ جھاڑیوں سے انجیر نہیں توڑتے اور نہ جھڑبیری سے انگور۔ اچھا آدمی اپنے دل کے اچھے خزانہ سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانہ سے بری چیزیں نکالتا ہے کیونکہ جو دل میں بھرا ہے وہی اس کے منہ پر آتا ہے۔

جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خداوند کہتے ہو؟ جو کوئی میرے پاس آتا اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے میں تمہیں جتاتا ہوں کہ وہ کس کی مانند ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی۔ جب طوفان آیا اور سیلاب اس گھر سے ٹکرایا تو اسے ہلا نہ سکا کیونکہ وہ مضبوط بنا ہوا تھا۔ لیکن جو سن کر عمل میں نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا۔ جب سیلاب اس پر زور سے آیا تو وہ فی الفور گر پڑا اور وہ گھر بالکل برباد ہوا۔ (۱۷۴)

مسیح علیہ السلام ایک سچے معلم کی طرح علم عطا کرتے، مشکلات حل کرتے اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ طلب رکھنے والے لوگ انہیں استاد ہی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ متی لکھتے ہیں:

اور دیکھو ایک شخص نے پاس آکر اس سے کہا اے استاد میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟۔ اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیکی تو ایک ہی ہے لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ اس نے اس سے کہا کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا یہ کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اس جوان نے اس سے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے۔ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ یسوع نے اس سے کہا اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آکر میرے پیچھے ہولے مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا۔

اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان

Marfat.com

ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (۱۷۵)

مسیح کے معلمانہ اسلوب میں تعلیم، انداز، تشبیر اور توضیح کے تمام پہلو موجود ہیں جہاں سخت لہجے کی ضرورت تھی وہاں سخت لہجہ ہے اور جہاں رحمت وشفقت کی ضرورت تھی وہاں رحمت وشفقت کے شاندار مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کار دعوت کے لیے جتنی مہلت دی تھی اس میں انہوں نے معجزات وآیات کے ذریعہ سے بھی اور دلائل وبراہین کے اسلوب سے بھی حکمت الٰہی کو واضح کیا۔

دعوت کا ردِ عمل

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بنی اسرائیل بگڑے ہوئے مسلمان تھے۔ ان کے ہاں خدا کا تصور موجود تھا۔ انبیاء کی دعوت سے بھی آشنا تھے۔ خیر وشر اور نیکی وبدی کے امتیاز کا ادراک بھی انہیں حاصل تھا۔ لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک فساد زدہ قوم تھی۔ ان کے مذہبی رہنما ریاکار وبدعمل تھے، ان کے دولت مند بخیل اور حریص تھے اور ان کے صاحب اختیار ظالم اور بدخو تھے۔ جہاں تک عوام کا تعلق تھا وہ بھی ذہنی اعتبار سے مسخ شدہ تھے۔ مسیح علیہ السلام کا ہدف مکمل اصلاح تھا اس لیے وہ فقیہوں اور فریسیوں کی ریاکاری وبدعملی پر بھی تنقید کرتے ہیں اور دولتمندوں کے بخل وحرص کو بھی نشانہ بناتے تھے۔ آسمانی بادشاہت کی بات کر کے وہ وقت کے اقتدار کو بھی چیلنج کرتے ہیں۔ اس ہمہ گیر دعوت کا ردعمل بھی ہمہ گیر تھا۔ مفاد پرست طبقات نے ان کے خلاف متحدہ محاذ بنایا اور مذہبی گروہوں نے ان کے خلاف تیار ہونے والی سازش میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ غرض بنی اسرائیل نے مجموعی طور پر ان کی دعوت کو رد کر دیا۔ دیگر انبیاء کی طرح مترفین ومفسدین نے تو بغض وعناد کا اظہار کیا جبکہ مستضعفین میں سے کچھ لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔

قرآن مجید نے اسے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ مثلاً سورہ الصف میں ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ (۱۷۶)

اے ایمان والو، تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ نے جب حواریوں سے کہا: اللہ کے راستے میں میرا کون مددگار ہے تو حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ (کی راہ) کے مددگار۔ بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لائی اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ سو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی پس وہ غالب رہے۔

قرآن پاک دعوت کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ. قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ. اٰمَنَّا بِاللّٰهِ. وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (۱۷۷)

Marfat.com

اور پھر عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) سے کفر محسوس کیا تو کہا: اللہ کی جانب میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم ہیں اللہ کے (دین کے مددگار، ہم اللہ پر ایمان لائے اور تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے پروردگار جو تو نے اتارا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کرلی پس تو ہم کو (دین حق کی) گواہی دینے والوں میں سے لکھ لے۔

قرآن مجید نے جہاں قیامت کے روز مسیح علیہ السلام سے الٰہی مکالمہ کی منظرکشی کی ہے وہاں حواریوں کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ بیان کیے ہیں:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ. قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (۱۷۸)

اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ (پروردگار) ہم ایمان لائے تو شاہد رہیو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

قرآن مجید نے اس مختصر جماعت کی جو تصویر کشی کی ہے اس کے مطابق یہ مخلص مسلمان اور جانثار متبعین تھے اور آخر دم تک مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہے۔

قرآن نے ان کی تعداد کے بارے میں کوئی بات نہیں کی البتہ ان کے غلبے کا ذکر کیا ہے۔ اناجیل اربعہ میں مسیحؑ کی شاگردوں کا تذکرہ ہے اور ان کی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ یہ بارہ شاگرد مسیح کے ساتھ رہنے والے اور ہر دم علم وحکمت سیکھنے والے تھے۔ ان کے علاوہ مومنین کی کتنی تعداد تھی؟ اس بارے میں اناجیل بھی خاموش ہے۔ ان شاگردوں کی جو تصویر اناجیل سے ابھرتی ہے وہ کوئی قابل رشک تصویر نہیں۔ متی ان شاگردوں کے ذکر میں لکھتے ہیں:

اور پھر اس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کریں۔ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے اور اس کا بھائی اندریاس، زبدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا۔ فلپس اور برتلمائی۔ توما اور متی محصول لینے والا۔ حلفی کا بیٹا یعقوب اور تدی۔ شمعون قنانی اور یہوداہ اسکریوتی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔ ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کی کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے۔ بیماروں کو اچھا کرنا، مردوں کو جلانا، کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا، بدروحوں کو نکالنا۔ تم نے مفت پایا، مفت دینا۔ (۱۷۹)

بارہ کی تعداد اور نام دوسری اناجیل میں بھی آئے ہیں۔ (۱۸۰)

اناجیل میں اصحاب مسیح کے لیے اولین طور پر شاگرد کے الفاظ استعمال ہوئے، بعد میں رسول (Apostle) کی اصطلاح رائج ہوگئی۔ کیونکہ مسیحؑ نے انہیں مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ قرآن مجید نے حواری کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مولانا اصلاحی کے بقول: لفظ حواری عربی میں اہل کتاب سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے معنی سرگرم و پرجوش

Marfat.com

حامی و حمایتی کے ہیں۔ قرآن مجید اور انجیل دونوں سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب یہود کے علماء و فقہاء کے رویہ سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے غرباء و عوام اور دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کو دعوت دی۔ بالآخر انہی کے اندر سے ایک مختصر جماعت تین سو سوا تین سو آدمیوں کی پورے جوش دلی کے ساتھ، عوام کے کام کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔" (۱۸۱)

قرآن نے انہیں "انصار اللہ" کے لقب سے نوازا ہے اور ان کے غلبے کی بات کی ہے جو ان کے اخلاص اور اطاعت کا ثبوت ہے۔ اناجیل اربعہ میں ان کے بارے میں اچھے کلمات بھی ہیں لیکن ان میں سے بعض کے متعلق سخت الفاظ بھی ہیں مثلاً انجیل یوحنا میں یہوداہ کے متعلق ہے:

یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا۔ شاگرد شبہ کر کے وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتاؤ تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے۔ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دوں گا وہی ہے۔ پھر اس نے نوالہ ڈبویا اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا اور اسی نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا۔ پس یسوع نے اس سے کہا کہ جو کچھ تو کرتا ہے جلد کر لے۔ (۸۲)

اس طرح شمعون پطرس جس کے بارے میں ابھی بیان ہوا ہے کہ مسیحؑ اس سے محبت رکھتے تھے اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ:

شمعون پطرس نے اس سے کہا کہ اے خداوند تو کہاں جاتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جہاں میں جاتا ہوں اب تو تو میرے پیچھے نہیں آ سکتا مگر بعد میں پیچھے آئے گا۔ پطرس نے اس سے کہا کہ اے خداوند! میں تیرے پیچھے اب کیوں نہیں آ سکتا؟ میں تو تیرے لیے اپنی جان دوں گا۔ یسوع نے جواب دیا تو میرے لیے اپنی جان دے گا؟ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ مرغ بانگ نہ دے گا جب تک تو تین بار میرا انکار نہ کر لے گا۔ (۱۸۳)

متی ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جب مسیحؑ کو پکڑنے کے لیے آئے تو "اس پر اس کے شاگرد بھاگ گئے" (۱۸۴)

متی ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مسیحؑ کی پیشگوئی کے مطابق پطرس نے ان کا انکار کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

اور پطرس باہر صحن میں تھا کہ ایک لونڈی نے اس کے پاس آ کر کہا تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا۔ اس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے۔ اور جب وہ ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسری نے اسے دیکھا اور جو وہاں تھے ان سے کہا یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اس نے قسم کھا کر پھر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انہوں نے پطرس کے

Marfat.com

پاس آ کر کہا بے شک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا اور فی الفور مرغ نے بانگ دی۔ پطرس کو یسوع کی وہ بات یاد آئی جو اس نے کہی تھی کہ مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا اور وہ باہر جا کر زار زار رودیا۔(۱۸۵)

مندرجہ بالا بیانات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسیحؑ کے حواریوں کے بارے میں قرآن اور بائبل کے اسلوب میں کتنا فرق ہے۔ اور دونوں ان شخصیات کو کس رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

مخالفت

مسیحؑ کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ شادی کی اور نہ گھر بنایا۔ وہ شہر شہر اور قریہ قریہ گھومتے پھرتے اور دعوت وتبلیغ اور اصلاح وخدمت کا کام کرتے۔ ان کی معجزانہ شخصیت کی تاثیر سے لوگ شفا پاتے اور ان کی توجہ سے لوگوں کی مشکلات حل ہوتیں اس لیے وہ جدھر جاتے لوگ گروہ در گروہ ان کے پاس آتے اور ان کے گرد ان کا ہجوم ہوتا۔ خلق خدا نہ صرف ان سے فیض حاصل کرتی بلکہ ان سے والہانہ محبت کا اظہار کرتی اور جان نثاری کے لیے تیار ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن معجزات سے نوازا تھا اور ان کی شخصیت میں جو تاثیر رکھی تھی اس کی وجہ سے انہیں قبول عام حاصل ہوا تھا۔ اس پر مستزاد ان کی فقیرانہ زندگی تھی۔ ایک شخص جس کا مزاج دنیوی آلائشوں سے پاک اور مادی اغراض وخواہشات سے بے نیاز تھا اور جو خدمت خلق کے لیے ہر وقت تیار تھا اور جس کے خطبات ظاہر پرستی، ریاکاری اور مذہبی اجارہ داری کو بے نقاب کر رہے تھے وہ بدکردار مذہبی قیادت اور فساد زدہ معاشرتی تنظیم اور بدعنوان سیاسی انتظامیہ کو کیسے گوارا ہوتا۔ یہودیوں کے جس معاشرے میں وہ اصلاح کا کام کر رہے تھے وہ ان کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔

"یہود کو اس دعوت حق کے ساتھ جو بغض وعناد تھا اس نے اس بڑھتی ہوئی مقبولیت کو انتہائی حسد اور سخت خطرہ کی نگاہ سے دیکھا اور جب ان کے مسخ شدہ قلوب کسی طرح اس کو برداشت نہ کر سکے تو ان کے سرداروں، فقیہوں، فریسیوں اور صدوقیوں نے ذات اقدس کے خلاف سازش شروع کی اور طے یہ پایا کہ اس ہستی کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ بادشاہ وقت کو مشتعل کر کے اس کو دار پر چڑھا دیا جائے"۔(۱۸۶) یہودی قیادت نے طے کیا کہ رومی گورنر کو یہ باور کرایا جائے کہ مسیحؑ بنی اسرائیل کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں لہذا وقت کے اقتدار کے لیے خطرہ ہیں۔ یہودی کاہنوں نے بالآخر مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے احکام حاصل کر لیے۔

اناجیل اربعہ میں اس سازش اور بالآخر ان کی گرفتاری کے واقعہ کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ یہودیوں نے اس امر کا اہتمام کیا کہ آپ کو کھلے بندوں گرفتار نہ کیا جائے کیونکہ اس سے ہنگامے کا خطرہ ہے۔ یوحنا اس منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو

Marfat.com

بہت معجزے دکھاتا ہے۔ اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور رومی آ کر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے۔ اور ان میں سے کائفہ نامی ایک شخص نے جو اس سال سردار کاہن تھا ان سے کہا تم کچھ نہیں جانتے اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔ مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے۔ پس وہ اسی روز اسے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ (۱۸۷)

اس منصوبہ بندی کا اہم عنصر یہ ہے کہ اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے پوری یہودی قوم زیر عتاب نہ آ جائے لہٰذا اسے قیصر روم کے گورنر کے سپرد کر دیا جائے۔ یہود کی مذہبی قیادت کی بے چینی کا اندازہ مرقس کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے:

دو دن بعد فسح اور عید الفطر ہونے والی تھی اور سردار کاہن اور فقیہ موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اسے کیونکہ فریب سے پکڑ کر قتل کریں کیونکہ کہتے تھے کہ عید کو کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہو جائے۔ (۱۸۸)

گرفتاری و مصلوبیت

اناجیل اربعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی قیادت کو یہ معلوم ہوا کہ مسیحؑ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک مکان میں موجود ہیں۔ مسیحؑ کا ایک حواری ان سے مل گیا تھا لہٰذا اس کے ساتھ یہ لوگ وہاں پہنچ گئے ان کو گرفتار کر کے پیلاطس کے دربار میں لے گئے تا کہ وہ اسے مصلوب کرے اگر چہ پیلاطس مسیحؑ کو بے قصور سمجھتا تھا لیکن یہودیوں کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے انہیں سپاہیوں کے حوالہ کر دیا۔ سپاہیوں نے ان کو کانٹوں کا تاج پہنایا، منہ پر تھوکا، کوڑے لگائے اور ہر طرح کی توہین و تذلیل کر کے انہیں سولی پر لٹکایا دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھونکیں اور سینے کے ایک طرف برچھی کی انی سے چھید کیا۔ اس طرح انہوں نے "ایلی ایلی لما شبقنی" کہتے ہوئے انتہائی بے بسی کی حالت میں جان دے دی۔ تمام اناجیل میں یہ واقعہ موجود ہے۔ ہم یہاں متی سے اس کی پوری تفصیل نقل کرتے ہیں:

جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں اور اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطس کے حاکم کے حوالہ کیا۔

جب اس کے پکڑوانے والے یہوداہ نے یہ دیکھا کہ وہ مجرم ٹھہرایا گیا تو وہ پچھتایا اور وہ تیس روپے سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس لا کر کہا۔ میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لیے پکڑوایا۔ انہوں نے کہا ہمیں کیا؟ تو جان۔ اور وہ روپیوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ سردار کاہنوں نے روپے لے کر کہا۔ ان کو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا نہیں کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے۔ پس انہوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کے لیے خریدا۔ اس

Marfat.com

سبب سے وہ کھیت آج تک خون کا کھیت کہلاتا ہے۔ اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لے لیے (اس کی قیمت بعض بنی اسرائیل نے ٹھہرائی تھی) اور ان کو کمہار کے کھیت کے لیے دیا جیسا خداوند نے مجھے حکم دیا۔
یسوع حاکم کے سامنے کھڑا تھا اور حاکم نے اس سے یہ پوچھا کہ کیا تو یہودیوں کا ہے؟ یسوع نے اس سے کہا تو خود کہتا ہے۔ اور جب سردار کاہن اور بزرگ اس پر الزام لگا رہے تھے اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر پیلاطس نے اس سے کہا کیا تو نہیں سنتا یہ تیرے خلاف کتنی گواہیاں دیتے ہیں؟ اس نے ایک بات کا بھی اس کو جواب نہ دیا یہاں تک کہ حاکم نے بہت تعجب کیا اور حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطس نے ان سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے اس کو حسد سے پکڑوایا ہے اور جب وہ تخت عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دکھ اٹھایا ہے۔ لیکن سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو ابھارا کہ برابا کو مانگ لیں اور یسوع کو ہلاک کرائیں۔ حاکم نے ان سے کہا کہ ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو کہ تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ انہوں نے کہا برابا کو۔ پیلاطیس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا وہ مصلوب ہو۔ اس نے کہا کیوں اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر کہنے لگے وہ مصلوب ہو۔ جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر! اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب ہو۔
اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی۔ اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے دہنے ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب! اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغہ کو اس پر سے اتار کر پھر اسی کے کپڑے اسے پہنائے اور مصلوب کرنے کو لے گئے۔
جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔ اور اس جگہ جو گلگتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے پہنچ کر پت ملی ہوئی مے اسے پینے کو دی مگر اس نے چکھ کر پینا نہ چاہا اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لیے اور وہاں

Marfat.com

بیٹھ کر اس کی نگہبانی کرنے لگے اور اس کا الزام لکھ کر اس کے سر کے اوپر لگا دیا کہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے۔ اس وقت اس کے ساتھ دو ڈاکو مصلوب ہوئے۔ ایک دہنے اور ایک بائیں اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا، اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے۔ اس نے اوروں کو بچایا، اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے۔ اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے خدا پر بھروسا کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے کیونکہ اس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے۔

اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی، لما شبقنی ؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟۔ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے۔ اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی۔ اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے پس صوبہ دار اور جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ہی ڈر کر کہنے لگے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا۔ اور وہاں بہت سی عورتیں جو گلیل سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آئی تھیں دور سے دیکھ رہی تھیں ان میں مریمؑ مگدلینی تھی اور یعقوب اور یوسیس کی ماں مریمؑ اور زبدی کے بیٹوں کی ماں۔

جب شام ہوئی تو یوسف نام ارمتیاہ کا ایک دولت مند آدمی یا جو خود بھی یسوع کا شاگرد تھا۔ اس نے پیلاطیس کے پاس جا کر یسوع کی لاش مانگی اور پیلاطیس نے دے دینے کا حکم دیا۔ اور یوسف نے لاش کو لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا اور اپنی نئی قبر میں جو اس نے چٹان میں کھدوائی تھی، رکھا۔ پھر وہ ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کر چلا گیا اور مریمؑ مگدلینی اور دوسری مریمؑ وہاں قبر کے سامنے بیٹھی تھیں۔

دوسرے دن جو تیاری کے بعد کا دن تھا سردار کاہنوں اور فریسیوں نے پیلاطیس کے پاس جمع ہو کر کہا۔ خداوند! ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھوں گا۔ پس حکم دے کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے جائیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا اور یہ پچھلا دھوکا پہلے سے بھی برا ہو۔ پیلاطیس نے

Marfat.com

ان سے کہا تمہارے پاس پہرے والے ہیں، جاؤ جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی نگہبانی کرو۔
پس وہ پہرے والوں کو ساتھ لے کر گئے اور پتھر پر مہر کر کے قبر کی نگہبانی کی۔ (۱۸۹) اور سبت کے بعد ہفتہ کے پہلے دن پو پھٹتے وقت مریمؑ مگدلینی اور دوسری مریمؑ قبر کو دیکھنے آئیں اور ایک بڑا بھونچال آیا کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے اترا اور پاس آ کر پتھر کو لڑھکا دیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ اس کی صورت بجلی کی مانند تھی اور اس کی پوشاک برف کی مانند سفید تھی۔ اور اس کے ڈر سے نگہبان کانپ اٹھے اور مردہ سے ہو گئے۔ فرشتہ نے عورتوں سے کہا تم نہ ڈرو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈتی ہو جو مصلوب ہوا تھا۔ وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے۔ آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا اور جلد جا کر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور دیکھو وہ تم سے پہلے گلیل کو جاتا ہے۔ وہاں تم اسے دیکھو گے، دیکھو میں نے تم سے کہہ دیا ہے اور وہ خوف اور بڑی خوشی کے ساتھ قبر سے جلد روانہ ہو کر اس کے شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ اور دیکھو یسوع ان سے ملا اور اس نے کہا سلام! انہوں نے پاس آ کر اس کے قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا۔ اس پر یسوع نے ان سے کہا ڈرو نہیں، جاؤ میرے بھائیو سے کہو کہ گلیل کو چلے جائیں، وہاں مجھے دیکھیں گے۔
جب وہ جا رہی تھیں تو دیکھو پہرے والوں میں سے بعض نے شہر میں آ کر تمام ماجرا سردار کاہنوں سے بیان کیا۔ اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر کہا۔ یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے گئے اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچا لیں گے۔ پس انہوں نے روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے۔
اور گیارہ شاگرد گلیل کے اس پہاڑ پر گئے جو یسوع نے ان کے لیے مقرر کیا تھا۔ اور انہوں نے اسے دیکھ کر سجدہ کیا مگر بعض نے شک کیا۔ یسوع نے پاس آ کر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ (۱۹۰)

یہ واقعہ کم و بیش اسی طرح دوسری اناجیل میں بھی ہے (۱۹۱) اناجیل میں موجود بیان واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کی موت انتہائی بے بسی اور کربناک حالت میں ہوئی۔ انبیاء و صلحاء پر جو آزمائشیں آتی ہیں ان کے مطابق کسی نبی کا اذیت ناک حالت میں شہید ہو جانا ممکن ہے لیکن ایسے تکلیف دہ حالات میں انبیاء صبر و رضا کا پیکر ہوتے ہیں۔ ان سے بے صبری اور مایوسی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مسیحؑ کی طرف منسوب جملہ "ایلی، ایلی لما شبقتنی" ایک قسم کی مایوسی اور شکوہ سنجی کی کیفیت کا پتہ دیتا ہے جو مسیحؑ جیسی شخصیات کے شایان شان نہیں۔ اسی طرح انجیل ہمیں یہ بھی بتاتی

Marfat.com

ہے کہ مسیحؑ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ موت کا وقت موخر ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ مجبوراً اسے قبول کرنا پڑے گا۔ متی لکھتا ہے:

پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو" (۱۹۲)

متی مزید لکھتے ہیں:

"پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی اے میرے باپ! اگر یہ میرے پیے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔" (۱۹۳)۔

اناجیل میں بیان کردہ واقعہ کی تفصیلات کا جائزہ لینے کے بعد مسلمان علماء کی رائے ہے کہ یہ واقعاتی بیان یہودی تصنیف ہے جیسے اناجیل کے مصنفوں نے اختیار کر لیا ہے۔ یہودیوں کے پیش نظر تو مسیحؑ کی تذلیل تھی مگر عیسائیوں نے اسے اسی طرح قبول کر کے اپنی سادگی کا ثبوت دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب کچھ یہودی دخل کے باعث ہوا ہو۔ البتہ عیسائیوں نے اس واقعہ کو قبول کرتے ہوئے تھوڑا سا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے مسیحؑ کا دوبارہ جی اٹھنا اور آسمان پر چلے جانا ہے۔ یہی تعبیر بالآخر عقیدہ الوہیت مسیحؑ کی بنیاد بنی۔ جہاں تک ان کی تذلیل و توہین اور ان کے سولی پر مرنے کا تعلق ہے تو اس کی تعبیر عقیدہ کفارہ کی صورت میں کی گئی۔ یوحنا ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سپاہیوں نے مسیحؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی تھیں اور جب ان کی پسلی چھیدی تو اس میں سے خون اور پانی بہہ نکلا۔ جو بظاہر زندگی کی علامت ہے۔ یوحنا لکھتا ہے:

اس کے بعد جب یسوع نے جان لیا کہ اب سب باتیں تمام ہوئیں تا کہ نوشتہ پورا ہو تو کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ وہاں سرکہ سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا۔ پس انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے سپنج کو زوفے کی شاخ پر رکھ کر اس کے منہ سے لگایا۔ پس جب یسوع نے وہ سرکہ پیا تو کہا کہ تمام ہوا اور سر جھکا کر جان دے دی۔

پس چونکہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پیلاطیس سے درخواست کی ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اتار لی جائیں تا کہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں کیونکہ وہ سبت ایک خاص دن تھا۔ پس سپاہیوں نے آ کر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آ کر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا۔ جس نے یہ دیکھا ہے اس نے گواہی دی ہے اور اس کی گواہی سچی ہے اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے تا کہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لیے ہوئیں کہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ اس کی کوئی ہڈی نہ توڑی جائے گی۔ پھر ایک اور نوشتہ کہتا ہے کہ جسے انہوں نے چھیدا اس پر نظر کریں گے۔

Marfat.com

ان باتوں کے بعد ارمیہ کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا (لیکن یہود کے ڈر سے خفیہ طور پر) پیلاطس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے۔ پیلاطس نے اجازت دی۔ پس وہ آ کر اس کی لاش لے گیا۔ اور نیکدیمس بھی آیا۔ جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مر اور عود ملا ہوا لایا۔ پس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے۔ اور جس جگہ وہ مصلوب ہوا وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔

ہفتہ کے پہلے دن مریمؑ مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا۔ پس وہ شمعون پطرس اور اس دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع عزیز رکھتا تھا دوڑی ہوئی گئی اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھ دیا۔ پس پطرس اور وہ دوسرا شاگرد نکل کر قبر کی طرف چلے اور دونوں ساتھ ساتھ دوڑے مگر وہ دوسرا شاگرد پطرس سے آگے بڑھ کر قبر پر پہلے پہنچا اس نے جھک کر نظر کی اور سوتی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے مگر اندر نہ گیا۔ شمعون پطرس اس کے پیچھے پیچھے پہنچا اور اس نے قبر کے اندر جا کر دیکھا کہ سوتی کپڑے پڑے ہیں اور وہ رومال جو اس کے سر سے بندھا ہوا تھا سوتی کپڑوں کے ساتھ نہیں بلکہ لپٹا ہوا ایک جگہ الگ پڑا ہے۔ اس پر دوسرا شاگرد بھی جو پہلے قبر پر آیا تھا اندر گیا اور اس نے دیکھ کر یقین کیا۔ کیونکہ وہ اب تک اس نوشتہ کو نہ جانتے تھے جس کے مطابق اس کا مردوں میں سے جی اٹھنا ضرور تھا۔ پس یہ شاگرد اپنے گھر کو واپس گئے۔

لیکن مریمؑ باہر قبر کے پاس کھڑی روتی رہی اور جب روتے روتے قبر کی طرف جھک کر اندر نظر کی۔ تو دو فرشتوں کو سفید پوشاک پہنے ہوئے ایک سرہانے اور دوسرے کو پینتانے بیٹھے دیکھا جہاں یسوع کی لاش پڑی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ اس نے ان سے کہا اس لیے کہ میرے خداوند کو اٹھا لے گئے ہیں اور معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پیچھے پھری اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے۔ یسوع نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ کس کو ڈھونڈتی ہے؟ اس نے باغبان سمجھ کر اس سے کہا میاں اگر تو نے اس کو یہاں سے اٹھایا ہے تو مجھے بتا دے کہ اسے کہاں رکھا ہے تاکہ میں اسے لے جاؤں۔ یسوع نے اس سے کہا "مریمؑ" اس نے مڑ کر اس سے عبرانی زبان میں کہا ربونی! یعنی اے استاد! یسوع نے اس سے کہا مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔ مریمؑ مگدلینی نے آ کر شاگردوں کو خبر دی کہ میں نے خداوند کو دیکھا اور اس نے مجھ سے یہ باتیں کیں۔

Marfat.com

پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے یسوع آ کر بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھوں اور پسلی کو انہیں دکھایا۔ پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ یسوع نے پھر ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو! جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا روح القدس لو۔ جن کے گناہ تم بخشو ان کے بخشے گئے ہیں۔ جن کے گناہ تم قائم رکھو ان کے قائم رکھے گئے ہیں۔ (۱۹۴)

اس حصہ کو پڑھنے سے وہ تضاد واضح ہوتا ہے جو اس کے پہلے حصے کے مابین واقع ہے۔ ایک حصہ بے کسی و بے بسی کی تصویر ہے جبکہ دوسرا اطمینان و انبساط کا مظہر ہے خدائی صفات سے متصف شخصیت یہاں گناہ بخشتی نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان واقعہ نہیں بلکہ واقعہ کی تعبیر ہے جو کسی خاص مقصد کے تحت واقعاتی انداز سے بیان کی گئی ہے۔ غالباً عقیدہ کفارہ کی وجہ سے یہ ساری رنگ آمیزی کی گئی ہے۔

قرآن کا تبصرہ

قرآن مجید نے واقعاتی تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسیح کی مصلوبیت کا انکار کیا ہے۔ قرآن مجید نے یہودی سازش کی طرف اشارہ کیا لیکن جہاں تک مسیح کے قتل اور سولی پر چڑھانے کا تعلق ہے تو اس کی صریحاً تردید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ. وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ٥ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (۱۹۵)

پھر بنی اسرائیل نے (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔ (وہ اللہ کی خفیہ تدبیر تھی) جب اس نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔

پہلی آیت میں ایک تو تدبیر الٰہی کا ذکر ہے جو یہودیوں کی تدبیر کا جواب ہے۔ اس آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ یہودیوں کی تدبیر کامیاب نہیں ہوئی۔ وہ مسیح کو سولی پر مارنا چاہتے تھے لیکن اللہ کی تدبیر نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ دوسری آیت میں "متوفی" اور "رافع" کے الفاظ استعمال ہوئے جو واپس بلانے، مدت پوری کرنے اور اٹھا لینے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ پیرایہ اظہار واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی غیر معمولی طریقہ سے مسیح کو قتل ہونے اور سولی پر چڑھنے سے محفوظ کر لیا۔ مولانا سیوہاروی یہودی تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہیں:

"آخر وہ وقت آ پہنچا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں، کاہنوں اور فقیہوں نے حضرت عیسیٰ کا ایک بند مکان میں محاصرہ کر لیا۔ ذات اقدس اور حواری مکان کے اندر بند ہیں اور دشمن چاروں طرف سے محاصرہ کیے ہوئے ہیں لہٰذا اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا صورت ہو کہ جس سے دشمن ناکام رہے

Marfat.com

اور حضرت عیسیٰ کو کسی طرح کا بھی گزند نہ پہنچا سکے تاکہ خدائے قادر کا وعدہ حفاظت اور دعویٰ تدبیر خیر پورا ہو اور اس کی تدبیر محکم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور صورت یہ پیش آئی کہ اس نازک گھڑی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی نے یہ بشارت سنائی "عیسیٰ! خوف نہ کر تیری مدت پوری کی جائے گی یعنی تم کو دشمن قتل نہیں کر سکیں گے اور نہ تم اس وقت موت سے دوچار ہو گے) اور ہوگا یہ کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملاء اعلیٰ کی جانب) اٹھالوں گا اور ان کافروں سے تجھے پاک رکھوں گا یعنی یہ تجھ پر کسی قسم کا قابو نہ پاسکیں گے اور نہ تیرے پیروؤں کو ان کافروں پر ہمیشہ غالب رکھوں گا۔ یعنی بنی اسرائیل کے مقابلے میں قیامت تک عیسائی اور مسلمان غالب رہیں گے اور ان کو بھی ان دونوں پر حاکمانہ اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ پھر انجام کار میری جانب (موت کے بعد) لوٹ آنا ہے پس میں ان باتوں پر فیصلہ حق دوں گا جن کے متعلق تم آپس میں اختلاف کر رہے ہو۔ (۱۹۶)

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر بھی قتل وصلب کی صریح نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًاۢ ۙ‏ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا‏ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُـؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا‌ (۱۹۷)

اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور وہ قیامت کے روز ان پر گواہی دے گا۔

مذکورہ بالا آیات سے جو قابل غور نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ مسیح قتل ہوئے نہ سولی پر چڑھائے گئے ہیں۔

۲۔ صورت حال لوگوں کے لیے مشتبہ ہوگئی۔

۳۔ مسیح کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

امت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ ان نکات پر اتفاق منقول ہے۔ تا آنکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین نے یہ ثابت کرنا شروع کیا کہ مسیح فوت ہو چکے ہیں اور اس کے لیے افسانوی تفصیلات تصنیف کیں کہ مسیح کے شاگردوں نے جب نعش حاصل کی تو اس میں زندگی کے آثار تھے ان کی مرہم پٹی کی گئی اور انہیں خفیہ مقام پر رکھا گیا

Marfat.com

جب وہ ٹھیک ہو گئے تو پوشیدہ طریقہ پر کشمیر آ گئے اور یہاں گمنامی کی زندگی بسر کرتے ہوئے فوت ہو گئے۔ وفات مسیح کا یہ افسانہ اس لیے تراشا گیا کہ مسیح کی آمد کی پیشگوئیوں کو مرزا صاحب پر منطبق کیا جا سکے۔ مسیح کی حیات و وفات کا مسئلہ ہمارے متکلمین کے زیر بحث رہا لیکن سرسید اور غلام احمد قادیانی نے جس انداز سے اسے پیش کیا ہے وہ استعماری اثرات کا شاخسانہ ہے۔ مرزا صاحب کے متبعین میں مولوی محمد لاہوری ایک ذہین اور صاحب اسلوب مصنف ہے لیکن وفات مسیح پر ان کے دلائل بھی محض حجت بازی لگتی ہے۔ ہمارے راسخ العقیدہ علماء نے اس مسئلہ کے جملہ اطراف پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ قادیانی مذہب پر جتنی تنقیدی کتب لکھی گئی ہیں ان میں اس مسئلہ پر مدلل بحثیں موجود ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں قدیم و جدید مفسرین نے بھی سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ تفسیر و عقائد کا طالب علم ان بحثوں کو دیکھ سکتا ہے۔

ہم یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک تفسیر سے متعلقہ حواشی نقل کرتے ہیں۔ سید مودودیؒ نے سورہ آل عمران اور سورہ النساء کی ان آیات کے ضمن میں مختصر اور جامع نوٹ لکھے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم انہیں نقل کر دیں۔ اس سے قاری کو ایک مربوط اور منضبط تحریر کے ذریعے سے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت مل جائے گی۔ سید مودودیؒ سورہ آلِ عمران کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> اصل میں لفظ "متوفیک" استعمال ہوا ہے توفی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ "روح قبض کرنا" اس لفاظ کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ (To recall) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، یعنی کسی عہدہ دار کو اس کے منصب سے واپس بلا لینا۔ چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانیاں کر رہے تھے، بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی، پے در پے کئی انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور ہر اس بندہ صالح کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف انہیں دعوت دیتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرنے اور انہیں ایک آخری موقع دینے کے لیے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی ایسی کھلی کھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو حق و صداقت سے انتہا درجہ کا عناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلہ میں جن کی جسارت و بے باکی حد کو پہنچ چکی ہو۔ مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقعہ کو بھی ہاتھ سے کھو دیا اور صرف اتنا ہی نہ کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی، بلکہ ان کے رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کرا دیا، اور ان کے علماء و فقہا نے سازش کر کے حضرت عیسیٰ کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی فہمائش پر مزید وقت اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیا اور قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل پر ذلت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔

Marfat.com

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تردید واصلاح کے لیے ہے۔ اور عیسائیوں میں اس عقیدہ کے پیدا ہونے کے اہم ترین اسباب تین تھے:

(۱) حضرت مسیح کی اعجازی ولادت۔

(۲) ان کے صریح محسوس ہونے والے معجزات۔

(۳) ان کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا جس کا ذکر صاف الفاظ میں ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن نے پہلی بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ مسیح کا بے باپ پیدا ہونا محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ اللہ جس کو جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی طریق پیدائش ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسیح خدا تھا یا خدائی میں کچھ بھی حصہ رکھتا تھا۔

دوسری بات کی بھی قرآن نے تصدیق کی اور خود مسیح کے معجزات ایک ایک کر کے گنائے، مگر بتا دیا کہ یہ سارے کام اس نے اللہ کے اذن سے کیے تھے، بااختیار خود کچھ بھی نہیں کیا، اس لیے ان میں سے بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تم یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ بھی حق بجانب ہو کہ مسیح کا خدائی میں کوئی حصہ تھا۔

اب تیسری بات کے متعلق اگر عیسائیوں کی روایت سرے سے بالکل ہی غلط ہوتی تب تو ان کے عقیدہ الوہیت مسیح کی تردید کے لیے ضروری تھا کہ صاف صاف کہہ دیا جاتا کہ جسے تم الٰہ اور ابن اللہ بنا رہے ہو وہ مر کر مٹی میں مل چکا ہے، مزید اطمینان چاہتے ہو تو فلاں مقام پر جا کر اس کی قبر دیکھ لو۔ لیکن ایسا کرنے کے بجائے قرآن صرف یہی نہیں کہ ان کی موت کی تصریح نہیں کرتا، اور صرف یہی نہیں کہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زندہ اٹھائے جانے کے مفہوم کا کم از کم احتمال تو رکھتے ہیں، بلکہ عیسائیوں کو الٹا یہ اور بتا دیتا ہے کہ مسیح سرے سے صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے، یعنی وہ جس نے آخری وقت میں " ایلی ایلی لما شبقتانی " کہا تھا اور وہ جس کی صلیب پر چڑھی ہوئی حالت کی تصویر تم لیے پھرتے ہو وہ مسیح نہ تھا، مسیح کو تو اس سے پہلے ہی خدا نے اٹھا لیا تھا۔

اس کے بعد جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیح کی وفات کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے تک کا سلیقہ نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

آیت میں انکار کرنے والوں سے مراد یہودی ہیں جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایمان لانے کی دعوت دی اور انہوں نے اسے رد کر دیا۔ بخلاف اس کے پیروی کرنے والوں سے مراد اگر صحیح پیروی کرنے والے ہوں تو وہ صرف مسلمان ہیں، اور اگر اس سے مراد فی الجملہ آنجناب کے ماننے والے ہوں تو ان میں عیسائی اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ (۱۹۸)

سورہ نساء کی آیت ۱۵۷ کے تحت لکھتے ہیں:

Marfat.com

یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے اٹھا لیے گئے تھے اور یہ کہ مسیحیوں اور یہودیوں، دونوں کا یہ خیال کہ مسیح نے صلیب پر جان دی، محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قرآن اور بائبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غالباً پیلاطیس کی عدالت میں تو پیشی آپ ہی کی ہوئی تھی، مگر جب وہ سزائے موت کا فیصلہ سنا چکا اور جب یہودیوں نے مسیح جیسے پاک نفس انسان کے مقابلہ میں ایک ڈاکو کی جان کو زیادہ قیمتی ٹھہرا کر اپنی حق دشمنی و باطل پسندی پر آخری مہر بھی لگا دی، تب اللہ تعالیٰ نے کسی وقت آنجناب کو اٹھا لیا۔ بعد میں یہودیوں نے جس شخص کو صلیب پر چڑھایا وہ آپ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کو نہ معلوم کس وجہ سے ان لوگوں نے عیسیٰ ابن مریمؑ سمجھ لیا۔ تاہم ان کا جرم اس سے کم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس کو انہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا، جس کے منہ پر تھوکا اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہی سمجھ رہے تھے۔ اب یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لیے مشتبہ ہو گیا۔ چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے اس لیے مجرد قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شبہ کی نوعیت کیا تھی جس کی بنا پر یہودی یہ سمجھے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریمؑ کو صلیب دی ہے۔ درآنحالیکہ عیسیٰ ابن مریمؑ ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ (۱۹۹)

ان الذین اختلفوا فیه لفی شک منه کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

اختلاف کرنے والوں سے مراد عیسائی ہیں۔ ان میں مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے پر کوئی ایک متفق علیہ قول نہیں ہے بلکہ بیسیوں اقوال ہیں جن کی کثرت خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل حقیقت ان کے لیے بھی مشتبہ ہی رہی۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر جو چڑھایا گیا وہ مسیح نہ تھا بلکہ مسیح کی شکل میں کوئی اور تھا جسے یہودی اور رومی سپاہی ذلت کے ساتھ صلیب دے رہے تھے اور مسیح وہیں کسی جگہ کھڑا ان کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر چڑھایا تو مسیح ہی کو گیا تھا مگر ان کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ اتارے جانے کے بعد ان میں جان تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر وفات پائی اور پھر وہ جی اٹھے اور کم و بیش دس مرتبہ اپنے مختلف حواریوں سے ملے اور باتیں کیں۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب کی موت مسیح کے جسم انسانی پر واقع ہوئی اور وہ دفن ہوا مگر الوہیت کی روح جو اس میں تھی وہ اٹھا لی گئی۔ اور کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد مسیح علیہ السلام جسم سمیت زندہ ہوئے اور جسم سمیت اٹھائے گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس حقیقت کا علم ہوتا تو اتنی مختلف باتیں ان میں مشہور نہ ہوتیں۔ (۲۰۰)

اٹھائے جانے کی توضیح کرتے ہوئے سیدؒ لکھتے ہیں:

یہ اس معاملہ کی اصل حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔ اس میں جزم اور صراحت کے ساتھ جو چیز بتائی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کو قتل کرنے میں یہودی کامیاب نہیں ہوئے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اب رہا یہ سوال کہ اٹھالینے کی کیفیت کیا تھی، تو اس کے متعلق کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ ان کو جسم وروح کے ساتھ کرہ زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر کہیں لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی۔ اس لیے قرآن کی بنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جاسکتی ہے اور نہ اثبات۔ لیکن قرآن کے اندازِ بیان پر غور کرنے سے یہ بات بالکل نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اٹھائے جانے کی نوعیت و کیفیت خواہ کچھ بھی ہو، بہر حال مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کوئی ایسا معاملہ ضرور کیا ہے جو غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ اس غیر معمولی پن کا اظہار تین چیزوں سے ہوتا ہے:

ایک یہ کہ عیسائیوں میں مسیح علیہ السلام کے جسم وروح سمیت اٹھائے جانے کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا اور ان اسباب میں سے تھا جن کی بنا پر ایک بہت بڑا گروہ الوہیت مسیح کا قائل ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود قرآن نے نہ صرف یہ کہ اس کی صاف صاف تردید نہیں کی بلکہ بعینہ وہی " رفع " (Ascension) کا لفظ استعمال کیا جو عیسائی اس واقعہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کتاب مبین کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کسی خیال کی تردید کرنا چاہتی ہو اور پھر ایسی زبان استعمال کرے جو اس خیال کو مزید تقویت پہنچانے والی ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر مسیح علیہ السلام کا اٹھایا جانا ویسا ہی اٹھایا جانا ہوتا جیسا کہ ہر مرنے والا دنیا سے اٹھایا جاتا ہے، یا اگر اس رفع سے مراد محض درجات و مراتب کی بلندی ہوتی جیسے حضرت ادریسؑ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ رفعناہ و مکانا علیا تو اس مضمون کو بیان کرنے کا انداز یہ نہ ہوتا جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں۔ اس کو بیان کرنے کے لیے زیادہ مناسب الفاظ یہ ہو سکتے تھے کہ "یقینا انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو زندہ بچالیا اور پھر طبعی موت دی۔ یہودیوں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا تھا مگر اللہ نے اس کو بلند درجہ عطا کیا۔"

تیسرے یہ کہ اگر یہ رفع ویسا ہی معمولی قسم کا رفع ہوتا جیسے ہم محاورہ میں کسی مرنے والے کو کہتے ہیں کہ اسے اللہ نے اٹھالیا تو اس کا ذکر کرنے کے بعد یہ فقرہ بالکل غیر موزوں تھا کہ " اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے " یہ تو صرف کسی ایسے واقعہ کے بعد ہی موزوں و مناسب ہوسکتا ہے جس میں اللہ کی قوت قاہرہ اور اس کی حکمت کا غیر معمولی ظہور ہوا ہو۔

اس کے جواب میں اگر قرآن سے اگر کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ صرف یہ ہے کہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے متوفیک کا لفظ استعمال کیا ہے (آیت ۵۵) لیکن جیسا کہ وہاں ہم حاشیہ نمبر ۵۱ میں واضح کر چکے ہیں، یہ لفظ طبعی موت کے معنی میں صریح نہیں ہے بلکہ قبض روح، اور قبض روح وجسم، دونوں پر دلالت کرسکتا ہے۔ لہذا یہ ان قرائن کو ساقط کردینے کے لیے کافی نہیں ہے

Marfat.com

جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ بعض لوگ جن کو مسیح کی طبعی موت کا حکم لگانے پر اصرار ہے سوال کرتے ہیں کہ توفی کا لفظ قبض روح وجسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور نظیر بھی ہے؟ لیکن جب کہ قبض روح وجسم کا واقعہ تمام نوع انسانی کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی نظیر پوچھنا محض ایک بے معنی بات ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اصل لغت میں استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ماننا پڑے گا کہ قرآن نے رفع جسمانی کے عقیدہ کی صاف تردید کرنے کے بجائے یہ لفظ استعمال کر کے ان قرائن میں ایک اور قرینہ کا اضافہ کر دیا ہے جن سے اس عقیدہ کو الٹی مدد ملتی ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ موت کے صریح لفظ کو چھوڑ کر وفات کے محتمل المعنیین لفظ کو ایسے موقع پر استعمال کرتا جہاں رفع جسمانی کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا اور ایک فاسد اعتقاد، یعنی الوہیت مسیح کے اعتقاد کا موجب بن رہا تھا۔ پھر رفع جسمانی کے اس عقیدے کو مزید تقویت ان کثیر التعداد احادیث سے پہنچتی ہے جو قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے دوبارہ دنیا میں آنے اور دجال سے جنگ کرنے کی تصریح کرتی ہو (تفسیر سورہ احزاب کے ضمیمہ میں ہم نے ان احادیث کو نقل کر دیا ہے) ان سے حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی تو قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب یہ ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ ان کا مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں آنا زیادہ قرین قیاس ہے یا زندہ کہیں خدا کی کائنات میں موجود ہونا اور پھر واپس آنا؟ (۲۰۱)

رفع کے ساتھ قرآن ایک اور دعویٰ بھی کرتا ہے کہ مسیحؑ کی موت سے پہلے اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لائے گا۔ قرآن کے الفاظ ہیں "و ان من اهل الكتاب ليومنن به قبل موته" سید مودودیؒ اس فقرے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس فقرے کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں اور الفاظ میں دونوں کا یکساں احتمال ہے۔ ایک معنی وہ جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیے ہیں۔ دوسرے یہ کہ "اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہ لے آئے۔" اہلِ کتاب سے مراد یہودی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ عیسائی بھی ہوں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ مسیح علیہ السلام کی طبعی موت جب واقع ہو گی اس وقت جتنے اہلِ کتاب موجود ہوں گے وہ سب ان پر (یعنی ان کی رسالت پر) ایمان لا چکے ہوں گے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ تمام اہل کتاب پر مرنے سے عین قبل رسالت مسیح کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور وہ مسیح پر ایمان لے آتے ہیں، مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایمان لانا مفید نہیں ہو سکتا۔ دونوں معنی متعدد صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے منقول ہیں اور صحیح مراد صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ (۲۰۲)

منکرین دعوت کا انجام

گزشتہ صفحات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ بنی اسرائیل نے مسیح کی دعوت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ مسیح کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ سنت اللہ کے مطابق مسیح بچا لیے گئے اور بنی اسرائیل کی تباہی کے آثار شروع ہو گئے۔ اقدام قتل

Marfat.com

کے واقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہوگئی اور ۶۴ء سے ۶۶ء کے درمیان یہودیوں نے کھلی بغاوت کر دی اور ہیرودا گریا ثانی، اور رومی پروکیوریٹر فلورس دونوں اس بغاوت کو فرد کرنے میں ناکام ہو گئے۔ آخر کار رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کارروائی سے اس بغاوت کو کچل ڈالا۔ اور ۷۰ء میں ٹیٹیس نے بزور شمشیر یروشلم فتح کر لیا۔ اس موقع پر قتل عام میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار آدمی مارے گئے، ۶۷ ہزار آدمی گرفتار کر کے غلام بنائے گئے، ہزار ہا آدمی پکڑ پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دیئے گئے، ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر مختلف شہروں میں بھیجا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں اور کلوسیموں میں ان کو جنگلی جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیرزنوں کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لیے استعمال کیا جائے۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں فاتحین کے لیے چن لی گئیں اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو مسمار کر کے پیوند خاک کر دیا گیا اور اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر واقتدار ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور یروشلم کا ہیکل مقدس پھر کبھی تعمیر نہ ہو سکا۔ بعد میں قیصر ہیڈریان نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا مگر اب اس کا نام ایلیا تھا اور اس میں مدتہائے دراز تک یہودیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ (۲۰۳)

قرآن مجید کے مطابق بنی اسرائیل اپنے جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت کی مستحق ہوئی۔ یہ لعنت کئی حوالوں سے مذکور ہوئی ہے۔ اس میں ایک حوالہ ایسا بھی ہے جس میں مسیح نے بھی ان پر لعنت کی جس کا سبب ان کا کفر اور مسیح کی دعوت کا انکار تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ. ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۲۰۴)

جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے نئے دور کا آغاز ہوا تو امکان تھا کہ یہود اپنی روش بدل لیں گے مگر انہوں نے اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور آپ کے خلاف بھی اسی طرح سازشوں میں مصروف ہو گئے جس طرح انبیاء سابقین کے سلسلے میں کر چکے تھے اور یوں مغضوب وملعون ٹھہرے۔

مسیح کی دعوت اور موجودہ عیسائیت

اب تک جو کچھ پیش کیا گیا وہ بنیادی طور پر قرآنی حوالے سے تھا دیگر معلومات کی حیثیت تائید کی ہے یا اختلافی نقطہ نظر کی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عیسائی نقطہ نظر سے مسیح کی دعوت کا جائزہ لیں۔ عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور اس کے تبلیغی مشن دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں اور اس مشن میں مسیح کی شخصیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ موجودہ مشنری سرگرمیاں جہاں مسیح کی شخصیت کے گرد منظم ہوتی ہیں وہاں بعض تصورات بھی ہیں جو ہر مسیحی مبلغ کے پیش نظر ہوتے ہیں اس لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مسیح کی تعلیمات کا مسیحی تصور کیا ہے؟ اور اس تصور کی حیثیت کیا ہے؟

Marfat.com

مسیح علیہ السلام کے اسلوب دعوت کی غلط تعبیر

ہم اس پر مفصل بحث کر آئے ہیں کہ مسیح کی حیثیت بنی اسرائیل کے ایک مصلح اور پیغمبر کی تھی۔ وہ یہودیوں کو ان کی اخلاقی پستی سے نکال کر ایک بااخلاق اور صالح قوم بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی دعوت میں تعمیر سیرت پر زور دیا تھا اور انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لیے کوشاں رہے۔ وہ شعوری طور پر تعمیر اخلاق کے پروگرام پر عمل پیرا تھے اور اس ابتدائی مرحلے میں حکومت وقت سے ہر قسم کے تصادم سے گریز کر رہے تھے کیونکہ قبل از وقت تصادم اصلاحی کام کو نقصان پہنچاتا ہے۔ لیکن یہودی مذہبی قیادت انہیں اس تصادم کی راہ پر لانا چاہتی تھی تاکہ انہیں اس میں پھنسا کر اصلاحی پروگرام کو ختم کیا جا سکے۔ لوقا ہمیں بتاتے ہیں کہ فقیہہ اور سردار کاہن انہیں پکڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> وہ اس کی تاک میں لگے اور جاسوس بھیجے کہ راستباز بن کر اس کی کوئی بات پکڑیں تا کہ اس کو قبضہ اور اختیار میں دے دیں۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے استاد ہم جانتے ہیں کہ تیرا کلام اور تعلیم درست ہے اور تو کسی کی طرفداری نہیں کرتا بلکہ سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمیں قیصر کو خراج دینا روا ہے یا نہیں؟ اس نے ان کی مکاری معلوم کر کے ان سے کہا: ایک دینار مجھے دکھاؤ اور اس پر کس کی صورت اور نام ہے؟ انہوں نے کہا قیصر کا۔ اس نے ان سے کہا پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔ وہ لوگوں کے سامنے اس قول کو نہ پکڑ سکے بلکہ اس کے جواب سے متعجب ہو کر چپ ہو گئے۔ (۲۰۵)

تصادم سے بچنے کی یہ وقتی پالیسی آپ کے ارشادات سے ظاہر ہے۔ آپ سے منقول ہے:

> میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے۔ (۲۰۶)

مسیح کی اس وقتی حکمت عملی کو ان کی شخصیت کا مستقل اختصاص قرار دے کر اس سے دین و دنیا کی تفریق، رہبانیت کی ترویج جیسے فکر و عمل کے زاویے تراش لیے گئے۔

الوہیت مسیح

مسیح علیہ السلام کو جو ایک پیغمبر و مصلح تھے خدائی صفات سے متصف کر کے ابن اللہ قرار دیا اور تثلیث کا ایک اہم عنصر مانا۔ باقی دو عناصر باپ اور روح القدس ہیں۔ مسیح نے کہیں اپنے آپ کو ابن اللہ نہیں کہا وہ اکثر اپنے آپ کو ابن آدم کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ سینٹ پال نے یہ اعلان کیا کہ واقعہ رفع کے وقت اسی فعل رفع کے ذریعے یسوع کو پورے اختیارات کے ساتھ ابن اللہ کے مرتبہ پر علانیہ فائز کیا گیا۔ مسیح کی معجزاتی پیدائش میں اللہ کے کلمہ کو خاص فلسفیانہ رنگ میں بیان کر کے تثلیث کی صورت گری کی گئی۔ یوحنا کی انجیل کی ابتدائی آیات نے مسیح کی الوہیت کے لیے بنیاد فراہم کی۔ یوحنا لکھتے ہیں:

> ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس

Marfat.com

کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر نہیں پیدا ہوئی۔ (۲۰۷)

مسیح کی الوہیت موجودہ عیسائیت کا سنگ بنیاد ہے۔ عقلمند سے عقلمند عیسائی بھی الوہیت مسیح کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار نہیں کرتا۔ عیسائیوں نے مسیح کے حوالے سے جو عقیدہ ترتیب دیا ہے۔ اس کے چار اجزاء ہیں:

حلول، Incarntion

مصلوبیت، Crucifixion

مسیح کا جی اٹھنا، Resurrection

کفارہ، Atonement/Redemption

بعد میں تخلیق کی گئی مسیح علیہ السلام کی اسی شخصیت نے عیسائیت کو ایک نئے مذہب کی صورت عطا کی ورنہ مسیح کی حقیقی شخصیت بنی اسرائیل کے ایک نبی کی ہے اور ان کی دعوت شریعت موسوی کی تجدید واحیاء پر مبنی تھی۔ وہ خود کہتے ہیں" یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" (۲۰۸)

مسیح نے شریعت موسویہ کی تکمیل کی ہے اور اس میں رحمت وشفقت کے پہلوؤں کا اضافہ کیا ہے جسے پیروان مسیح نے ایک مستقل مذہب کی حیثیت دے دی، مسیح کی الوہیت کی واضح بات سینٹ پال کے ہاں ملتی ہے۔ وہ فلپسوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

> اس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی۔ اسی واسطے خدا نے بھی اسے بہت سربلند کیا اور اسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا جھکے۔ خواہ آسمانوں کا ہو، خواہ زمینوں کا، خواہ ان کا جو زمین کے نیچے ہیں اور خدا باپ کے جلال کے لیے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے۔ (۲۰۹)

کلیسیوں کے نام خط میں پال لکھتا ہے:

> کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئی، آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ دیکھی ہوں یا ان دیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات سب چیزیں اس کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔ (۲۱۰)

آگے چل کر لکھتا ہے:

> کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔ (۲۱۱)

پال سے پہلے مسیح کے لیے کوئی ایسا لفظ یا عبارت نہیں استعمال ہوئی جس سے الوہیت یا تجسم کے معنی نکالے جا سکیں یہ پال ہی ہے جس نے مسیح کا نیا تصور پیش کیا۔

Marfat.com

عقیدہ کفارہ

مسیح کی شخصیت کے حوالے سے ایک اہم عقیدہ کفارہ کا ہے اگرچہ کیتھولک علماء بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔اس کے باوجود پیدائشی گناہ اور اس کے لیے مسیح کی قربانی کے تصور کو پچھلے دو ہزار سال سے عیسائیت کے بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے۔اس تصور کی اساس بھی ہمیں پال ہی کے ہاں ملتی ہے ۔پال رومیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

> پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی۔اس لیے کہ سب نے گناہ کیا کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا۔تو بھی آدم سے لے کر موسیٰ تک موت نے ان پر بادشاہی کی، جنہوں نے اس آدم کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا۔لیکن گناہ کا جو حال ہے وہ فضل کی نعمت کا نہیں کیونکہ جب ایک شخص کے گناہ سے بہت سے آدمی مرگئے تو خدا کا فضل اور اس کی جو بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی۔اور جیسا کہ ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا ویسا حال نہیں کیونکہ ایک ہی سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا۔مگر بہتیرے گناہوں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راستباز ٹھہرے۔کیونکہ جب ایک شخص کے گناہ کے سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور راستبازی کی بخشش، افراط سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلہ سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے۔غرض جیسا ایک گناہ کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سب آدمیوں کی سزا کا حکم تھا ویسا ہی راستبازی کے ایک کام کے وسیلہ سے سب آدمیوں کو وہ نعمت ملی جس سے راستباز ٹھہر کر زندگی پائیں۔ (۲۱۲)

پال اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا۔پس موت میں شامل ہونے کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے جلایا گیا اسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں کیونکہ جب ہم اس کی موت کی مشابہت سے اس کے ساتھ پیوستہ ہوگئے تو بے شک اس کے جی اٹھنے کی مشابہت سے بھی اس کے ساتھ پیوستہ ہوں گے۔چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پرانی انسانیت اس کے ساتھ اس لیے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہو جائے تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔ (۲۱۳)

محبت کی تعلیم

محبت کا تصور موجودہ مسیحی علم کلام کی بنیادی قدر ہے۔"God is Love" ان کا مشہور جملہ ہے جو ہر مسیحی

Marfat.com

دہراتا ہے۔ یہی فقرہ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی جان ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک خدا محبت ہے لہذا اس نے اپنا اکلوتا بیٹا انسانوں کے گناہوں کو دھونے کے لیے قربان کیا۔ یہ اس کی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور ہمیں نجات دے۔ انسان کو بھی خدا کی محبت کا مظہر ہونا چاہیے اسے اپنے پڑوسی سے محبت کرنی چاہیے اور انسانوں کی خدمت کرنی چاہیے جو خدائی محبت کا ثمر ہے۔ اس سلسلے میں اناجیل اربعہ میں سے وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو محبت کا حکم دیتی ہیں۔ مثلاً متی لکھتے ہیں ایک عالم شرع نے مسیح کو آزمانے کے لیے ان سے پوچھا:

" اے استاد توریت میں کون سا حکم بڑا ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا دارومدار ہے۔ (۲۱۴)

متی مزید لکھتا ہے:

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو، جو تم پر لعنت کریں، ان کے لیے برکت چاہو جو تم سے نفرت کریں ان سے اچھا سلوک کرو، جو تمہیں ذلیل کریں اور تمہیں ستائیں ان کے لیے دعا مانگو تا کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے، بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بروں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارے لیے کیا اجر ہے؟۔" (۲۱۵)

لوقا کے مطابق مسیح نے کہا:

لیکن میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں ان کے لیے برکت چاہو، جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لیے دعا کرو۔ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو تیرا چوغہ لے اس کو کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تیرا مال لے لے اس سے طلب نہ کر اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو۔ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور اگر تم ان ہی کا بھلا کرو جو بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر تم ان ہی کو قرض دو جن سے وصول ہونے کی امید رکھتے ہو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ گنہگار بھی گنہگاروں کو قرض دیتے ہیں تا کہ پورا وصول کریں۔ مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے کیونکہ وہ ناشکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے۔ جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحمدل ہو۔ (۲۱۶)

محبت مسیحی تعلیم کا اصل الاصول ہے اور ایک سچے مسیحی کو زندگی بھر محبت کا پرچار کرتے رہنا چاہیے۔ اس اصول

Marfat.com

کے تحت کسی حال میں بھی ظلم و تعدی اور جبر و استبداد کے مقابلے کے لیے قوت استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اپنے حقوق سے خود بخود دستبردار ہو جانا چاہیے۔

آسمانی بادشاہت کا حصول

آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا ایک مسیحی کی معراج ہے۔ آسمانی بادشاہت ایک خالص روحانی منزل ہے جس کا دنیا اور دنیوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دنیا سے کلی مغایرت ہے۔ دنیوی زندگی کی آسائشیں آسمانی بادشاہت میں دخول کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ لہذا ایک سچا مسیحی جو آسمانی بادشاہت کی آرزو رکھتا ہے اسے دنیوی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ مسیح کے منقولہ ارشادات سے اس مغایرت کا اندازہ ہوتا ہے:

اے چھوٹے گلے نہ ڈر، کیونکہ تمہارے باپ کو پسند آیا کہ تمہیں بادشاہت دے۔ اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کردو اور اپنے لیے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا۔ (۲۱۷)

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔ (۲۱۸)

اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں، نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے۔ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت ان میں کسی کی مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے، کیا پئیں گے۔ (۲۱۹)

اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور اولاد اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی نفرت نہ رکھے تو وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔ (۲۲۰)

مسیح کی اس تعلیم کو خود مسیحی جس رنگ میں پیش کرتے ہیں اس کا اندازہ ریورنڈ ڈومیلیو (Rev. Dumellew) کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے:

"مسیح نے انسانی سیرت کے لیے وہ طرز پسند کیا جو بڑی حد تک دنیا کے پسند کیے ہوئے طرز سے مختلف ہے۔ خودداری کے بجائے فروتنی، اپنے حقوق پر جمے رہنے کے بجائے بدی کے آگے سر جھکا دینا

Marfat.com

اور وسعت طلبی کی جگہ قناعت، شرافت، عجز، صبر، ہمدردی، مصیبت میں خوش ہونا، درد سے راحت حاصل کرنا، یہ دنیا کو مسیحیت کے عطایا ہیں .... مگر ایک مسیحی کیریکٹر کی سب سے زیادہ جامع تعریف غالباً یہ ہے کہ وہ ایک یکسو آدمی ہوتا ہے۔ وہ ایک پاؤں دنیا میں اور دوسرا دین (چرچ) میں نہیں رکھ سکتا وہ ایک ہی وقت میں خدا اور متاع دنیا دونوں کی خدمت نہیں کر سکتا .... مسیح کے نزدیک دنیا کے پاس انسان کو اپنی خدمت پر مجبور کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ دولت ہے۔ لہٰذا ایک مسیحی بننے کے لیے پہلی اور ضروری شرط یہ ہے کہ انسان دولت سے بے تعلق ہو جائے۔ (۲۲۱)

ہمارے پیش نظر دعوت کے ان اصولوں کا تنقیدی جائزہ نہیں ہے تاہم سید مودودیؒ کے تنقیدی جائزہ کی چند سطور کا مطالعہ مفید ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

ان اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانی بادشاہت کی طرف لے جانے کے لیے مسیحیت جس ڈھنگ پر انسانی جماعت کی تربیت کرنا چاہتی ہے وہ تمدن اور تہذیب کے کامل انقطاع پر مبنی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ خاندانی تعلقات تمدنی زندگی کی بنیاد ہیں۔ جماعت سے انسان کا ابتدائی تعلق اپنے رشتہ داروں ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ انہی کے باہمی روابط سے ہیئت اجتماعی کی تشکیل ہوتی ہے اور در حقیقت انسان کے لیے اخلاق کی بہترین درسگاہ بھی یہی ہے مگر مسیح کے تیشہ کا سب سے پہلا وار اسی اصل الاصول پر پڑتا ہے اور وہ سب سے پہلے اس رشتہ کو کاٹ دیتا ہے جو آدمی کو سوسائٹی سے منسلک کئے ہوئے ہے۔ (۲۲۲)

نجات کا تصور

نجات کا تصور مسیحی دعوت کا اہم ستون ہے۔ ہبوط آدم کی وجہ سے انسان ہر وقت گناہ کی حالت میں ہے اور اس حالت سے نکلنے کے لیے عمل کی نہیں فضل خداوندی کی ضرورت ہے اور وہ صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی شخص مسیحؑ کے نام پر بپتسمہ لے۔ اس اصطباغ کے ذریعہ سے وہ نئی زندگی حاصل کرے گا اور اصطباغ کے بعد وہ ہمیشہ فضل خداوندی کا محتاج رہے گا۔ اور فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت صرف کیتھولک کلیسا کے حوالے سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ نجات کے اس تصور کا عقیدہ کفارہ سے گہرا تعلق ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور رحیم بھی اس لیے اس نے انسانوں کو گناہوں کے اثرات سے نجات دینے کے لیے خود اپنے بیٹے کو چنا اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا۔ اس نے یہ قربانی پیش کی کہ خود سولی پر چڑھ کر مر گیا اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہو گئی اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہو گیا بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کیے تھے وہ بھی معاف ہو گئے۔ (۲۲۳)

تصور نجات اور عقیدہ کفارہ کے لیے اناجیل کی جن عبارات کو استعمال کیا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

"اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔" (۲۲۴)

" فرشتے نے ان سے کہا..... تمہارے لیے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند" (۲۲۵)

Marfat.com

"ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔ (۲۲۶)

"ابن آدم اس لیے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لیے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے۔" (۲۲۷)

انہی جملوں کی تعبیرات سے کفارہ اور نجات کا تصور مستحکم ہوا ہے۔

شریعت کی منسوخی

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسیح نے واضح طور پر کہا کہ میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ اس کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔ (۲۲۸) لیکن سینٹ پال نے شریعت موسوی کی تنسیخ کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ (۲۲۹)

وہ مزید لکھتا ہے:

ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اس کے پابند رہے پس شریعت، مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تا کہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں۔ مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے۔ (۲۳۰)

وہ افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

چنانچہ اس نے اپنے جسم سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کردی تا کہ دوں سے اپنے آپ میں ایک نیا انسان پیدا کر کے صلح کرادے۔ (۲۳۱)

اور عبرانیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

پس اگر بنی لاوی کی کہانت سے کاملیت حاصل ہوتی ہے (کیونکہ اسی کی ماتحتی میں امت کو شریعت ملی تھی) تو پھر کیا حاجت تھی کہ دوسرا کاہن ملک صدق کے طور پیدا ہو اور ہارون کے طریقہ کا نہ گنا جائے اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بدلنا بھی ضرور ہے۔ (۲۳۲)

گلتیوں کے نام خط میں وہ وضاحت سے کہتا ہے:

مگر میں کہتا ہوں کہ روح کے موافق چلو تو جسم کی خواہش کو ہرگز پورا نہ کرو گے کیونکہ جسم روح کے خلاف خواہش کرتا ہے اور روح جسم کے خلاف اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تا کہ جو تم چاہتے ہو وہ نہ کرو۔ اور اگر تم روح کی ہدایت سے چلتے ہو تو شریعت کے ماتحت نہیں رہے۔ (۲۳۳)

ان اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ پال مسیحیت کو شریعت موسوی سے بالکل کاٹ دینا چاہتا ہے چنانچہ وہ شریعت موسوی کے تمام مظاہر کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب مسیحیت کی دعوت میں، محبت، ایمان اور روحانیت کی بات تو ہوتی ہے شریعت موسوی کی پیروی کا ذکر نہیں ہوتا۔

Marfat.com

ختنہ کی منسوخی

شریعت موسوی سے قطع نظر کا ایک اور مظہر ختنہ کی منسوخی ہے۔ ختنہ کا حکم ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔ تورات میں ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔........اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا اور فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔ (۲۳۴)

موسیٰؑ کو حکم ہوتا ہے:

اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔ (۲۳۵)

مسیح کا ختنہ بھی شریعت موسوی کے مطابق ہوا تھا۔ (۲۳۶) مسیح سے کوئی ایسا حکم منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ یہ سینٹ پال ہے جس نے ختنہ کے حکم کو منسوخ کر دیا، وہ گلتیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ میں ہر ایک ختنہ کرانے والے شخص پر پھر گواہی دیتا ہوں کہ اسے تمام شریعت پر عمل کرنا فرض ہے۔ تم جو شریعت کے وسیلہ سے راستباز ٹھہرنا چاہتے ہو مسیح سے الگ ہو گئے اور فضل سے محروم۔ کیونکہ ہم روح کے باعث ایمان سے راستبازی کے منتظر ہیں اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی، مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے۔ (۲۳۷)

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ موجودہ عیسائیت کی دعوت کا تعلق مسیح کی ذات سے تو ضرور ہے لیکن ان کی تعلیمات سے نہیں پھر ان کی ذات کا جو خاکہ ہمیں موجودہ عیسائیت سے ملتا ہے وہ اس مسیح سے کلیتاً مختلف ہے جو ہمیں یہودیوں کی اصلاح میں مصروف شخصیت میں ملتا ہے۔ موجودہ عیسائیت میں نہ صرف ان کی تعلیمات کو بدل دیا گیا ہے بلکہ ان کی شخصیت پر الوہیت کا ایسا خول چڑھا دیا گیا ہے کہ اصل مسیح ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔

قرآنی تبصرہ

عیسائیت کی تعلیمات اور مسیح کے بارے میں ان کے تصورات کا تنقیدی جائزہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں کیونکہ ہم تقابل ادیان کی نہیں دعوت الی اللہ سرگرمیوں پر گفتگو کر رہے ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اس تبصرے اور تنقیدی جائزے کو ضرور دیکھ لیا جائے جو مسیح اور ان کی تعلیمات کے موجودہ ڈھانچے پر قرآن نے پیش کیا ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ دعوت الی اللہ کی تاریخ میں مسیح کی بڑی اہمیت ہے اور ان کی ذاتی یا تعلیماتی تصور کا مسخ ہونا ایک المیہ ہے جس کی حقیقت سے آگاہ ہونا دعوت کے کارکن کے لیے بے حد اہم ہے۔ ہم یہاں نہایت سادہ انداز

Marfat.com

میں صرف وہی نکات پیش کریں گے جن کا تعلق قرآنی تنقید (Critique) سے ہے۔ مفصل بحثیں تقابل ادیان کی کتابوں میں یا تفسیری لٹریچر میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ قرآن نے تین امور پر بحث کی ہے۔ عبدیت مسیح کا اثبات اور ابنیت کی نفی۔ تثلیث کا رد تحریف اور مصلوبیت کی نفی۔

عبدیت مسیح

قرآن مجید نے اہتمام کے ساتھ مسیح علیہ السلام کی عبدیت، نبوت اور رسالت کا اظہار کیا ہے۔ قرآن پاک نے حضرت مسیح کی زبان سے عبدیت کا اعتراف بیان کیا۔ مہد میں ان کی گفتگو کو نقل کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا o وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا o وَّبَرًّام بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا o وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (۲۳۸)

مسیح نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں مجھے صاحب برکت بنایا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوۃ کا ارشاد فرمایا ہے اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام اور رحمت ہے۔

سورہ الزخرف میں مسیح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ o وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ o وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَ اتَّبِعُوْنِ. هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (۲۳۹)

وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔ اور وہ قیامت کی نشانی ہیں تو (کہہ دو کہ لوگو) اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو یہی سیدھا راستہ ہے۔

سورہ النساء میں فرمایا:

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ. وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا (۲۴۰)

مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔

الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کی نفی

پال کی متعارف کردہ مسیحیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ابنیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

Marfat.com

تثلیث کا عقیدہ مسیح کی ابنیت اور الوہیت ہی پر منحصر ہے۔ قرآن نے جہاں مسیح کی عبدیت کو ثابت کیا ہے وہاں ان کی ابنیت والوہیت کی نفی بھی کی ہے۔ قرآن کا اسلوب حسب معمول اعجاز وایجاز کا نمونہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ. قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا. وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا. يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ. وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۴۱)

ان سے کہہ دو کہ اگر خدا عیسیٰ ابن مریمؑ کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کسی کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ. وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰبَنِي إِسْرَاءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ. إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰهُ النَّارُ. وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (۲۴۲)

وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریمؑ کے بیٹے مسیح، خدا ہیں حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور جان رکھو کہ جو شخص خدا کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَهُ قٰنِتُونَ (۲۴۳)

یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔ (نہیں) وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ. أَنّٰى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ. وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ. وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۲۴۴)

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ. ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ. يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ. قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ. أَنّٰى يُؤْفَكُونَ (۲۴۵)

یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے یہ بھی انہیں کی پیروی کر رہے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

Marfat.com

قرآن نے جس طرح ابنیت اور الوہیت کی نفی کی ہے اسی طرح براہ راست تثلیث پر بھی تنقید کی ہے۔ اسے خلاف عقل قرار دیتے ہوئے عیسائیوں کے غلو پر محمول کیا ہے۔ قرآن کی تنقید اور اس کا استدلال ملاحظہ فرمائیں:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ. وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ. كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ. اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ o قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا. وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۲۴۶)

وہ لوگ کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (وعقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریمؑ تو صرف خدا کے پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ بہت سچی عورت تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔ کہو کہ تم خدا کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور خدا ہی سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

تثلیث پر تنقید کرنے اور اس کے خلاف دلائل دینے کے بعد آخر میں اہل کتاب غلو کا تذکرہ ہے جس میں لطیف اشارہ ہے کہ تثلیث اور الوہیت مسیح دراصل غلو ہی کا شاخسانہ ہے۔ مسیح کی محبت وعقیدت نے انہیں مقام الوہیت پر فائز کردیا ہے۔ اہل مذہب کی انتہا پسندی و بے اعتدالی ہی بہت سی گمراہیوں کا باعث بنتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (۲۴۷)

کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو بھی گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

سورہ نساء میں بھی تثلیث پر کلام کیا گیا ہے لیکن وہاں اسلوب مختلف ہے وہاں براہ راست حکم ہے کہ ایسا مت کہو کہ خدا تین ہیں اور ایسا کہنے سے باز آجاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ. اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ. اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ. وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ. اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ. اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ م لَهٗ مَا فِي

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ. وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (۲۴۸)

اے اہلِ کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ خدا کے رسول اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریمؑ کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ ایسا کہنے سے باز آؤ کہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین ہے سب اسی کا ہے اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔

مصلوبیت کی نفی

یہودیوں کا اصرار تھا کہ انہوں نے مسیح کو سولی پر چڑھا دیا اور عیسائیوں نے بھی اسے تسلیم کرلیا اور اسی پر اپنے علم کا تانا بانا بُنا۔ قرآن نے واضح طور پر اس کا انکار کیا اور غیر مبہم انداز میں بیان کیا کہ مسیح کو سولی نہیں دی گئی اور وہ قتل بھی نہیں کیے گئے بلکہ انہیں اللہ نے دنیا سے اپنے ہاں اٹھا لیا۔ مسیحیت کی تنقید میں یہ زوردار موقف قرآن مجید میں یوں بیان ہوا:

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ. وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ. وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ. مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ. وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۲۴۹)

اور خود کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کو قتل کیا۔ حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔

قرآن نے مسیح کے رفع کو سورہ آل عمران (۲۵۰) میں بھی بیان کیا ہے اور اسے اپنی تدبیروں میں سے ایک تدبیر قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے مطابق مسیح کو سولی چڑھانے کی یہودی و عیسائی داستان ناقابل قبول ہے۔

تحریف

قرآن اگرچہ تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے لیکن موجودہ تورات وانجیل نہیں بلکہ منزل من اللہ تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ اور موجودہ تورات وانجیل کے اندر تحریف کی نشاندہی کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۲۵۱)

اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔ اور جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں۔

قرآن مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ ان سے توقعات نہ رکھو یہ تو اللہ کے کلام میں تحریف کرنے والے لوگ ہیں۔

Marfat.com

فرمایا:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَاعَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ (۲۵۲)

اے مسلمانو! اب کیا تم ان لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا یہ شیوہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔

ایک گروہ سے مراد ان کے علماء اور حاملین شریعت ہیں۔ کلام اللہ سے مراد تورات، زبور اور دوسری کتابیں ہیں جو ان لوگوں کو ان کے انبیاء کے ذریعے سے پہنچیں۔ تحریف کا مطلب یہ ہے کہ بات کو اس کے اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنی پہنا دینا جو قائل کے منشا کے خلاف ہوں۔ نیز الفاظ میں تغیر و تبدل کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں۔ علماء بنی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الٰہی میں کی ہیں۔ (۲۵۳)

قرآن نے تحریف کا ذکر بنی اسرائیل اور اہل کتاب کے حوالے سے کیا ہے۔ اس میں عیسائیوں کا بالخصوص ذکر نہیں تاہم تحریف کتاب کی جو روایت بنی اسرائیل میں تھی اسے علماء نصرانیت نے بھی جاری رکھا۔ مسلمان محققین نے انجیل میں تحریف کے سلسلے میں معتدبہ کام کیا ہے۔ مفصل معلومات کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب "اظہار الحق" کا مطالعہ مفید ہوگا۔ امام ابن تیمیہ نے "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں عیسائی علماء کی ان جسارتوں کو تفصیل سے بیان کیا جو دین کے نئے ایڈیشن کی تیاری میں انہوں نے روا رکھیں۔ قرآن کا ایک عمومی تبصرہ مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ فرمائیں:

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ (۲۵۴)

پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں اور پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی موجب ہلاکت۔

یہ بات اب ثابت ہو چکی ہے کہ موجودہ اناجیل میں مسیح کا کلام تو موجود ہے لیکن یہ مکمل طور پر وہ کلام نہیں ہے جو مسیح پر اتارا گیا تھا۔ اناجیل اربعہ کے لکھنے والے مسیح کے حواری نہ تھے بلکہ انہیں ان سے ملاقات بھی حاصل نہ تھی۔ انہوں نے زبانی روایات کی بنیاد پر مواد اکٹھا کیا اور اسے مسیح کی سیرت کی حیثیت سے مرتب کر دیا۔

انتہا پسندی (غلو)

مسیح کی الوہیت اور عقیدہ حلول ہو یا مصلوبیت، دوبارہ جی اٹھنا ہو یا کفارہ، عیسائی دنیا کا اصل مرض ان کا غلو ہے۔ یہ ان کی انتہا پسندی ہے جس نے عیسائیت کے نام پر نیا دین اور ابن اللہ کے نام پر نیا مسیح کھڑا کر دیا ہے۔ مسیحیت پر قرآنی تنقید (Critique) کا بنیادی نقطہ یہی ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید نے عیسائیوں کو اس روش پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (۲۵۵)

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

اس غلو کا نتیجہ تھا کہ الوہیت مسیح کے ساتھ ام عیسیٰ کو مادرِ خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ مسیح کے بعد ابتدائی تین سو برس تک عیسائی دنیا اس تخیل سے بالکل ناآشنا تھی۔ تیسری صدی کے آخری دور میں اسکندریہ کے بعض علماء دینیات نے پہلی مرتبہ حضرت مریمؑ کے لیے ام اللہ یا مادر خدا کے الفاظ استعمال کیے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ الوہیت مریمؑ کا عقیدہ اور مریمؑ پرستی کا طریقہ عیسائیوں میں پھیلنا شروع ہوا۔ اول اول تو چرچ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا بلکہ مریمؑ پرستوں کو فاسد العقیدہ قرار دیتا تھا۔ پھر جب نسطوریس کے اس عقیدے پر کہ مسیح کی واحد ذات میں دو مستقل جداگانہ شخصیتیں جمع تھیں، مسیحی دنیا میں بحث و جدال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا تصفیہ کرنے کے لیے ۴۳۱ھ میں شہر افسوس میں ایک کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل میں پہلی مرتبہ کلیسا کی سرکاری زبان میں مریمؑ کے لیے مادر خدا کا لقب استعمال کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریمؑ پرستی کا جو مرض اب تک کلیسا کے باہر پھیل رہا تھا وہ اس کے بعد کلیسا کے اندر بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ نزول قرآن کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریمؑ اتنی بڑی دیوی بن گئیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں اس کے سامنے ہیچ ہو گئے۔ ان کے مجسمے جگہ جگہ کلیساؤں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان کے آگے عبادت کے جملہ مراسم ادا کیے جاتے تھے انہیں سے دعائیں مانگی جاتی تھیں، وہی فریاد رس، حاجت روا، مشکل کشا اور بے کسوں کی پشتیبان تھیں۔ اور ایک مسیحی کے لیے سب سے بڑا ذریعہ اعتماد اگر کوئی تھا تو وہ یہ تھا کہ مادر خدا کی حمایت و سرپرستی اسے حاصل ہو۔ قیصر جسٹنین اپنے ایک قانون کی تمہید میں حضرت مریمؑ کو اپنی سلطنت کا حامی و ناصر قرار دیتا ہے۔ اس کا مشہور جنرل نرسیس میدان جنگ میں حضرت مریمؑ سے رہنمائی طلب کرتا ہے۔ نبیؐ کے ہم عصر قیصر ہرقل نے اپنے جھنڈے پر مادر خدا کی تصویر بنا رکھی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس تصویر کی برکت سے یہ جھنڈا سرنگوں نہ ہوگا۔ اگرچہ بعد کی صدیوں میں تحریک اصلاح کے اثر سے پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے مریمؑ پرستی کے خلاف شدت سے آواز اٹھائی گئی لیکن رومن کیتھولک کلیسا آج تک اس مسلک پر قائم ہے۔ (۲۵۶)

قرآن نے اسی غلو کے حوالے سے وہ مکالمہ نقل کیا ہے جو قیامت کے روز حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے خالق کے درمیان ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ. اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ. تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ. اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۲۵۷)

Marfat.com

جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریمؑ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو؟ تو وہ جواب میں عرض کرے گا" سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔

اس غلو کے نتیجہ میں جہاں عقیدے کی نئی عمارت کھڑی ہوگئی وہاں رسوم و اعمال کا ایک نیا ڈھانچہ تیار ہوگیا اور مسیحی مبلغین نے اپنی ساری دعوتی سرگرمیاں اسی حوالے سے منظم کیں۔ اس لیے اب توحید الٰہی، شریعت موسوی، دین کی جامعیت، مسیح کی نبوت اور اصلاح معاشرہ کے بجائے نئی قدروں کا پرچار شروع ہوا۔

قرآن کے ان تنقیدی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم علماء نے مسیحیت کا گہرا تجزیہ کیا ہے اور علم و تحقیق پر مبنی شاندار بحثیں کی ہیں۔ ہمارے پیش نظر چونکہ دعوتی پہلو ہے اس لیے ہم نے تقابل ادیان اور علم الکلام کی دقیق بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے دعوتی نقطہ نظر سے مسیح کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حواشی

۱۔ آل عمران ۳۳۔۳۷

۲۔ عمران موسیٰ اور ہارون کے والد کا نام تھا۔ بائبل میں جسے عمرام لکھا گیا ہے۔ خروج/۲۰

۳۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۴۷

۴۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/۳۳۹

۵۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، ۶/۲۶۸

۶۔ ابن کثیر، ۱/۳۴۳

۷۔ آل عمران: ۴۴

۸۔ ابن کثیر، ۱/۳۴۰

۹۔ ابن جریر، ۳/۳۴۳

۱۰۔ ابن کثیر، ۱/۳۴۳

۱۱۔ روح المعانی، ۳/۱۵۸

۱۲۔ آل عمران/۳۷

۱۳۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۴۸

۱۴۔ آل عمران/۳۸۔۳۹

۱۵۔ آل عمران/۴۲۔۴۳

۱۶۔ آل عمران/۴۵۔۴۹

۱۷۔ مریمؑ /۱۶۔۲۶

۱۸۔ مریمؑ /۲۷۔۳۳

۱۹۔ تفہیم القرآن، ۳/۶۶۔۶۷

۲۰۔ الانبیاء/۹۱

۲۱۔ المومنون/۵۰

۲۲۔ تفسیر ابن کثیر، ۳/۴۳۹

۲۳۔ متی ۱/۱۸۔۲۵

۲۴۔ جبریلؑ نے لوقا کے مطابق، سزا کے طور پر زبان بندی کر دی کیونکہ زکریا نے جبریل کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے مجرمانہ کلچر میں سزا ایک معمول کی بات تھی۔ وہ اپنے ہاں بھی بات بات پر سزا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بھی اپنی معصیت کاری پر سزاوار ٹھہرتے لہذا انہوں نے اپنے نبیوں کو سزا کا مستحق قرار دیا۔ اسی کلچر کے پس منظر میں لوقا زکریا کو سزا کا مستحق بیان کر رہے ہیں۔ قرآن نے بھی زکریا کے سوال اور فرشتہ کا جواب بیان کیا ہے اور دونوں کے موازنہ سے الہامی خصوصیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ سورہ آل عمران اور سورہ مریمؑ میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم تقابل کے لیے صرف سورہ آل عمران کی متعلقہ آیات نقل کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ. قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ○ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً. قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا. وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ (آل عمران/۴۰۔۴۱)

زکریا نے کہا: پروردگار! میرا لڑکا کس طرح ہوگا جب کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا! اللہ جو چاہے اسی طرح کرتا ہے۔ زکریا نے کہا پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کیجئے۔ فرمایا: یہ نشانی ہے کہ تو تین دن لوگوں سے اشارہ کے سوا (زبان سے بات نہ کرے گا) اور اپنے رب کی یاد میں (اظہار شکر کے لیے) بہت زیادہ رہ اور صبح و شام تسبیح کر) سورہ مریمؑ (۲۔۱۱) میں پورے واقعہ کو مفصل بیان کیا گیا ہے لیکن دو جگہوں پر زکریا کے سوال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کا بیان ہے۔ ان دونوں مقامات سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ کلام نہ کر سکنا بطور سزا تھا بلکہ واضح طور پر قبولیت دعا کی نشانی کا اشارہ

Marfat.com

ملتا ہے۔

۲۵۔ لوقا،۱/۵۔۵۶

۲۶۔ ایضاً،۲/۱۔۷

۲۷۔ Life and the times of Jesus the Messiah, 13th Edition. 1/221, Longsman Green & Co 39 Paternosterrow London. 1906

۲۸۔ متی،۲/۱۔۲۳

۲۹۔ لوقا،۲/۸۔۵۲

۳۰۔ متی،۳/۱۔۱۷

۳۱۔ یوحنا،۱/۱۹۔۳۴

۳۲۔ مرقس،۱/۱۔۱۱

۳۳۔ لوقا،۳/۱۔۲۲

۳۴۔ متی،۴/۱۔۱۱

۳۵۔ مرقس،۱/۱۲۔۱۳

۳۶۔ لوقا،۴/۱۔۱۳

۳۷۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب واذکر فی الکتاب مریم، ۴/۱۴۰

۳۸۔ ایضاً،۴/۱۴۱

۳۹۔ مسلم۔ کتاب الفتن، باب صفۃ الدجال،۸/۱۹۸

۴۰۔ ایضاً، کتاب الفتن، باب فی خروج الدجال، ۸/۲۰۱، ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی فتنۃ الدجال،۴/۵۱۲

۴۱۔ لوقا،۲/۲۳

۴۲۔ لوقا،۲/۴۲،۴۶

۴۳۔ متی،۱۵/۲۱۔۲۸

۴۴۔ البقرہ/۶۱

۴۵۔ ۲۔ تواریخ،۶/۷۔۱۰

۴۶۔ ۱۔ سلاطین،۱۶/۳۱

۴۷۔ ایضاً،۱۹/۱۔۹

۴۸۔ ایضاً،۱۹/۱۰

۴۹۔ ۱۔ سلاطین،۲۲/۲۶۔۲۷

۵۰۔ ۲۔ تواریخ،۲۴/۲۰

۵۱۔ ایضاً،۲۴/۲۱

۵۲۔ یرمیاہ،۲۷/۱۵

۵۳۔ ایضاً،۲۷/۵۔۶

۵۴۔ عاموس،۷/۱۰۔۱۴

۵۵۔ متی،۳/۷۔۹

۵۶۔ مرقس،۶/۱۷۔۲۹

۵۷۔ تفسیر ابن کثیر،۱/۳۳۶

۵۸۔ ایضاً،۱/۹۸

۵۹۔ بنی اسرائیل/۴۔۵

۶۰۔ سید مودودی کے بقول کتاب سے مراد یہاں توراۃ نہیں ہے بلکہ صحف آسمانی کا مجموعہ ہے جس کے لیے قرآن میں اصطلاح کے طور پر الکتاب کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن ۲/۵۹۱)

۶۱۔ استثناء،۷/۱۔۶

۶۲۔ زبور،۱۰۶/۳۴۔۴۱

۶۳۔ قضاۃ،۲/۱۱۔۱۵

۶۴۔ یسعیاہ،۱/۲۱۔۲۴

۶۵۔ یسعیاہ،۱/۲۱۔۲۴

۶۶۔ ایضاً،۳/۱۶۔۲۶

۶۷۔ یرمیاہ،۲/۵۔۸

۶۸۔ ایضاً،۳/۶۔۹

۶۹۔ ایضاً،۵/۱۔۱۹

۷۰۔ ایضاً ،۷/۳۳۔۳۴

۷۱۔ ایضاً،۱۵/۲۔۳

۷۲۔ حزقی ایل،۲/۳۔۱۶

۷۳۔ تیا البقرہ/۸۷۔۸۸

۷۵۔ آل عمران/۵۰۔۵۱

۷۶۔ القصص/۶

۷۷۔ آل عمران/۵۰۔۵۱

۷۸۔ تفہیم القرآن،۱/۲۵۴۔۲۵۵

۷۹۔ مریم/۳۶

۸۰۔ الزخرف/۶۴

۸۱۔ متی،۴/۱۰

Marfat.com

۸۲۔ متی، ۶/۱۰
۸۳۔ الزخرف/۶۳
۸۴۔ المائدہ/۱۱۰
۸۵۔ الحدید/۲۷
۸۶۔ المائدہ/۴۶
۸۷۔ لوقا، ۱۳/۲۳
۸۸۔ لوقا، ۹/۳۸۔۴۰
۸۹۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۵۵
۹۰۔ آل عمران/۵۰
۹۱۔ تفہیم القرآن، ۱/۲۵۴
۹۲۔ متی، ۱۵/۳۔۹، مرقس، ۷/۵۔۱۳
۹۳۔ آل عمران/۵۰
۹۴۔ القصف/۶
۹۵۔ المائدہ/۴۶
۹۶۔ المائدہ/۴۶
۹۷۔ متی، ۵/۱۷
۹۸۔ ایضاً، ۲۲/۳۷۔۴۰
۹۹۔ ایضاً، ۲۳/۲۔۳
۱۰۰۔ القصف/۶
۱۰۱۔ یوحنا، ۱۴/۱۶۔۱۷
۱۰۲۔ ایضاً، ۱۴/۲۵۔۲۶
۱۰۳۔ ایضاً، ۱۴/۳۰
۱۰۴۔ ایضاً، ۱۵/۲۶
۱۰۵۔ ایضاً، ۱۶/۷
۱۰۶۔ ایضاً، ۱۶/۱۲۔۱۵
۱۰۷۔ تفہیم القرآن، ۵/۴۶۳
۱۰۸۔ ایضاً
۱۰۹۔ انسائیکوپیڈیا برٹانیکا (انگلش) ۱۹۴۶ء، مقالہ بائبل
۱۱۰۔ سیرۃ ابن ہشام، ۱/۲۲۸، یہ مفہوم یوحنا، ۱۵/۲۳۔۲۷ اور ۱/۱۶ میں موجود ہے وہاں اردو ترجمہ مددگار اور انگریزی میں Advocate ہے۔
۱۱۱۔ مسند احمد، ۴/۸۱، ۸۴، ۶/۲۵
۱۱۲۔ استثنا، ۱۸/۱۵۔۱۹
۱۱۳۔ الاعراف/۱۵۶
۱۱۴۔ ایضاً/۱۵۶۔۱۵۷
۱۱۵۔ یوحنا، ۱/۱۹۔۲۶
۱۱۶۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسماءﷺ، ۷/۹۰
۱۱۷۔ موطا، کتاب اسماء النبی، ۶۶۵
۱۱۸۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ، ۴/۱۶۲
۱۱۹۔ مسلم، کتاب الفضائل باب فی اسماءﷺ، ۷/۸۹
۱۲۰۔ داری، مقدمہ، ۱/۲۷
۱۲۱۔ ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی اسماء النبی، ۵/۱۳۵
۱۲۲۔ تفہیم القرآن، ۵/۴۶۱
۱۲۳۔ آل عمران/۵۰، الزخرف/۶۳
۱۲۴۔ مریم/۳۰۔۳۲
۱۲۵۔ مرقس/۱۲/۲۸۔۳۲
۱۲۶۔ لوقا، ۴/۸
۱۲۷۔ متی، ۶/۹۔۱۰
۱۲۸۔ متی، ۱۰/۳۸۔۳۹
۱۲۹۔ ایضاً، ۱۶/۲۴
۱۳۰۔ خود پرستی اور ذاتی اغراض سے دست بردار ہونا۔
۱۳۱۔ ایضاً، ۱۶/۲۴
۱۳۲۔ ایضاً، ۱۰/۲۱۔۲۲
۱۳۳۔ ایضاً، ۱۰/۱۶۔۱۸
۱۳۴۔ دشمنی کرنے سے مراد ان کی محبت اور ان کے مفاد کو دعوت الی اللہ کے لیے قربان کرنا۔
۱۳۵۔ یہ محاورہ پہلے بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب سزائے موت کے لیے تیار رہنا ہے
۱۳۶۔ لوقا، ۱۴/۲۶۔۳۳
۱۳۷۔ متی، ۱۵/۳۹۔۴۱
۱۳۸۔ ایضاً، ۱۰/۲۸
۱۳۹۔ متی، ۷/۷
۱۴۰۔ ایضاً، ۶/۲۴

Marfat.com

۱۴۱_ متی، ۴/۲۴_۳۴
۱۴۲_متی، ۶/۱۹_۲۰
۱۴۳_متی، ۲۳/۱۳،۱۵
۱۴۴_ایضاً، ۲۳/۱۶
۱۴۵_ایضاً، ۲۳/۲۴
۱۴۶_ایضاً، ۲۳/۲۷_۲۸
۱۴۷_ایضاً، ۲۳/۲_۸
۱۴۸_متی، ۱۱/۲۵
۱۴۹_ایضاً، ۱۱/۲۸_۳۰
۱۵۰_نصرانیت/۴۰
۱۵۱_ لوقا، ۲/۵_۲۶
۱۵۲_متی: باب ۵_۷
۱۵۳_الاعراف/۷۳
۱۵۴_بنی اسرائیل/۱۰۱
۱۵۵_البقرہ/۸۷
۱۵۶_المائدہ/۱۱۰
۱۵۷_البقرہ/۹۲
۱۵۸_الانبیاء/۹۱
۱۵۹_آل عمران/۴۹
۱۶۰_المائدہ/۱۱۰
۱۶۱_ متی، ۴/۲۳_۲۵
۱۶۲_ایضاً، ۸/۱_۳۴، ۹/۱_۸
۱۶۳_متی، ۹/۱۸_۳۳
۱۶۴_مرقس، ۱/۲۱_۴۵
۱۶۵_لوقا، ۴/۱۶_۴۱
۱۶۶_مریم/۳۴
۱۶۷_الانبیاء/۷۴
۱۶۸_الانبیاء/۷۹
۱۶۹_ یوسف/۲۲
۱۷۰_آل عمران/۴۸
۱۷۱_ الزخرف/۶۳
۱۷۲_متی، ۱۳/۱۰_۵۲

۱۷۳_مرقس، ۳/۲۰_۳۵، ۴/۱_۳۴
۱۷۴_لوقا، ۶/۳۹_۴۹
۱۷۵_متی، ۱۹/۱۶_۲۴
۱۷۶_الصف/۱۴
۱۷۷_آل عمران/۵۲_۵۳
۱۷۸_المائدہ/۱۱
۱۷۹_متی، ۱۰/۱_۱۵
۱۸۰_مرقس، ۳/۱۳، لوقا: ۶/۱۲_۱۹
۱۸۱_ تدبر قرآن، ۷/۳۶۸_۳۶۹
۱۸۲_یوحنا، ۱۳/۲۱_۲۷، متی، ۲۶/۲۰_۲۳: یہاں یہ الفاظ ہیں: جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا۔ یوحنا نے کہا کہ وہ چور تھا اور چونکہ اس کے پاس ان کی تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا۔ (یوحنا، ۱۲/۶)
۱۸۳_یوحنا، ۱۳/۳۶_۳۸، متی ۲۷/۳۴_۳۵
۱۸۴_متی، ۲۶/۵۶
۱۸۵_ایضاً، ۲۶/۶۹_۷۵
۱۸۶_قصص القرآن، ۳/۹۰
۱۸۷_یوحنا، ۱۱/۴۷_۵۳
۱۸۸_مرقس، ۱۴/۱_۲
۱۸۹_متی، ۲۷/۱_۶۶
۱۹۰_ متی، ۲۸/۱_۲۰
۱۹۱_ مرقس، ۱۵/۱_۴۷، ۱۶/۱_۲۰، لوقا، ۲۲/۶۶_۷۱، ۲۳/۱_۵۶، ۲۴/۱_۲، یوحنا ۱۸/۱_۴۰، ۱۹/۱_۴۲، ۱۲۰_۲۳
۱۹۲_ متی، ۲۶/۳۹_۴۰
۱۹۳_ایضاً، ۲۶/۴۲
۱۹۴_یوحنا، ۱۹/۸_۴۲، ۲۰/۱_۲۳
۱۹۵_آل عمران/۵۴_۵۵
۱۹۶_ قصص القرآن، ۳/۱۰۰_۱۰۱
۱۹۷_النساء/۱۵۷_۱۵۹
۱۹۸_تفہیم القرآن، ۱/۲۵۷_۲۵۸
۱۹۹_ ایضاً، ۱/۴۱۹
۲۰۰_ ایضاً، ۱/۴۲۰

Marfat.com

۲۰۱۔ ایضاً،۱/۴۲۰۔۴۲۱
۲۰۲۔ایضاً،۱/۴۲۱
۲۰۳۔تفہیم القرآن،۲/۶۰۲
۲۰۴۔المائدہ/۷۸
۲۰۵۔لوقا،۲۰/۲۰۔۲۶
۲۰۶۔متی،۵/۳۹۔۴۱
۲۰۷۔یوحنا،۱/۱۔۴
۲۰۸۔متی،۵/۱۷۔۱۸،لوقا،۱۶/۱۶۔۱۷
۲۰۹۔فلیپوں،۲/۶۔۱۱
۲۱۰۔ کلیسوں،۱/۱۶۔۱۷
۲۱۱۔ ایضاً،۲/۹
۲۱۲۔ رومیوں،۵/۱۲۔۱۹
۲۱۳۔ایضاً،۶/۳۔۶
۲۱۴۔متی،۲۲/۳۶۔۴۰
۲۱۵۔ایضاً،۵/۴۳۔۴۶
۲۱۶۔ لوقا،۶/۲۷۔۳۶
۲۱۷۔ایضاً،۱۲/۳۲۔۳۳
۲۱۸۔متی،۱۹/۲۳۔۲۴
۲۱۹۔ متی،۶/۵۔۳۱
۲۲۰۔لوقا،۱۴/۲۶
۲۲۱۔ Commentary on the Holy Bible LXXX
۲۲۲۔نصرانیت،۴۷
۲۲۳۔The Enchliridion I/۶۸۷
۲۲۴۔متی،۱/۲۱
۲۲۵۔لوقا،۲/۱۱
۲۲۶۔لوقا،۱۹/۱۰
۲۲۷۔متی،۲۰/۲۸،مرقس،۱۰/۴۵
۲۲۸۔متی،۵/۱۷
۲۲۹۔گلتیوں،۳/۱۳
۲۳۰۔گلتیوں،۳/۲۳۔۲۵
۲۳۱۔افسیوں ،۲/۱۵
۲۳۲۔عبرانیوں،۷/۱۱۔۱۲
۲۳۳۔گلتیوں،۵/۱۶۔۱۸
۲۳۴۔پیدائش،۱۷/۱۔۱۴
۲۳۵۔احبار،۱/۳
۲۳۶۔لوقا،۲/۲۱
۲۳۷۔گلتیوں،۵/۱۔۶
۲۳۸۔مریم /۳۰۔۳۳
۲۳۹۔الزخرف/۵۹۔۶۱
۲۴۰۔النساء/۱۷۲
۲۴۱۔ المائدہ/۱۷
۲۴۲۔ایضاً/۷۲
۲۴۳۔بقرہ/۱۱۶
۲۴۴۔الانعام/۱۰۱
۲۴۵۔التوبہ/۳۰
۲۴۶۔المائدہ/۷۳۔۷۶
۲۴۷۔المائدہ/۷۷
۲۴۸۔النساء/۱۷۱
۲۴۹۔النساء/۱۵۷۔۱۵۸
۲۵۰۔آل عمران/۵۴۔۵۵
۲۵۱۔ المائدہ/۱۳
۲۵۲۔البقرہ/۷۵
۲۵۳۔تفہیم القرآن،۱/۸۷
۲۵۴۔البقرہ/۷۹
۲۵۵۔المائدہ/۷۷
۲۵۶۔تفہیم القرآن،۱/۵۱۵۔۵۱۶
۲۵۷۔المائدہ/۱۱۶

☆☆☆

Marfat.com

مصنف کی دیگر تصانیف

- اصول الحدیث
- حفاظت حدیث
- اقبال اور احیاء دین
- سید مودودی بحیثیت مفسر
- برطانیہ کی مسلم کمیونٹی اور اس کے مسائل
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کے تقاضے
- رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
- مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں مسجد کا کردار
- روزہ حدیث کی روشنی میں
- پیغمبرانہ دعائیں
- اقامت صلواۃ
- خلق عظیم
- اسلام کا معاشرتی نظام
- شرح حدیث اربعین نووی

ISBN 969-503-402-0

9789695032831

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

Title Design By: Agha Nisar 7210011